

مُرُوقِ دہلی

(فارسی متن اور اردو ترجمہ)

درگاہ قلی خاں

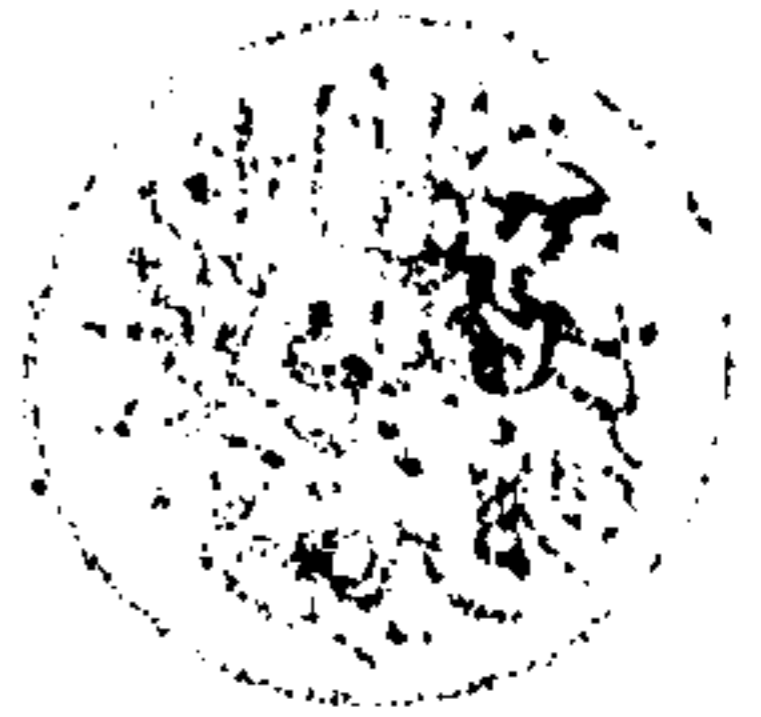
مُرَاتَبَہُ وَمُتَرَجِمَہُ

خلیق انجم

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





مُرُقِعِ دہلی

(فارسی متن اور اردو ترجمہ)

درگاہ قلی خاں



مُصَنَّفٌ وَمُتَرَجِّمٌ

خلیق انجم

134131

© خلیق انجم

۱۹۹۳ء
۱۴۰ (ایک سو ساٹھ) روپے
شمار آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی
پانچ سو (۵۰۰)
خلیق انجم

سند اشاعت :
قیمت :
طباعت :
تعداد :
ناشر :

MURAQQA-E-DELHI

EDITED BY KHALIQ ANJUM

PRICE : Rs. 160-00

1993

تقسیم کار:

انجمن ترقی اردو (ہند)
● یہ کتاب فخر الدین علی احمد کیٹی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

فہرست

۱۲۹	ترجمہ ۶۲	حافظ شاہ سعد اللہ	۹	حرف آغاز
۱۳۰	ترجمہ ۶۳	شاہ غلام محمد داؤل پورہ	۱۱	مقدمہ
۱۳۰	ترجمہ ۶۳	شاہ محمد امیر		
۱۳۱	ترجمہ ۶۴	شاہ پانصد منی	اردو ترجمہ	فارسی متن
۱۳۲	ترجمہ ۶۵	ذکر میر سید محمد	۵۱	ترجمہ ۱۱۵
۱۳۳	ترجمہ ۶۶	ذکر مجنون نانک شاہی	۵۲	ترجمہ ۱۱۶
۱۳۴	ترجمہ ۶۷	شاہ عزیز اللہ	۵۳	ترجمہ ۱۱۷
۱۳۵	ترجمہ ۶۸	سلطان شمس الدین غاری	۵۴	ترجمہ ۱۱۸
۱۳۵	ترجمہ ۶۸	شاہ کمال	۵۵	ترجمہ ۱۲۰
۱۳۶	ترجمہ ۶۸	شاہ غلام محمد	۵۶	ترجمہ ۱۲۰
۱۳۶	ترجمہ ۶۹	شاہ رحمت اللہ	۵۶	ترجمہ ۱۲۱
۱۳۷	ترجمہ ۶۹	اعظم خاں	۵۶	ترجمہ ۱۲۲
۱۳۸	ترجمہ ۷۰	ذکر لطیف خاں	۵۷	ترجمہ ۱۲۲
۱۳۹	ترجمہ ۷۱	کیفیت بسنت	۵۷	ترجمہ ۱۲۲
۱۴۲	ترجمہ ۷۳	ذکر یازدہم مہین	۵۸	ترجمہ ۱۲۳
۱۴۳	ترجمہ ۷۴	ذکر دوازدہم ربیع الاول	۵۸	ترجمہ ۱۲۴
۱۴۴	ترجمہ ۷۴	ذکر کیفیت کسل پورہ	۶۰	ترجمہ ۱۲۵
۱۴۴	ترجمہ ۷۷	ذکر کیفیت ناگل	۶۱	ترجمہ ۱۲۸
				ذکر قدم شریف
				قدم گاہ امام مفترض الطاعتہ
				رگاہ حضرت قطب الاقطاب
				حضرت سلطان المشائخ
				حضرت نصیر الدین چراغ دہلی
				حضرت شاہ ترکمان بیابانی
				حضرت باقی باللہ
				حضرت شاہ حسن رسول نما
				شاہ بایزید اللہ ہو
				مرزا بیدل رحمۃ اللہ
				سرس خلد منزل
				ذکر میر مشرف
				ذکر کیفیت چوک سعد اللہ خاں
				بانڈنی چوک

۱۴۳	ترجمہ ۹۲	باقر طنبورچی	۱۴۷	ترجمہ ۷۷	ریتی مہابت خاں
۱۴۳	ترجمہ ۹۲	حسن خاں ربانی	۱۴۷	ترجمہ ۷۸	مرزا جانجاناں
۱۴۳	ترجمہ ۹۲	غلام محمد سارنگی نواز	۱۴۹	ترجمہ ۷۹	معنی یاب خاں
۱۴۴	ترجمہ ۹۳	رحیم خاں وتان سین	۱۵۰	ترجمہ ۷۹	حزین
۱۴۴	ترجمہ ۹۳	قاسم و علی	۱۵۱	ترجمہ ۸۰	سراج الدین خاں آرزو
۱۴۵	ترجمہ ۹۲	معین الدین قوال	۱۵۲	ترجمہ ۸۱	مرزا افضل ثابِت
۱۴۵	ترجمہ ۹۲	برہانی قوال	۱۵۳	ترجمہ ۸۲	ابراہیم علی خاں راقم
۱۴۴	ترجمہ ۹۲	برہانی امیر خانی	۱۵۳	ترجمہ ۸۲	میر شمس الدین مفتون
۱۴۴	ترجمہ ۹۲	رحیم خاں جہانی	۱۵۴	ترجمہ ۸۳	مرزا عبدالخالق وارستہ
۱۴۴	ترجمہ ۹۵	شجاعت خاں	۱۵۵	ترجمہ ۸۴	مرزا ابوالحسن آگاہ
۱۴۴	ترجمہ ۹۵	ابراہیم خاں کلاونت	۱۵۵	ترجمہ ۸۴	گرامی
۱۴۴	ترجمہ ۹۵	عہود خاں	۱۵۶	ترجمہ ۸۴	حلیہ
۱۴۷	ترجمہ ۹۵	بولے خاں کلاونت	۱۵۶	ترجمہ ۸۶	پسر لطف علی
۱۴۷	ترجمہ ۹۵	گھانسی رام پکھاوجی	۱۵۷	ترجمہ ۸۶	مسکین، حزین اور غمگین
۱۴۷	ترجمہ ۹۶	حسین خاں ڈھولک نواز	۱۵۷	ترجمہ ۸۷	میر عبد اللہ
۱۴۸	ترجمہ ۹۶	شہباز دھمدھی نواز	۱۵۸	ترجمہ ۸۷	شیخ سلطان
۱۴۸	ترجمہ ۹۶	نقد نام درویش سبوحہ نواز	۱۵۹	ترجمہ ۸۸	میر البوتراب
۱۴۹	ترجمہ ۹۷	تقی	۱۵۹	ترجمہ ۸۸	مرزا ابراہیم
۱۴۹	ترجمہ ۹۸	شاہ دانیال	۱۵۹	ترجمہ ۸۸	میر درویش حسین
۱۷۰	ترجمہ ۹۸	خواصی وانوٹھا	۱۵۹	ترجمہ ۸۸	جانی حجام
۱۷۱	ترجمہ ۹۹	باری نقال	۱۶۰	ترجمہ ۸۹	محمد ندیم
۱۷۲	ترجمہ ۹۹	معشوقہ ابوالحسن	۱۶۰	ترجمہ ۹۰	نعمت خاں بین نواز
۱۷۲	ترجمہ ۱۰۰	ذکر جٹا قوال	۱۶۲	ترجمہ ۹۱	تاج خاں

۱۰۴	ترجمہ ۱۷۹	آسا پورا		رحیم خاں، دولت خاں،
۱۰۴	ترجمہ ۱۷۹	چک مک دھانی	۱۰۱	گیان خاں اور پدو
۱۰۴	ترجمہ ۱۸۰	کالی گنگا	۱۰۱	الہ بندی ۱۰۱۔ رچی
۱۰۷	ترجمہ ۱۸۰	زمینت و بہیجی	۱۰۲	میاں ہینگا امرد
۱۰۷	ترجمہ ۱۸۱	گلاب	۱۰۲	سلطانہ
۱۰۸	ترجمہ ۱۸۱	رمضانی	۱۰۳	سرس روپ
۱۰۸	ترجمہ ۱۸۱	رحمان بانی	۱۰۴	نور بانی
۱۰۸	ترجمہ ۱۸۲	پنا بانی	۱۰۴	چمنی
۱۰۹	ترجمہ ۱۸۳	کمال بانی	۱۰۵	اد بیگم
۱۰۹	ترجمہ ۱۸۳	اوما بانی	۱۰۵	بہیناے فیل سوار
۱۱۰	ترجمہ ۱۸۴	پنا و تنو	۱۰۶	خوش عالی رام جینی

حرفِ آغاز

”مرقعِ دہلی“ اٹھارویں صدی عیسوی کی دہلی کی سماجی اور تہذیبی زندگی کا اہم ترین فارسی ماخذ ہے۔ کتاب کے مصنف نواب درگاہ قلی خاں نے جو اہم معلومات فراہم کی ہیں، وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔ اس لیے اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں چھپی تھی۔ پھر اس کے دو اڈیشن اور چھپے۔ ان اڈیشنوں میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اس کی اردو تلخیص اور ڈاکٹر چندر شیکھر اور شامترا چنائے نے انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ مرقعِ دہلی کے تین اڈیشن شائع ہوئے لیکن کسی مرتب نے ایسے اہم متن کا متنی تنقید کے جدید اصولوں کے مطابق تنقیدی اڈیشن تیار نہیں کیا۔ پہلے مطبوعہ اڈیشن کی بنیاد صرف ایک مخطوطے پر دوسرے کی بنیاد دو مخطوطات پر ہے اور تیسرا اڈیشن پہلے اڈیشن کا محض ری پرنٹ ہے۔ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے چار مخطوطات دستیاب ہو گئے۔ تین ہندوستان میں اور ایک لندن میں۔ میرے علم کے مطابق ”مرقعِ دہلی“ کا اور کوئی مخطوطہ دریافت نہیں ہوا ہے۔ زیرِ نظر اڈیشن کی بنیاد چاروں مخطوطات پر ہے۔ میں نے اس اڈیشن کے مقدمے میں اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح لکھے ہیں۔ ”مرقعِ دہلی“ کے چار مخطوطوں، مطبوعہ اڈیشنوں، اردو تلخیص اور انگریزی ترجمے کی تفصیلاً بیان کی ہیں۔ متن کے اختلافات، نسخ پیش کیے گئے ہیں۔ متن کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ آخر میں اُن افراد اور مقامات پر حواشی لکھے گئے ہیں، جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔

سب سے پہلے میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاد اور اپنے چھوٹے بھائی چندر شیکھر کاشکر یہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ”مرقعِ دہلی“ کے دو مخطوطات کی نشان دہی کی۔ لندن میں مقیم

عزیز بھائی اور دوست عاشور کاظمی صاحب نے اپنے خرچ پر برٹش، لندن کے محظوظے کی مانگرو فلم بنوا کر مجھے فراہم کی۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور علمی کام کرنے والوں کو اُن کا مطلوبہ مواد اور کتابیں فراہم کرنا دونوں کا ثواب ہیں۔ عاشور صاحب کی اس عنایت کے لیے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ خدا انہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

لندن کے ایک اور دوست ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنہوں نے تمام مصروفیات کے باوجود میری رہنمائی کی۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ ہمیشہ علمی اور تحقیقی کاموں میں میری مدد کرتے ہیں۔ "مرقع دہلی" کے تنقیدی ادیشن کی تیاری اور اس کے اردو ترجمے کے کام میں بھی قدم قدم پر مجھے اُن کا تعاون حاصل رہا ہے۔ احمد سعید صاحب نے متن کی بہت سی الجھنوں کو دور کیا اور ترجمے کرنے میں میری مدد کی۔ کاظم علی خاں اور ڈاکٹر اسلم پرویز کا قدم قدم پر تعاون حاصل رہا۔ میں ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

اردو کے صفِ اول کے افسانہ اور ناول نگار جناب رام نعل کا ممنون ہوں جنہوں نے فخر الدین علی احمد کھٹی کے چیرمین کی حیثیت سے اس کتاب کی طباعت کے لیے مالی تعاون دیا۔

آخر میں اپنے ساتھیوں ایم حبیب خاں صاحب، شمیم جہاں صاحبہ، ڈاکٹر تبارک علی، اختر زماں صاحب، عارفہ خانم اور محمد عارف خاں صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے پریس کاپی تیار کرنے میں میری مدد کی۔

خلیق انجم

مقدمہ

”مرقعِ دہلی“ عہدِ محمد شاہ میں تالیف ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نادر شاہ نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ شاہی خزانے اور امرا و رؤسا کی دولت کو سینکڑوں اونٹوں پر لاد کر لے گیا تھا۔ مغل حکومت تقریباً دو صدیوں میں کمائی ہوئی دولت و طاقت اور عزت و شوکت کھو چکی تھی۔ تختِ طاؤس اور کوہِ نور جیسی بیش قیمت اشیا پر نادر شاہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جن عظیم بادشاہوں کا جاہ و جلال تاریخ میں ضرب المثل تھا ان کے وارث بے بسی اور لاچاری کی دردناک تصویر بنے ہوئے تھے۔ جن طاقتوں نے ڈیڑھ سو سال کی لگاتار کوشش سے مغل حکومت کی بنیادوں کو ہلادیا اور آخر کار، ۱۸۵۷ء میں اس عظیم الشان عمارت کو ڈھادیا ان میں روہیلے، مرہٹے، جاٹ، سکھ اور انگریز سب ہی شامل تھے۔ مسلمانوں میں روہیلے مغل دربار کے ایرانی و تورانی گروہ اور خود مختار ریاستوں نے بھی زوال کی رفتار کو تیز کیا۔ انگریزوں کے علاوہ باقی تمام طاقتیں خود مغلوں کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کی پیدا کی ہوئی تھیں۔ یہ طاقتیں اور فرزے کس طرح پیدا ہوئے؟ کیوں بغاوت پر آمادہ ہوئے اور کس طرح انھوں نے ہندوستان سے مغلوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اس کا جواب صرف یہ ہی نہیں ہے کہ اوزنگ زیب کے بعد مغل تخت کے تمام وارثین نااہل تھے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ ہندوستان کی اقتصادی حالت اس لیے خراب نہیں ہوئی تھی کہ یہ تمام واقعات رونما ہوئے تھے بلکہ اقتصادی نظام خراب ہونے کی وجہ سے ایسے واقعات ہوئے۔ اس کی تفصیل کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم سیاست کے ساتھ ساتھ اس دور کے زرعی اور تجارتی نظام کا بھی مطالعہ

کریں۔ منغل حکومت کے جاہ و حشم کا دار و مدار لگان کی صورت میں حاصل ہونے والی کثیر دولت پر تھا۔ اس لیے جب اکبر کی وفات کے بعد اس سے کم صلاحیتوں کا مالک جہانگیر تخت نشین ہوا تو منغل دربار کے شان و شکوہ میں ذرا بھی فرق نہ آیا بلکہ اور بھی ترقی کی۔ جہانگیر اور شاہجہاں پر متبصرہ کرتے ہوئے ریشلیو انکر نے لکھا ہے :

”اس (اکبر) کے جانشین کم درجے کے تھے۔ جہانگیر شراب پینے کا پورا سلیقہ رکھتا تھا اور شاہجہاں نے اپنا دربار ایسے عظیم الشان طریقے سے سجا رکھا تھا کہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ پھر بھی ان دونوں کے عہد میں حکومت برابر ظاہری طاقت اور شان و شکوہ میں ترقی کرتی رہی۔ انھوں نے دل کھول کر فنون لطیفہ اور خاص طور پر موسیقی، مصوری، شاعری اور فن تعمیر کی سرپرستی کی۔ جس کی وجہ سے ہماری تہذیب کا نشاۃ ثانیہ ہوا اور یہ عہد ہندوستان کی تاریخ کا روشن ترین باب بنا۔“ (انگریزی سے ترجمہ) جہانگیر کے متعلق تھا اس رونا لکھا تھا۔

”جہانگیر کی عظمت خود اس کی ذات میں نہیں تھی بلکہ پڑوسیوں (ریاستوں) کی کمزوری میں تھی۔ جہانگیر کی حیثیت ایک پختہ عمر مچھلی کی تھی اور ریاستیں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تھیں جنہیں بڑی مچھلی کھا جاتی ہے۔“ (انگریزی سے ترجمہ)

جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار کو رونق بخشنے والے غریب کاشتکار تھے۔ ان سے اتنا لگان وصول کیا جاتا تھا کہ وہ بہ مشکل تمام پیٹ بھر سکتے تھے۔ امرا اور رؤسا کو تنخواہ کے بجائے اکثر جاگیریں ملتیں۔ بادشاہوں کی یہ بنیادی پالیسی تھی کہ کوئی علاقہ کسی جاگیردار کے پاس زیادہ عرصے نہ رہے۔ اس لیے وہ اس علاقے کی فلاح اور بہبودی کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے۔ بقول برنیئر ان کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ :

”ہمیں ایک لمحے میں (اس علاقے سے) محروم کیا جاسکتا ہے۔ پھر ہماری محنتوں کا پھل ہمیں ملے گا اور نہ ہماری اولاد کو۔ اس لیے چاہیے کہ اس زمین سے جتنی دولت کھینچ سکتے ہیں، کھینچ لیں۔ چاہے کاشتکار فاقے مرے یا فرار ہو جائیں۔ اور

جب ہمیں اس علاقے کو چھوڑنے کا حکم ملے تو ہم اسے ایک اجاڑ جنگل کی حالت میں چھوڑیں۔“ انگریزی سے ترجمہ)

جاگیردار کے علاوہ عامل، قانون گو، چودھری اور دوسرے سرکاری ملازمین غیر قانونی طریقے سے اپنا اپنا حصہ لیتے تھے۔ ظلم اور تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکار زمینیں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس کی ابتداء عہد اکبر ہی میں ہو گئی تھی۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

”کروڑوں کے ظلم کی وجہ سے اکثر علاقے ویران ہو گئے اور کاشتکار (عایا) بیوی بچوں کو فروخت کر کے مختلف اطراف میں چلے گئے۔“ (فارسی سے ترجمہ)

عہد جہانگیر کے ایک سیاح مین ریک نے لکھا ہے کہ:

”کاشتکاروں کے پیروں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر مختلف میلوں اور بازاروں سے لے جایا جاتا تھا۔ ان کی بد نصیب بیویاں گود میں بچوں کو لیے روتی پٹیٹی پیچھے چلتی تھیں۔“ انگریزی سے ترجمہ)

برنیر عہد شاہ جہاں کے آخر میں (۱۶۵۶ء) ہندوستان آیا تھا اور ۱۶۶۵ء تک وہ یہیں

رہا۔ غریب کاشتکاروں پر ظلم و ستم کا ذکر اس نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”..... قابل کاشت زمینوں کا اچھا خاصا حصہ کاشت نہ ہونے کی وجہ سے بیکار

پڑا ہے۔ ان کاشتکاروں میں بہت سے لوگ گورنروں کے ظلم کا شکار ہو کر برباد ہو گئے۔

جب یہ غریب لوگ اپنے لالچی آقاؤں کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو انھیں نہ صرف

بنیادی ضرورتوں کے سامان سے محروم کر دیا گیا بلکہ ان کے بچے بھی چھین لیے گئے جنھیں

غلام بنا کر لے جایا گیا۔ اس لیے ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے کاشتکار اتنے شدید ظلم سے

تنگ آکر گاؤں سے چلے جاتے ہیں۔ اور شہروں اور کیمپوں میں زندہ رہنے کے قابل برداشت

ذرائع ڈھونڈتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں قلی، ستھے یا سائیس بن جاتے ہیں۔“ اورنگ زیب کے

زمانے میں اس قسم کے واقعات زیادہ ہونے لگے۔ ایک دیوان محمد ہاشم کاشکار کا

پر بہت زیادہ ظلم کرتا تھا۔ خان دوراں نے اس کی شکایت کرتے ہوئے بادشاہ

کو لکھا ”خالص کے علاقے ویران ہو گئے ہیں اور حالات بہت خراب ہیں۔ اس کی وجہ

صرف یہ ہے کہ محمد ہاشم نے بہت لگان مقرر کر دیا ہے۔
خان دوراں نے آگے چل کر لکھا ہے:

”کاشتکاروں کے مصائب لکھنا ناممکن ہے۔ ان میں کچھ لوگ لگان نہ دے سکے تو انھیں اتنا مارا پیٹا کہ وہ مر گئے۔ بہت سے کاشتکار قید میں ہیں۔ ان کی بیویوں اور بچوں کو فروخت کر دیا گیا۔“ (انگریزی سے ترجمہ)

حکمرانوں کے اس ظلم اور ستم سے تنگ آ کر کاشتکاروں نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ وہ لگان دینے سے انکار کر دیتے۔ شاہی فوجیں باغیوں کی سرکوبی کو جانتیں۔ چوں کہ یہ بغاوتیں بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتی تھیں۔ اس لیے باغیوں پر قابو پانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ عہدِ اورنگ زیب کے بارے میں منوچھی نے لکھا ہے:

”گاؤں والوں کو شکست ہونے پر جو ہاتھ آتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بیویاں، لڑکے، لڑکیاں اور مولیشیوں کو لے جایا جاتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت لڑکیوں کو باغی کی حیثیت سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ کچھ وہ (جاگیردار) اپنے لیے رکھتے ہیں اور باقی فروخت کر دی جاتی ہیں۔“

(انگریزی سے ترجمہ)

زمینداروں کو اپنی زمینداری بڑھانے کا موقع چاہیے تھا، اس لیے کاشتکاروں کی بغاوت سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ کاشتکاروں کو فن سپہ گری کی تربیت دی اور انھیں ضروری ہتھیاروں سے مسلح کیا۔

یوں تو بغاوتیں جہانگیر کے زمانے سے ہو رہی تھیں لیکن اورنگ زیب کے عہد میں ان کی تعداد بڑھ گئی۔ نیز پہلے سے کہیں زیادہ منظم ہونے لگیں۔

جاٹ، مرہٹے اور سکھ اسی ستم کے زمیندار اور کاشتکار تھے۔ جنھوں نے ابتدا میں لگان دینے سے انکار کیا۔ حکومت کے خلاف بغاوتیں کیں اور آخر کار اتنی طاقت حاصل کر لی کہ ان سب کی آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔

عہدِ مغلیہ کے صوبہ آگرہ میں وسطی دواہ کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس کے بارے میں ابوالفضل

نے لکھا ہے:

”آب و ہوا کی خصوصیت کی وجہ سے اس علاقے کے لوگ سرکشی، مردانگی اور

جانبازی کے لیے تمام ہندوستان میں مشہور ہیں“ (فارسی سے ترجمہ)

اس سرکشی کے پیش نظر بقول شاہ ولی اللہ:

”شاہ جہاں کے زمانے میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، بندوقتے

اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لیے گڑھی نہ بنائیں“

سکھ پنجاب کے جاٹ تھے۔ ان کا پیشہ بھی کاشتکاری تھا۔ مغل حکمرانوں کے ظلم و ستم نے

انہیں بھی بغاوت پر مجبور کیا اور یہ کاشتکار ایک بڑی فوج کی صورت اختیار کر گئے۔ حکومت

پوری کوشش کے باوجود ان کی سرکوبی نہ کر سکی۔ مرہٹے بھی دکن کے کاشتکار تھے۔ شیواجی احمد نگر

کے ایک امیر کا لڑکا تھا۔ ابتدا میں اس کا مقصد صرف اپنی زمینداری کو بڑھانا تھا۔ جاگیرداروں

نے دکن میں ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ اکثر کاشتکار شیواجی کے ساتھ ہو گئے۔ مغل شہنشاہ

کے پاس جب یہ شکایت آئی کہ شاہی علاقے کے کاشتکار مرہٹوں کے ساتھ مل گئے ہیں تو حکم دیا

گیا کہ تمام گاؤں کے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ ضبط کر لیے جائیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ بعد میں جن کسانوں

کو ہتھیار مل سکے وہ مرہٹوں کے ساتھ ہو گئے۔ مجیم سین دکن کے زمینداروں کا حال بیان کرتے

ہوئے لکھتا ہے کہ:

”فوجداروں کے ایجنٹ، دلش مکھ اور زمینداروں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تھا۔

یہ لوگ ہر ممکن بہانے سے ان غریب کاشتکاروں سے پیسہ وصول کرتے تھے۔ زمینداروں

پر ”پیشکش بادشاہی“ مقرر تھی۔ یہ لوگ اپنی جیب سے ایک پیسہ نہیں دیتے بلکہ انہوں نے

آدی مقرر کر رکھے تھے۔ جب کاشتکاروں سے روپیہ وصول کرتے تھے۔ ان غریب انسانوں پر

ظلم کی کوئی حد نہیں تھی۔ پھر ان پر جزیہ لگایا گیا اور جزیہ وصول کرنے والے مقرر کیے گئے۔ ان

زمینداروں کے ظلم و ستم کے متعلق کوئی کیا لکھ سکتا ہے“

اسی لیے بیشتر کاشتکار باغی مرہٹہ زمینداروں کے ساتھ ہو گئے۔

روہیلوں نے مغل حکومت کی بربادی میں نمایاں حصہ لیا۔ روہ کے ایک بزرگ شاہ عالم خاں

کا غلام داؤد خاں اٹھارویں صدی کے اوائل میں گھوڑے خریدنے کے لیے ہندوستان آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل حکومت کی شکست و ریخت شروع ہو چکی تھی۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ داؤد خاں نے یہ حالت دیکھ کر واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور بہت جلد کشمیر کے مقام پر اچھی خاصی جمعیت اکٹھا کر لی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جمعیت نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ شاہ آباد، مراد آباد، سنبھل اور دوسرے پرگنوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں بہت نڈر اور بہادر روہیلہ سردار تھے۔ شجاع الدولہ نے ۱۷۷۴ء میں کڑا میر پور کے قریب ایک جنگ میں حافظ رحمت خاں کو قتل کر کے روہیلہ طاقت کو ختم کر دیا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

سب سے بڑی طاقت انگریز تھے، جنہوں نے آخر کار مغل حکومت پر قبضہ کر لیا۔ مغل بادشاہوں میں غالباً اکبر پہلا بادشاہ ہے جس نے نقد کی صورت میں لگان وصول کرنا شروع کیا۔ جب کاشت کار کو پیداوار فروخت کر کے لگان ادا کرنا پڑا۔ تو پھر اس نے ایسی چیزوں کی کاشت شروع کی جس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ سری رام شرما لکھتے ہیں: کہ شیر شاہ اور اکبر کے زمانے میں حکومت ایسی کاشت کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتی تھی جس سے اچھی آمدنی ہو اور اس سلسلے میں وہ کاشتکاروں کو کچھ روپیہ بھی قرض دیتی جس کی ادائیگی ایک سال میں کرنی ہوتی تھی۔ جمنہ کے پاس اور وسط ہند میں نیل کی بہت زیادہ کاشت کی جاتی۔ روئی اور سلک کے کارخانوں کی مانگ پوری کرنے کے لیے یہ دونوں اشیا ہندوستان کے بعض علاقوں میں بہت زیادہ مقدار میں پیدا کی جاتیں۔ تجارت کے فائدے نے حکمران طبقے کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نیل کے پورے کاروبار پر شاہجہاں کا قبضہ تھا۔ اس نے منوہر داس نامی ایک شخص کو اس کی اجازت دی تھی کہ وہ شاہی خزانے سے روپیہ قرض لے کر نیل کا کاروبار کرے۔ اور نفع میں سے اپنا حصہ لے کر باقی خزانے میں داخل کرے۔ نورجہاں نے بھی نیل اور زر دوزی کے کپڑوں کی تجارت میں حصہ لیا تھا۔

شاہ جہاں کا خسر آصف الدولہ بہت بڑا تاجر تھا۔ شاہ جہاں کی لڑکی جہاں آرا بھی تجارت کرتی تھی۔

اس قسم کی چیزوں کی پیداوار اتنی بڑھ گئی کہ ہندوستان کے امرا اور وُسا اور تاجروں کی مانگ پوری کرنے کے بعد بھی بہت مال بچ رہتا۔ اس لیے ان تاجروں کو بھی مال دیا جانے لگا۔ جو ایشیا کے مختلف ممالک اور یورپ سے ہندوستان آتے تھے باہر کے تاجروں کی مانگ بہت بڑھ گئی اس زمانے میں کپڑے کی صنعت نے بہت زیادہ ترقی کی۔ کپڑا بنانے کے بڑے بڑے مرکز تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے اڑیسہ سے لے کر مشرقی بنگال تک تمام ملک کپڑا بنانے کا بہت بڑا کارخانہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت باریک لمبل بنانے میں ڈھا کہ بہت مشہور تھا۔ جہاں گبر کے زمانے میں پلیسٹ (PELSEART) لکھتا ہے کہ :

”مشرقی بنگال (چمپور اور سونر گاؤں) میں سب لوگ کپڑا بنتے ہیں۔ اور بہت

اچھا مال تیار کرتے ہیں۔ سلک تیار کرنے کا سب سے بڑا مرکز بنگال ہے، اور یہیں سے

ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور یورپ کے تاجروں کو مال سپلائی ہوتا ہے۔“

ہندوستان نے دست کاری میں بھی بہت ترقی کی تھی۔ روئی اور سلک سے تیار کیے ہوئے مال کے علاوہ بہت سی چیزیں ہندوستان سے باہر بھی جاتی تھیں۔ منگولوں کے پاس جہاز رانی کے وہ ذرائع نہیں تھے جن سے انھیں دوسرے ملکوں سے تجارت کرنے میں سہولت ہوتی۔ اس وقت بجز اوقیانوس کا راستہ بہت خطرناک تھا۔ اکثر تجارتی جہاز لوٹ لے جلتے تھے اس لیے تاجروں کو بڑے بڑے لڑنے والے جہازوں سے آمدورفت کرنی ہوتی تھی۔ ہندوستان نے جہاز رانی کے فن میں بالکل ترقی نہیں کی تھی اس لیے ہندوستانی تاجر باہر سے آنے والے تاجروں کو غنیمت جانتے تھے۔ ابتدا میں یہ تاجر عام طور پر عرب تھے اور پھر سولہویں صدی کی ابتدا میں پرتگالی آئے۔ سترہویں صدی کے آغاز میں ڈچ تاجر آئے اور ۱۶۰۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان آئی۔ شروع میں اس کمپنی کا مقصد صرف تجارت رہا لیکن آہستہ آہستہ ملک گیری کی ہوس نے اسے سیاست میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا اور تقریباً ایک صدی میں بنگال کا بہت بڑا حصہ ان کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۷۵۷ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانے میں بنگال، شمالی ہند، پنجاب اور کرناٹک میں ان کی فتوحات بڑھتی ہی گئیں۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد دہلی دربار میں ایرانی اور تورانی گروہوں کی آویزش سیاسی اقتدار کی جنگ ہے۔ اُن اُمرا کی آمدنی کا ذریعہ زمینوں سے حاصل کیا ہوا لگان ہوتا جو بہت کم رہ گیا تھا۔ اس لیے اب ان کی نظریں خالصہ کی زمین اور شاہی خزانے پر تھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آخری مغل بادشاہ اورنگ زیب سے کم صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن یہ کہنا ٹھیک نہ ہوگا کہ یہ سب بادشاہ نااہل اور شاہی کاروبار سے بالکل بے بہرہ تھے اور اُن میں ملکی انتظام کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مغل بادشاہوں کی زرعی اور اقتصادی پالیسی نے جن طاقتوں کو جنم دیا تھا انہوں نے اورنگ زیب کی زندگی ہی میں ایوانِ حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کرنی شروع کر دیں تھیں۔ اورنگ زیب کی زندگی ہی میں مرہٹوں نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ تقریباً چالیس سال تک وہ دکن میں ان سے نبرد آزما رہا۔ ادھر شمالی ہند میں اورنگ زیب کی عدم موجودگی کا سب سے بڑا فائدہ جاٹوں نے اٹھایا۔ انہوں نے جاٹ کاشت کاروں کو تلوار چلانا سکھائی اور انہیں بندوقیں فراہم کیں۔ بقول جاوہر ناتھ سرکار مغل حکومت کا زوال اورنگ زیب کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔^{۱۲۲} لیکن اس نے حکمتِ عملی سے اور تدبیر سے کام لے کر اس زوال کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد زوال کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ دس سال کے عرصے میں تخت کی وراثت پر سات بار لڑائی ہوئی۔

ساداتِ بارہ کے دو بھائی سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ بادشاہ گربھلانے جلنے لگے۔ مغل دربار میں ایرانی اور تورانی گروہوں کی اقتدار کی جنگ بھی زوال کی رفتار کو تیز کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ایک طرف مغل حکومت کی دشمن طاقتیں کام کر رہی تھیں اور دوسری طرف خود حکومت میں اندرونی انتشار تھا جس کی وجہ سے مغل حکومت بالکل بے بس اور لاچار ہو گئی۔

عوام کو مغل حکومت کی مجبوری کا مکمل احساس نادر شاہ کے حملے کے وقت ہوا۔ نادر شاہ نے دہلی آکر جو قتل و غارت گری اور لوٹ مار اور انسانیت سوز بہیمانہ حرکتیں کی ہیں، وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ رضا لائبریری رام پور میں ایک قلمی کتاب ”قصہ حقیقت برآمدن نادر شاہ“

برشاہجہاں آباد ہے۔ اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ کتاب کا مؤلف اس طوفانِ شترخیز میں خود موجود تھا۔ افسوس ہے کہ نسخے کے ناقص الطرفین ہونے کی وجہ سے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ دہلی پر نادر شاہ کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے:

”گھڑی دن باقی تھا۔ شہر کے لوگوں نے مشہور کر دیا کہ نادر شاہ کا انتقال ہو گیا۔ تمام غارت گرا اور حرام زادے جمع ہو گئے۔ پندرہ تاریخ کو ہر طرف یورش کر دی۔ بندوق اور جزائل سے تمام رات قتل و غارت گری کی۔ ایرانی (نادر شاہ کے سپاہی) کو چوں اور گلیوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور امان مانگتے تھے آخر الامر صبح ہوئی۔ اس خبر سے بادشاہ غصے میں دیواز ہو گیا۔ نادر شاہ نے بیرون شہر سے اپنی فوجیں طلب کیں اور خود قلعہ سے باہر آ کر مسجد روشن الدولہ چاندنی چوک میں بیٹھ گیا۔ قتل عام اور اہل شہر کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ قزلباشوں نے شریفیوں کی خویلیوں پر یورش کر دی۔ وہاں کے رہنے والوں کو قتل کر دیا۔۔۔۔۔ چوک سعد اللہ خاں، چاندنی چوک، دیہہ گڑھ اور نئے شاہ جہاں آباد کو غارت اور برباد کر دیا اور شہر کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ سات آٹھ ہزار انسانوں کا خون ہوا اور شاہ جہاں آباد اس طرح برباد ہوا کہ دہلی دروازے سے نحاس تک ویران ہو گیا اور کوئی عمارت نظر نہ آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں برسوں سے آبادی نہیں ہے۔۔۔۔۔ پردہ نشین عورتوں نے ناموس کی خاطر کنوؤں میں

چھلانگ لگا دی اور بہت سی عورتیں مر گئیں (فارسی سے ترجمہ)

کسی شخص حکومت کے بدلنے کا عوام پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ لیکن مغل حکومت کا زوال عوام کا زوال تھا۔ زوال کی مسموم ہواؤں نے نہ صرف اس برے بھرے درخت کے سبز پتوں کو زرد کر دیا تھا بلکہ اس کی جڑوں تک میں زہریلے اثرات پھیلا دیے تھے۔ مغل بادشاہوں پر جو مصیبت آئی تھی، اس کا اثر امر اور روسا سے لے کر عوام تک سب پر برابر پڑ رہا تھا۔

چنانچہ اس کا اثر ہندوستان کے تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں پر بالواسطہ بھی پڑا اور بلا واسطہ بھی۔

نادر شاہ کی لوٹ مار تاریخ میں یادگار ہے۔ نقد روپیوں کے علاوہ کروڑوں روپے کی مالیت کے سونے چاندی کے برتن، جواہرات اور دوسرا سامان اس کے ہاتھ آیا۔ تخت طاووس اور کوہ نور جیسی نادر اور بیش بہا اشیاء بھی اس کے خزانے میں منتقل ہو گئیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس کی لوٹ مار صرف شاہی خزانے تک محدود نہیں تھی بلکہ اس نے امر اور روسا کی حویلیوں کو بھی خالی کر دیا تھا۔ سرسبز ٹارنس اور جیمز فریزر نے پورے سامان کی تفصیل دی ہے۔

دلی ان حملہ آوروں کے ہاتھوں بار بار تباہ و برباد ہوئی۔ میر نے ایک دفعہ دلی کے ویران ہونے کا نقشہ ان دروانگیں الفاظ میں کھینچا ہے۔

” ایک روز میں شہر کے تازہ ویرانے کی سپر کو گیا۔ ہر قدم پر روتا اور عبرت پکڑتا تھا۔ جتنا آگے گیا، اتنی ہی ویرانی بڑھی۔ میں مکانوں کو نہ پہچان پایا۔ شہر نہ نظر آیا۔ عمارتوں کے آثار نہ دکھائی دیے۔ (وہاں) رہنے والوں کی کچھ خبر نہ ملی۔

ازہر کہ سخن کردم، گفتند کہ این جا نیست
ازہر کہ نشان جستم، گفتند کہ پیدا نیست

مکان گر گئے۔ دیواریں لوٹ گئیں۔ خانقاہوں میں صوفی رہے اور نہ خرابات میں مے خوار۔
دور تک ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔

ہر کجا افتادہ دیدم خشت در ویرانہ
بود فرد دفتر احوال صاحب خزانہ

(فارسی سے ترجمہ)

عوام کی مالی حالت کتنی خراب تھی اس کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ خود بادشاہ مفلسی کا شکار تھا۔ شاہ ولی اللہ نے شاہی ملازمین کے متعلق لکھا ہے۔ جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا تو نقدی بھی موقوف ہو گئی۔ آخر کار سب ملازمین تتر بتر ہو گئے اور کاسہ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطنت کا بجز نام اور کچھ باقی نہیں رہا۔ سلطنت کے متعلق تقریباً ہی الفاظ سید غلام حسین خاں طباطبائی کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”محمد شاہ کی وفات کے بعد سلطنت کا صرف نام باقی رہ گیا ہے اور کچھ نہیں“

زندگی سے فرار

ذو زوال میں مغل حکومت کی حالت ایک ایسے مریض کی تھی جو جانکنی کے عالم میں ہو مگر جسے موت نہ آتی ہو۔ یہ تکلیف بادشاہ، امراء اور عوام تک سب ہی کی زندگی کو اجیرن بنائے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردن پر ایک سنگی تلوار لٹکی ہوئی ہے جو کسی وقت بھی ان کے سر کو جسم سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ جاگیردار طبقہ کے دست و بازو شل ہو چکے تھے۔ اس لیے سماج کے تمام افراد کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا ”فرار“ زندگی اور اس کے تلخ حقائق سے فرار۔

فرار کی تین صورتیں تھیں۔ مذہب کا سہارا لے کر انفرادی نجات کی کوشش کی جائے اور مادی دنیا کی ناکامی کے احساس کو مٹانے کے لیے آخرت کے لیے جدوجہد کی جائے۔ دوسرا راستہ تھا دین و دنیا سے بے نیاز ہو کر رامش و رنگ و بو میں ڈوب جایا جائے تیسرا راستہ تھا جس میں مذہب اور مادی عیش و عشرت دونوں کو ملا دیا جائے۔

فرار کا دوسرا راستہ عیش و عشرت تھا۔ مادی مشکلات میں جنسی آسودگی کچھ دیر کے لیے انسان کو سب کچھ فراموش کر دیتی ہے۔ جب مغل بادشاہ حالات کی تاب نہ لاسکے تو انھوں نے خود کو غرقِ مئے ناب کر دیا۔

جہاندار شاہ کی تفریح اور عیاشی کے لیے مہینے میں تین دفعہ سارے شہر میں چراغاں ہوتا تھا۔ اس کی محبوبہ لال کنور جیسی بازاری عورتوں کو قلعہ اور ملک کی سیاست میں پورا پورا دخل تھا۔ لال کنور کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جہاندار شاہ نے جنما میں آدمیوں سے بھری ہوئی ایک کشتی کو ڈوبنے کا حکم دے دیا تھا۔ قائم نے اپنے شہر آشوب میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ محمد شاہ کے زمانے میں یہ عیاشی انتہا کو پہنچ گئی۔ انجن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانہ میں ایک ناقص الاول بیاض ہے۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اس کی تصنیف غالباً عہد محمد شاہ ہی میں ہوئی ہے۔ مصنف نے محمد شاہ کی عیاشی کے بارے میں لکھا ہے:

”حضرت سبکانی (محمد شاہ) مقدمات سلطانی سے بے خبر قلعہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد کو فوجِ عظیم سمجھتے ہیں۔ سمت برج اور انگوری باغ وغیرہ کی سیر کو غنیمت جانتے ہیں ہمیشہ شراب خوری، بچہ بازی اور زنا کاری میں مشغول رہتے ہیں۔ اپنے ساتھ برہنہ ہونے کی حد تک چُست اور تنگ لباس سے آراستہ عورتیں رکھتے ہیں۔

”شہر کے لوگوں نے خدا کو فراموش کر دیا ہے۔ خواص و عوام نے عورتوں کا لباس اختیار کر لیا ہے۔ روزے نماز کے بدلے حرام کاری، شراب خوری اور اغلام میں مطلق العنان ہو گئے ہیں۔“

نواب درگاہ قلی خاں آخر ماہ ربیع الاول ۱۱۵۱ھ مطابق جون ۱۷۳۸ء میں دلی آئے تھے اور ۲۰ جمادی الاول ۱۱۵۴ھ (۲۳ جولائی ۱۷۴۱ء) کو دکن واپس گئے۔ گویا وہ دلی میں تین سال دوہینے رہے۔ یہاں کی زندگی قریب دیکھی — ”مرقع دہلی“ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ۱۷۳۸ء سے ۱۷۴۱ء تک تقریباً تین سال کے حالات پر مبنی ہے۔ نادر شاہ کی موجِ خوں اُن کے سر سے بھی گزری تھی۔ انھوں نے نادر شاہ کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی لیکن حیرت کی بات ہے کہ ”مرقع دہلی“ میں انھوں نے دلی والوں کی عیاشی تو مزے لے لے کر بیان کی ہے لیکن نادر شاہ کا ذکر صرف ایک دو بار ہی کیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ موسیقی اور رقص میں کمال بانی کی غیر معمولی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”کمال بانی مدتوں شاہی محفل (محمد شاہ) کی محفل کی رونق رہی ہیں۔ سانچہ نادر شاہ

کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج گانے بجانے سے پھر گیا تھا۔“

پوری کتاب میں نادر شاہ کے تاریخی قتلِ عام کا ذکر صرف ”سانچہ نادر شاہ“ یعنی دو لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ”مرقع دہلی“ صرف ایک ایسی کتاب نہیں ہے جس میں اس عہد کی عیاشیوں، گانے والوں اور رقصاؤں کا ذکر ہے۔ یہ سیاسی اور اخلاقی زوال کی آخری منزل پر پہنچے ہوئے سماج کی مکمل تصویر بھی ہے۔ نواب صاحب نے اس سماج کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن نادر شاہ کے حملے اور اس کے اثرات کا ذکر غالباً اس لیے نہیں کیا

اکہ وہ بہت دروناک تھا۔

اس عہد میں صوفیا، مشائخ اور مختلف فنون کے ماہرین کی اہمیت تھی اور یہ سب نواب صاحب کی توجہ کا مرکز ہیں۔ نواب صاحب نے اس عہد کے دلی کے صوفیا حضرات میں حافظ شاہ محمد، مجنوں نانک شاہی کا ذکر کیا ہے۔ اس عہد کے مشائخ میں شاہ کمال، شاہ غلام محمد، شاہ رحمت اللہ نواب صاحب کی کتاب میں جگہ پاسکے ہیں۔ فارسی شاعری میں مرزا مظہر جانجانا، معنی یاب خاں، حسنین، سراج الدین علی خاں آرزو، مرزا افضل ثابِت، ابراہیم علی خاں راقم، میر شمس الدین مفتوں، مرزا عبدالحق و آرسہ، گرامی، مرزا ابوالحسن آگاہ اور حلیما کا ذکر کیا ہے۔

نواب صاحب نے اس عہد کے بعض اہم مرثیہ گو اور مرثیہ خوانوں کے بارے میں بھی لکھا ہے، ان میں سے مسکین کے علاوہ باقی سب مرثیہ گو وہ ہیں، جن کا ذکر غالباً "مرقع دہلی" ہی میں ملتا ہے۔

ہندوستان میں رقص اور موسیقی کی تاریخ لکھنے والے کے لیے "مرقع دہلی" بہت اہم ماخذ ہے۔ اگرچہ مغلوں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ بادشاہ اور امرا دروسا دولت اور طاقت دونوں سے محروم ہو گئے تھے۔ لیکن یہ طبقہ اب بھی موسیقاروں اور فنکاروں کی سرپرستی کر رہا تھا۔ اور اب بھی اس سماج میں اعلیٰ درجے کے فنکار اور ان کے قدردان دونوں موجود تھے۔

نواب صاحب نے رقا صاؤں اور گانے والیوں کے علاوہ نعمت خاں بن نواز، تاج خاں قوال، باقر طنبورچی، حسن خاں ربانی، غلام محمد سارنگی نواز، گھانسی رام پچھاو جی، حسین خاں ڈھولک نواز، شہباز دھمدھی نواز، نقد سبوحہ نواز اور گانے والوں میں قاسم علی، معین الدین قوال، برہانی قوال، برہانی امیر خانی، رحیم خاں جہانی، شجاعت خاں، ابراہیم خاں کلاونت، بولے خاں کلاونت وغیرہ کی تعریف ایسے الفاظ میں کی ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب درگاہ قلی خاں کو موسیقی میں اچھا خاصا درک حاصل تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نواب صاحب نے جن رقا صاؤں، طوائفوں اور صاحب فن مردوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن کا ماہر ہے۔ اب اس عیش و عشرت کی داستانیں سننے جس کی تفصیلات نواب صاحب نے "مرقع دہلی" میں پیش کی ہیں۔ یہ اعظم خاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یہ خان جہاں بہادر عالم گیری کے بھتیجے ہیں۔ امراے عظیم الشان میں ہیں،

مزاج میں رنگینی اور موسیقی میں مہارت حاصل ہے۔ اس لیے ہندوستان کے موسیقار ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت امرد پسند ہے اور مزاج سادہ رویوں کے محبت میں گرفتار ہے۔ ان کی جاگیروں کی آمدنی اس فرقے پر خرچ ہوتی ہے اور تمام دنیا کی دولت ان امردوں کے قدموں پر نشاں۔ جہاں کہیں کسی امرد کی خبر ملتی ہے، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس پر اپنی دوستی کی کند ڈالتے ہیں اور جہاں کہیں سے کسی سادہ کا پیغام ملتا ہے اسے اپنے احسان کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ اس گروہ کے بہت سے لڑکوں نے ان کی حسن سعی سے مناسب عہدوں پر امتیاز حاصل کیا ہے اور (اب بھی) ان کے دوست ہیں۔ بعضے خانگی مراعات پر اکتفا کر کے محفل نشاط میں رونق افروز ہیں (یہ امرد) بڑی شان و شوکت اور ناقابل بیان تجمل کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ غرض جہاں کہیں کوئی سبزہ رنگ نظر آئے، وہ اعظم خاں سے منسوب ہے اور جہاں کہیں نوخط نظر آئے تو پتا چلتا ہے کہ اس عظیم الشان سے وابستہ ہے۔ ان گل رخوں کے حسن کے پر تو ہے اعظم خاں بڑھاپے کو جوانی میں بدلے ہوئے ہیں اور اس خیال سے کہ عمر عزیز بہت کم باقی ہیں۔

نفسانی لذتوں کے حصول میں عجلت سے کام لے رہے ہیں۔“

اعظم خاں کی عیاشی کا یہ ذکر پڑھنے والا سوچ ہی نہیں سکتا کہ یہ حالات اس زمانے کے ہیں جب ولی کو نادر شاہ کے ہاتھوں برباد ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے۔ کسل سنگھ بادشاہ کے ہزاری منصف داروں میں تھے، خدا نے ثروت و دولت سے سرفراز کیا تھا۔ حکومت کے اس اعلا عہدے دار نے نوجوان امر اور روسا کے عیش و عشرت کے جو سامان فراہم کیے تھے، وہ نواب صاحب کی زبانی سُنئے :-

”کسل پورہ بڑی خوب صورتی اور تکلف کے ساتھ سجایا ہے۔ ہر طرح کی طوائفوں

اور رنڈیوں کو لاکر آباد کیا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں اور نشہ آور اشیا کے فروخت کرنے

والوں کو اپنی سرپرستی میں وہاں لاکر رکھا ہے۔ اگرچہ وہاں بہت بھڑکتی ہے، لیکن

محتسب اس علاقے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا، اس کی کیا مجال کہ احتساب کرے۔ ہر راستے

پر رنگ برنگے لباس پہنے عورتیں خود کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور ہر گلی کوچے کے موڑ پر دلال لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کسل پورے کی ہوا شہوت انگیز اور فضا باہ انگیز ہے۔ خاص طور سے شام کو بہت مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہر گھر میں رقص ہوتا ہے اور ہر مکان میں سرور۔ اہل ہوس بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے وہاں آتے ہیں اور دامن شہوت کو خیارک اور سوزاک (جیسی بیماری) بھرتے ہیں اور پھر باقی زندگی حسرت و یاس میں گزارتے ہیں۔ غرض عجب مقام اور طرفہ تماشہ ہے۔“

ایک صاحب تھے میرن۔ صاحب اقتدار لوگوں سے تعلقات استوار کرنے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے جو محفلیں سجاتے تھے، نواب صاحب کی زبانی ان کی تفصیل بھی ملاحظہ ہو:

”تمام رات شمع اور چراغ اتنی بڑی تعداد میں روشن ہوتے ہیں کہ پوری محفل نور علی نور اور پورا ماحول وادی طور بن جاتا ہے۔ اس بزم گاہِ تجلی دست گاہ کے صحن میں اربابِ حرفہ کھانے پینے کی طرح طرح کی دکانیں لگائے تماشائیوں کے ہاتھ سامان فروخت کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ محفل تعلقات کو بہتر بنانے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے سبائی جاتی ہے اس لیے مہانداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ ممتاز اور مخصوص لوگوں کو جہاں مدعو کیا جاتا ہے وہ جگہیں خوب صورت فرشوں اور رنگین ماحول کی وجہ سے ایک دوسرے سے رشک کرتی ہیں۔ کھانے پینے کے سامان اور پھولوں سے تو وضع کی جاتی ہے۔ جو حضرات مے نوشی کا شوق رکھتے ہیں انھیں تر دماغی کے لیے مہبکشی کی اجازت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی خدمت میں طرح طرح کے عطر پیش کیے جاتے ہیں۔ غرض (میرن) مہانداری میں بے بدل اور بزم آرائی میں بے مثل ہیں۔ ان کا گھرامرو کے گھروں کی طرح دنیا بھر کے پری رُخوں کی جلوہ گاہ ہے۔“

نواب صاحب نے دلی کے دو بازاروں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس عہد کی دلی کی رونق ان دونوں بازاروں ہی سے تھی۔ یہ بازار صرف خرید و فروخت

کی جگہ ہی نہیں تھے بلکہ اس عہد کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا مرکز بھی تھے۔
چوک سعد اللہ خاں کا بازار جامع مسجد اور لال قلعے کے دہلی دروازے کے
درمیان تھا۔ یہاں دکانیں بھی کھتیں اور مکان بھی۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کا دلی
پر قبضہ ہوا تو ان دکانوں اور مکانوں کو ڈھا کر چٹیل میدان کر دیا گیا۔ اس بازار کی رونق
نواب صاحب کی زبانی سنیے:

”اس کا (چوک کا) ہنگامہ قلعے کے دروازے کے سامنے ہے اور اس کا مجمع
جلو خانے کے سامنے ہے۔ سبحان اللہ ایسی کثرت سے رنگارنگ چیزیں ہوتی ہیں کہ ان
میں نگاہ گم ہو جاتی ہے اور نگاہ نئی نئی چیزوں کی بہتات اور اپنی پسند کی چیزوں کو
دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ ہر طرف خوش رو اور اپنے رقص سے قیامت ڈھاتے
ہیں اور ہر طرف قصہ گو کے شور و غل سے حشر برپا ہوتا ہے۔ واعظ، ارباب عمام کی طرح
اکثر جگہوں پر منبروں کے انداز کی لکڑیوں کی کرسیاں بچھائیں، مہینے اور دنوں کی مناسبت
سے مثلاً رمضان المبارک میں روزے کے فضائل پر حجتہ المحرام کے مہینے میں حج و عمرہ کی
رسم و قربانی وغیرہ کے طریقوں اور محرم کے مہینے میں کربلا کے واقعات پر فصاحت
کے ساتھ تقریریں کر کے انھیں عوام کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ ایسی حالت کر دیتے ہیں کہ
مجمع رونے لگتا ہے۔ اس طرح سے خوب روپیا کھاتے ہیں۔ بازاری لوگوں کو اس طرح کے
مجمعوں سے بہت دل چسپی ہوتی ہے اور خام اطلب لوگ پست ذوقی کی وجہ سے حلقہ بنا کر
بیٹھ جاتے ہیں اور اکثر دو گھنٹی رات گزرنے تک یہ وعظ و تذکیر جاری رہتا ہے“

نجومی اور رمال بھی بے وقوف بنانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ الگ مجمع لگائے
لوگوں کے دلوں میں چھپے راز بتاتے ہیں۔ لوگ اپنے خوش نصیبوں اور بد قسمتوں کے
بارے میں سوال کرتے ہیں ان کے وعدوں اور پیشین گوئیوں سے خوش ہو کر لوگ اپنی
اپنی استعداد کے مطابق انھیں رقم دیتے ہیں۔ طب کا پیشہ کرنے والے جبل ساز چوک کے
کھلے میدان میں جگہ جگہ چھڑکاؤ کر کے رنگ برنگے فرش بچھاتے ہیں۔ رنگین تھیلیاں دکان
پر سجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تھیلوں میں (دوا تو کیا ہوگی) سڑک کی دھول ہوتی ہے۔

خود بیش بہا کپڑے پہنے اور پگڑیوں پر سر پہنچ لگائے بیٹھے ہوتے ہیں اور ایسی تقریریں رنگین اور اداسے دل نشیں کے ساتھ دواؤں کے خواص اور ان کے فائدے بیان کرتے ہیں کہ بے وقوف لوگ دوائیں خریدنے میں ایک دوسرے پر اس طرح سبقت لے جاتے ہیں کہ دوکان میں خاک بھی نہیں بچتی۔ دواؤں میں سفوف، ملیں دوائیں، شربت معجونیں، قرص، حبوب اور لیپ سب موجود گاہک جو دوا مانگے، حاضر۔ خاص طور سے جلق کے علاج، عفتو تناسل کی مضبوطی، امساک اور آتشک، خیاریک اور سوزاک کی دوائیں۔ کم مرتبہ لوگ اپنے کپڑے بلکہ جان تک گروی رکھ کے طلعے اور لیپ خریدتے ہیں۔ اسٹا (کذا) دوا فروش اپنی تقریر کی خوش ادائیگی کے زور پر رقم وصول کر کے ایک کو کیر خرکانسہ دیتا ہے اور دوسرے کو قصب الغیل کے اجزا اور یہ قرمساق (اپنی بیوی کی ناجائز کمائی کھانے والے) خوش خوش اپنے گھر جاتے ہیں۔ مختلف دھاتوں کے جن گرما گرم کشتوں کی خواہش کرو، حاضر ہیں۔ اکثر جگہوں پر آگ جل رہی ہے اور ان نو دھاتوں کا دھواں نو آسمانوں تک پہنچتا ہے۔ کیکڑے اور سانڈے، جو لیپ کے جزو اعظم ہیں، اکثر جگہوں پر دھاگوں سے بندھے ہوئے خواہش مندوں کے لیے حاضر ہیں۔ نقالوں اور بادہ فروشوں کی جگہیں مقرر اور بہت محفوظ ہیں۔ یہ لوگ اپنے وقت پر حاضر ہو کر کمائی کرتے ہیں اطراف اور اکناف امردوں اور نو خطوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی نگاہ اٹھتی ہے کسی چکنے رخسار سے پھسل جاتی ہے، جہاں کہیں بھی ذرا ہاتھ پھیلاؤ (معلوم ہوتا ہے) کہ کسی حسین کی گردن میں ہے۔

اسلمہ فروش ہر قسم کے اسلمہ نیام سے نکال کر ان کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں تاکہ ان کے خریدار پیدا ہوں۔ کپڑا فروش مختلف رنگوں کے کپڑے ہاتھوں میں لیے ہو میں اس طرح لہراتے ہیں کہ صفحہ ہوا شفق رنگ ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ خریدار کی نظر کسی رنگ پر تو مائل ہو۔ عیش و عشرت کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں پاس پاس ہی بکتی ہیں (اتنے قریب ہیں) کہ ہاتھ بڑھانا ایسا ہے جیسے لغتہ حوالہ دہن کرنا۔ ولایتی اور ہندوستانی بیوے ایک دوسرے کے

قریب ہوتے ہیں۔ ذرا رخ بدیے اور ان کے کھانے کا مزہ لیجئے۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کا بازار تو ہوشس گم کر دیتا ہے۔ باز، جرہ، کبوتر، بلبل اور تمام پرندوں کی اتنی بہتات ہے کہ جب تک کسی نے ”منطق الطیر“ نہ پڑھی ہو اور آصف و سلیمان کی صحبت نہ اٹھائی ہو، ان پرندوں کو نہیں پہچان سکتا۔ کتنے ہی دشت و بیاباں ویران کر کے ہر روز قسم قسم کے جانور یہاں لائے جاتے ہیں۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے شوقین اور خاص طور سے اکثر نوخیز جواں اور شور انگیز امر دشکار کے لیے یہاں آتے ہیں اور تجربہ کار صیاد اس مرغزار میں گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ قفس عنصری اور پنجرہ بشری (انسانی جسم) سے زیادہ رنگین اور خوب صورت پنجرے خواہشمندوں کے ہاتھوں فروخت کیے جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ انسانی ضرورت اور لذتِ نفسانی کی چیزیں یہاں فراہم ہیں۔ چونکہ یہ جگہ (چوک سعد اللہ خاں) قلعہ کے سامنے ہے اور امر اور وساک کی آمدورفت کا راستہ ہے۔ اس لیے یہاں ہمیشہ محشر بپا رہتا ہے۔

چاندنی چوک آج بھی بارونق بازار ہے لیکن وہ پہلی جیسی بات کہاں۔ نواب صاحب نے اس بازار کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کی ہیں۔

”تمام چوکوں سے زیادہ رنگین اور تمام بازاروں سے زیادہ سراپا تزئین۔ با مذاق لوگوں کی سیرگاہ اور مسرت و انبساط کے طالبوں کا تماشا کدہ ہے۔ اس کے راستوں پر نفیس کپڑے موجود ہر طرح کا سامان خریداروں کے لیے حاضر رہتا ہے۔ اس کے ہر گوشے میں نوادر روزگار اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کے ہر کونے میں دنیا کی نفیس چیزیں (گاہکوں کے) دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس کا راستہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح اور وسعت آغوشِ رحمت کی طرح کشادہ۔ اس کی نہر الموعین بہشت کی طرح صاف اور شیریں پانی لبریز۔ ہر دوکان نعل و گوہر سے بھری ہوئی، جیسے بدخشاں ہو اور ہر کارخانے میں لائی و مروارید کا وہ انبار جیسے ابرنیاں ہو۔ اس کے راستے کے ایک طرف پورے استغنا اور بے نیازی سے بیٹھے، دلاؤں کی زبان پر بھروسہ کر کے گاہکوں کو اپنی طرف راغب کرتے

ہیں اور ایک طرف تاجر لوگ کپڑے اور ضرورت کا تمام سامان دوکانوں میں سجائے
 پیچ پیچ کر گاہکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کوئی سُسنے یا نہ سُسنے، وہ چنچتے رہتے ہیں۔ طرح
 طرح کے عطروں کی خوشبو عطاروں کی فضول گفتگو اور دلالوں کی وساطت کے بغیر باب
 خواہش کے مشام جان پیغام پہنچاتی ہے۔ اور ہر چیز ایسی لطیف اور خوبصورت
 ہے کہ لوگوں میں اس کے خریدنے کی خواہش پیدا کرنے کے لیے بیچنے والے کو (چیزوں کی)
 تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سینوں کے ابروے خم کی شکل کی تلواریں دیکھنے
 کو نگاہ تاشا کج ہو جائے۔

”سانپ کی زبان کے انداز کی طرح طرح کی کٹاروں کو نہ دیکھنا ہی عین مصلحت
 ہے۔ چینی کے برتنوں کی دوکانوں میں ایسے ایسے انواع اقسام کی چیزیں ہیں کہ آدمی حیرت
 میں پڑ جاتا ہے، اور حوصلے کا شیشہ خانہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مختلف انداز کے شیشے
 کے رنگارنگ اور مٹلا حقے (ظروف) ایسی خوب صورتی اور سلیقے سے دوکانوں پر سجائے
 گئے ہیں کہ فلک حقہ باز (بازی گر) نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ رنگین اور دل پسند
 مراہیاں اور پیالے دوکانوں کے سامنے اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ اگر زاہد صد سالہ انھیں
 دیکھ لے تو اس میں بھی شراب پینے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ کاندھوں اور ہاتھوں پر ایسے
 کپڑے ڈالے پھرتے ہیں جو دوکانوں پر رکھے کپڑوں کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں۔ پھر بھی
 ان میں ایسی خوبی اور لطافت ہے کہ شاید امرا کے توشہ خانوں میں بھی ایسا کپڑا نہ ہو۔ اس
 سے قطع نظر یہاں کی فصائے شام میں وہ رنگارنگ جلوے ہوتے ہیں کہ شفق بھی
 خون ہو جاتی ہے اور آنکھوں کو ایسی کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ شاید سیرچمن سے
 بھی نہ ہو۔“

چوک کے عین میدان میں جو قہودہ خانے واقع ہیں ان میں ہر روز سفنور جمع ہو کر
 دادِ سخن و بذلہ سنجا دیتے ہیں۔ اپنے بلند مرتبے کے باوجود امرا عالیشان اس چوک کی
 سیر کے لیے آتے ہیں۔ یہاں ہر روز عجیب و غریب اشیا اور نوادرات اتنے نظر
 آتے ہیں کہ اگر تاروں کا خزانہ مل جائے تب بھی کافی نہ ہو۔

”ایک نوجوان امیرزادے کو اس چوک کی سیر کا شوق پیدا ہوا، اس کی ماں نے اپنی بے استعدادی کی معذرت کرتے ہوئے باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے میں ایک لاکھ روپے اسے دیتے ہوئے کہا کہ اس رقم سے ہر چند تم اس چوک کے نفاس و نواہر نہیں خرید سکتے لیکن چونکہ تم چوک کی سیر کو جانا چاہتے ہو، اس حقیر رقم سے اپنی پسند کی کچھ ضروریات خرید لینا۔“

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مغل حکومت کے زوال سے پیدا شدہ مصائب و آلام سے نجات پانے کا راستہ ذہنی فرار تھا۔ جس کی تین صورتیں بہت نمایاں تھیں۔ ایک تو عیش و عشرت، اور دوسرے بگڑا ہوا تصوف اور تیسری وہ انسانیت سوز صورت تھی جس میں عیش و عشرت اور مذہب و تصوف دونوں کو ملا دیا گیا تھا۔

چوں کہ اس سماج میں صوفیا کی بہت عزت ہوتی تھی۔ اس لیے تصوف سماجی عزت و وقار حاصل کرنے کا بھی بہترین ذریعہ بن گیا اور بد سے بد کردار لوگوں نے اس مسلک کو اختیار کر کے پیسہ کمانے کا ایک بڑا ذریعہ بنا لیا۔ انہی علماء و سونے المجاز قنطرة الحقیقت کے فلسفے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ”امرد پرستی“ جیسے غیر فطری فعل کو جنسی آسودگی کا ذریعہ بنا لیا۔ انھیں حرم اور میکرہ دونوں سے خلوص تھا ان کی راتیں میناٹوں اور دن خانقاہوں میں گزرتے تھے۔ بزرگوں کے مزاروں کو باقاعدہ دوکانیں بنا لیا گیا۔ شاید آج بھی مغرب کے نائٹ کلبوں میں وہ شرمناک جنسی مناظر نظر نہ آتے ہوں، جو اس دور کے عرسوں میں عام تھے۔ نواب درگاہ قلی خاں نے ایسے بہت سے عرسوں کا ذکر کیا ہے۔ دہلی میں سرسے خواجہ بخت اسد خانی کے قریب کسی ناگل نامی بزرگ کا مزار تھا۔ اس پر ہر مہینہ عرس ہوتا تھا۔ نواب صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”ہر مہینے کی ستائیس تاریخ کو عاشق مزاج عورتیں خوب سچ دھج کر جوق در جوق

زیارت کے لیے وہاں آتی ہیں، ان کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ جن مردوں سے ان کا تعلق

ہوتا ہے، ان سے مل کر داد عیش دیتی ہیں۔ بہت سے مجرّد اور پردیسی لوگ خوب بن سنور

کر، اس امید میں کہ شاید انھیں کوئی قبول کر لے، اس جلوہ گاہ میں خود کو پیش

کرتے ہیں۔

دیکھیے دوست کسے چاہے گا اور کس پر توجہ کرے

”کہا جاتا ہے کہ اس مقام کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر پرولسی اس تفریح گاہ میں آجائے، تو فوراً اسے اپنا جوڑا مل جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تماشا گاہ بہت وسیع ہے۔ پھر بھی اتنی کثرت سے تماشائی ہوتے ہیں کہ تیل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ لوگ وہاں صبح سے آتے ہیں اور شام کو واپس جاتے ہیں۔ سڑک کے کنارے جو باغ ہیں، واپسی میں ان کی سیر کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ غرض عیش و عشرت کے خوب سامان فراہم کیے ہیں اور خوب چیزیں اختراع کی ہیں، خدا تہام دوستوں کو نصیب کرے“

بہادر شاہ اول کی بیوی بیگم مہر پرور تیس^{۲۳} محرم کو اپنے شوہر کا عرس کرتی تھیں۔ اس عرس میں کیا بہار آتی تھی۔ اس کا اندازہ ”مرقع دہلی“ کے اس اقتباس سے ہوتا ہے۔

”ہر گوشہ و کنار میں اپنے محبوبوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں اور ہر کوچہ بازار میں عیاش لوگ خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے پر رقص کرتے ہیں۔ میخوار محاسب سے بے خوف بدست اور شہوت طلب، مزاحمت کے خیال سے بے نیاز، شاہد پرستی میں مصروف رہتے ہیں۔ مردوں اور نوجوانوں کا وہ ہجوم کہ زاہدوں کی توبہ ٹوٹ جائے اور بے مثال جذبے کے ساتھ وہ آہو لپسر، جونیکی کی بنیادیں ہلا دیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے خوب صورت چہرے اور جہاں تک دکھائی دے گی سوؤں کے جال نظر آتے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر عیش و عشرت کے سامان فراہم ہوتے ہیں کہ ایک عالم کی مراد پوری ہو جائے۔ خیانت کے اسباب اس درجہ موجود ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے بدکار جسمانی لذت حاصل کر سکیں۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ ذرا ہوش میں آئے تو کسی مرد نے آنکھ ماری، ابھی اس کے حسن سے آنکھیں روشن کیں کہ کسی بے شرم عورت کا پیغام پہنچا۔ نواب اور امرا اور دوسرے کوپے بازار اور گوشہ و کنار امیروں اور فقہیروں سے شور انگیز رہتے ہیں۔ مطرب اور قوال مکھیوں سے زیادہ

اور محتاج وسائل پھروں سے انزوں تر قصہ مختصر اس طرح اس شہر کے کین و شریف ذہنی اور جسمانی لذتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور ان ہنگاموں کی طرف سے آنکھیں پھیر لینا محض بصیرت ہے۔“

میر شرف عہد محمد شاہ میں ہفت ہزاری منصب دار تھے۔ ان کے یوم وفات پر ان کے صاحبزادے عرس کرتے تھے جس میں نوجوان امرا اور روسا کی شراب، عورت اور مرد سے خاطر تواضع کی جاتی تھی۔ اس محفل کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

”تمام بادشاہ کے دربار کے اعلا عہدے داروں اور ارباب نشاط کو مدعو کر کے صلاے عام دی جاتی ہے۔ چونکہ میر کلو خود جوان ہیں اور تمام رنگین مزاج امیر زادوں سے واقف ہیں۔ ان کی خاطر سب لوگ عیش و عشرت کے سامان اور اپنی محبوباؤں کو ساتھ لے کر یہاں آتے ہیں۔ ہر درخت کے نیچے اور ہر پودے کے سائے میں اور ہر خیابان کے کنارے رنگ رنگ کے گل رعنا کی طرح خیمے کھڑے کرتے ہیں اور نوشی میں مصروف ہوتے ہیں۔ تمام رات ہر جگہ رقص اور ہر طرف موسیقی کی محفل گرم ہوتی ہے۔ طرح طرح کے کھانے اور ضرورت کا سب سامان مہانوں کے مرتبے کے مطابق ہر جگہ پہنچتا ہے۔ رات، شب برات کی طرح مطلع الانوار اور صبح، عید کی صبح کی طرح ہزاروں رنگ کی خوشی و مسرت سے لبریز“

مجنوں نانک شاہی نام کے ایک بزرگ تھے۔ آج کل ان کے نام پر دلی میں سکھوں کا بہت بڑا گوردوارہ ہے۔ اس عہد میں مجنوں نانک شاہی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے نواب درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

”چوں کہ آپ کا مسکن دریا کے کنارے ہے اور اس کے نیچے کشتیاں تیار رہتی ہیں۔ اس لیے ہر روز عجیب و غریب ہجوم اور بہت دل چسپ تفریح ہوتی ہے۔ بے شمار لیلی نشان عورتیں میانہ سوار و ہاں آتی ہیں۔ درختوں کے سائے میں سواری چھوڑ کر تفریح کرتی ہیں اور مجنوں (مجنوں نانک شاہی) سے تہناسلات کرتی ہیں۔ اپنی پوشیدہ تمنائیں بتاتی ہیں اور دل کی مرادوں کے حصول کی گزارش کرتی ہیں“

جن صوفیوں کے تقدس اور بزرگی کی قسم کھائی جاتی ہے۔ ان کے مزاروں کو بھی راگ و رنگ کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو زبردست ہجوم ہوتا تھا۔ اس ہجوم میں ایسے لوگ بھی بڑی تعداد میں ہوتے تھے جو اس مقدس موقع پر بھی رقص و سرود کی محفلیں گرم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ نواب صاحب کی زبانی اس عرس کے حالات سنئے :

”ہر بدھ کو عوام و خواص زیارت کرتے ہیں اور قوال پورے ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر قوالی کرتے ہیں۔ خاص طور سے صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو (یہاں) زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ دلی والے بہت سچ و سچ کر یہاں آتے ہیں اور زیارت کے بعد ان باغوں کی سیر کرتے ہیں جو روضہ مبارک کے نواح میں واقع ہیں۔ اہل حرفہ جا بجا دکانیں سجاتے ہیں اور تماشائیوں کی پسندیدہ اور مطلوبہ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں مطرب نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ ان کی آواز سامعہ پر گراں گزرنے لگتی ہے۔ ہر گوشہ و کنار میں نقال اور رقص دادِ خوش ادائی دیتے ہیں۔ عرس مبارک ربیع الاول کی چودہ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ (زارین) اس آستان جنت نشان کو بوسہ دے کر فخر حاصل کرتے ہیں (درگاہ کے) چاروں طرف اتنے خمیے لگتے ہیں کہ جگہ باقی نہیں رہتی۔ تمام رات قوال باری باری قوالی کرتے ہیں۔ اور مشائخ و صوفیاء کرام کے لیے وجد و حال کا سامان فراہم کرتے ہیں۔“

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیوالی کے مہینے میں ہر اتوار کو دلی والے زیارت کے لیے آتے ہیں۔ زیارت کے بعد ان کے مشاغل تو ملاحظہ ہوں :

”ہر درخت اور ہر دیوار کے سائے میں فرش بچھا کر دادِ عیش و خوش دلی دیتے ہیں۔ عجیب و غریب سیر و تفریح اور طرہ تماشہ ہے۔ ہر جگہ راگ و رنگ اور ہر گوشہ و کنار میں صدائے پکھاج و مورخنگ۔“

دلی میں بسنت سات دن تک بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ مذہب جنسی

لذتوں اور دنیاوی عیش و عشرت کی سرحدوں کو ایک دوسرے سے کس طرح ملا دیا گیا تھا۔ اس کا اندازہ بسنت کی تفصیلات پڑھ کر ہوتا ہے۔ اس سات روزہ تہوار کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کی زیارت سے ہوتی تھی۔ دوسرے دن حضرت قطب الدین بختیار کاکی، تیسرے دن حضرت نظام الدین اولیا، چوتھے دن شاہ حسن ببول نما اور پانچویں دن حضرت شاہ ترکمان کے مزاروں پر عرس ہوتے، چھٹے دن بادشاہ اور امرا کے ہاں محفل گرم ہوتی اور ساتویں یعنی آخری دن احدی پورہ میں کسی مے نوش کی قبر کو شراب سے دھوتے اور ساری رات اس قبر پر محفل رقص و سرود سجائی جاتی، حسن والے بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور دادِ عیش دیتے۔

نواب صاحب جوان تھے اس لیے انھوں نے ولی والوں کی عیش و عشرت کی محفلوں سے خوب لطف اٹھایا۔ بڑی حسرت سے ان محفلوں، حسین طوائفوں اور مردوں کا ذکر کیا ہے۔ اب ایک دو مردوں کا حال سنئے۔ سلطان نام کے ایک مرد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

”سبز رنگ مرد ہیں، بارہویں سال میں ہیں۔ رقص میں عجیب و غریب شوخیاں اور ادائیں دکھاتے ہیں۔ ان کے گانے کے جادو نے دنیا کو مفتوں اور خلق کو مجنوں بنا دیا ہے۔ اس عمر میں موسیقی میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کلی ہیں لیکن گل ہلے شگفتہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگرچہ چراغ کی لوسے زیادہ نہیں ہیں لیکن آفتاب سے ہنسی کے مدعی ہیں۔ سامع کو حسرت ہے کہ وہ (سلطانہ کا گانا سننے کے لیے) محدود ہے۔ باصرہ کو اپنی نگاہ کی کم ظرفی پر شرمندگی ہے۔ ایک رات کو ہمارے ایک دوست نے محفل سجائی۔ بہت دیر تک ان (سلطانہ) کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ تمام رات عیش و انبساط میں گزری۔ دوستوں کے دلوں میں دوبارہ ان کی صحبت کی حسرت باقی ہے۔ شوق پھر اسی محفل کا مستی ہے“

آگے چل کر نواب صاحب لکھتے ہیں:

ایک مرد ہیں میاں ہیگا۔ سوراخوں کے چوک پر رقص کرتے ہیں۔ ان کا طمطراق

تو دیکھیے :-

”چینی کی طرح ان کا رنگ اور گل یا سمن کی طرح ان کا لباس سفید ہوتا ہے۔ دارالخلافہ کے قلعے کے سامنے روز جمع رکھتے ہیں۔ تماشائیوں کی مرضی کے مطابق ہنگامہ پیرا رہتے ہیں۔ ان کا رقص دیکھنے کے لیے ثقہ لوگ چوک کی سیر اور نفائس و نواد خریدنے کے بہانے آتے ہیں۔ اور ہینگا کے حسن کے جلووں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور گلاب بے تکلف اور بغیر کسی تصنع کے ان کے مجمع کے اطراف میں تیز رفتار گھوڑوں سے اتر کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس سیرگاہ کے چاروں طرف اتنے لمبھی اور گھوڑے ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں۔ اس تماشے کے چاروں طرف اتنے لوگ بیٹھے یا کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ لوگ مندری چیزیں خریدنے کے بجائے یہاں کی تفریح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سامان خریدنے کے لیے جو رسم لاتے ہیں۔ وہ سب گنوا کر خالی ہاتھ گھر جاتے ہیں۔ ان کے خرام اور نازک ادائیں دنیا کو برباد کر دیتی ہیں۔ وہ جن پر ملتفت ہو جائیں، وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ ان کا گورا رنگ سانولے رنگ سے ماج اور ان کا سبزہ خط چمن کے سبزے سے خراج حاصل کرتا ہے۔ سفید لباس میں ایسے خوبصورت لگتے ہیں جیسے شام کے وقت صبح کی پو پھی ہو یا گل چاندی بے اختیار فضاے چمن میں بکھر گئی ہو۔ غروب آفتاب تک جلوہ گوئی کرتے ہیں اور خاصی رقم اکٹھا کر کے گھر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ عزیز و اقارب بہت دعوت دیتے ہیں، لیکن کسی کے گھر نہیں جاتے۔ جو کوئی ان کا شیفٹ ہے وہ ان کے گھر جا کر لطف اندوز ہوتا ہے“

باری نام کے ایک نقال کا حال ملاحظہ ہو:

”ان کے سبزہ خط کی تقریب شروع کرنے کے لیے پر طوطی کا ایسا تلم حاصل کرنا چاہیے جو خوشبودار پھولوں پر یک تلم خط نسخ پھیر دے۔ سیاہی کے بدلے زنگار استعمال کرنا چاہیے تاکہ ان کے حسن سبز کی کیفیت لکھی جا سکے۔ (شعر)

میں نہیں جانتا کہ حسن سبز (نوطی) جان کے لیے وبال ہو جائے گا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ سبزے میں جال چھپا ہو گا۔ ان کے حسن کے شان و شکوہ کا یہ عالم ہے کہ نگاہ اس

کا مقابلہ بے محابہ نہیں کر سکتی۔ اُن کا رنگ ایسا جیسے نسیم بہار کے جھکوروں سے
 شاخِ گلِ جھوم رہی ہو، نگاہوں کے عشووں اور غمزوں کا یہ عالم ہے کہ جیسے رم خوردہ
 پری زادانِ خیال (یعنی وہ خیال جو الفاظ کی گرفت میں نہ آسکیں) جس کسی کی بھی اُن سے
 ملاقات ہوئی، اس کے ہوش ایسے گم ہو گئے جیسے اس پر پری کا سایہ ہو گیا ہو، جو
 ایک بار اس سے ہم کنار ہوا، ساری زندگی اُن کی ہم آغوشی کی تمنا میں رہا۔ اُن کے سبزہ
 حسن کے مقابلے میں سبزہ بہار کچھ بھی نہیں، اُن کے چہرے کے مقابلے میں گلہ ستہ چمن
 بیچ (اشعار)

دل چھین لینے کے لیے حسن اور آواز کی خوبیوں میں سے ایک ہی کافی ہے لیکن یہ
 دونوں (ایک جگہ ہی) جمع ہو جائیں تو دل والوں کی شامت آجاتی ہے۔ ان کا پورا طائفہ
 موزوں اور ان کے تمام نقال خوش مضمون ہیں۔ دو تین اور نہال اس چمن میں قدم
 نکال رہے ہیں۔ فلکِ حاسد، اُن کے نظارے کی فرصت دے۔“

ان اہلِ طرب میں سے بعض کو محمد شاہ بادشاہ کی سرپرستی حاصل رہی تھی۔ خواصی اور انوٹھا
 دو نقال تھے۔ دونوں شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ تھی بھگت باز، بادشاہ کے منظورِ نظر
 تھے اور بادشاہ کے خلوت خانے میں باریاب ہوتے تھے۔ چینی، چمک دھانی اور کمال بانی
 تینوں گانے کے فن میں ماہر تھیں۔ ان تینوں کو بھی محمد شاہ بادشاہ کی سرپرستی حاصل رہی تھی۔
 وہ فنکار جن کا تعلق بادشاہ کے دربار سے متوسل ہوتے تھے۔ زندگی بھر ان کی کفالت
 شاہی خزانے سے ہوتی تھی لیکن مغل حکومت کے زوال نے اس حد تک خزانے خالی کر دیے تھے
 کہ زندگی گزارنے کے لیے ان فنکاروں کو امرا و رؤسا کی محفلوں کی رونق بننا پڑتا تھا۔ اس
 سے زیادہ عبرت کا اور کیا مقام ہوگا۔

بھیناے نیل سوار مشہور رقاصہ تھی۔ محمد شاہ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ وزیر الملک قمر الدین
 خاں اس کے عشق میں ایسے گرفتار تھے کہ اس کے گھر خود جانے میں بے عزتی محسوس نہیں کرتے
 تھے۔ اس رقاصہ کے بارے میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

”مشہور رقاصوں میں ہیں اور طائفہ داروں کی سردار ہیں۔ چوہدرار اُن کے ملازم

ہیں۔ امرا سے برابر کے رشتے سے ملتی ہیں۔ سفارشی خط لکھتی ہیں۔ اور لوگ انہیں قبول کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں اعتماد الدولہ سے خاص تعلق تھا اور وہ ان کے گھراتے تھے۔ ایک دفعہ نواب اعتماد الدولہ نے مے نوشی کے ظروف یعنی ساغرو مینا وغیرہ تحفے کے طور پر پیش کیے۔ چونکہ ان پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ان کی قیمت ستر ہزار روپیہ تھی۔“

ایک ڈومنی تھی نوربائی اس کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دلی کی ڈومنیوں میں ہیں۔ ان کی شان و شکوہ کا یہ حال ہے کہ امرا ان سے ملاقات کی التجا کرتے ہیں۔ ان کا گھر دولت مندوں کے گھروں کی طرح ہر قسم کے شان و شکوہ کے سامان سے بھرا ہوا ہے اور ان کی سواری کے جلو میں، امرا کی سواری کی طرح، چادوش اور چوبدار ہوتے ہیں۔ عام طور سے لمبھی کی سواری کرتی ہیں۔ جب امرا کے گھر جاتی ہیں تو امرا تحفے میں رونمائی کے طور پر ایک رقم جواہر پیش کرتے ہیں اور ان کے گھر خاص رقم (میشگی) بھیجتے ہیں تاکہ وہ ان کی دعوت قبول کر لیں۔ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ رخصت کے وقت امرا کیا دیتے ہوں گے۔ جس شخص کو بھی ان کی صحبت کا شوق پیدا ہو، وہ برباد ہوا، ان کی آشنائی کا جس پر نشہ سوار ہوا، وہ بگولے کی طرح بے چین و بے قرار رہا۔ دنیا نے اس کام میں اپنی دولت لٹادی۔ بے شمار لوگوں نے اپنا سرمایہ اس ستمگر پر غارت کر دیا۔ جب تک دولت باقی رہتی ہے ان سے صحبت رہتی ہے۔ جب تک جیب میں رقم باقی رہتی ہے، ان کی صحبت حاصل رہتی ہے۔ ان کی عزت و وقار موتی کے ہم ترازو اور ان کی آب و تاب گلشن کے آب و رنگ کے ہم پہلو ہے۔ سخن نہیں میں بے نظیر اور نکتہ داں خوش تقریر ہیں۔ ان کی گفتگو میں وہ سلاست و روانی ہے کہ سامعہ جاے بہار میں غوطے کھائے اور ان کی گفتگو جیسے پھول برس رہے ہوں۔ اگر ایسی رنگین مصاحبہ ملے آجائے تو پھر انسان اور کیا آرزو کرے۔ اگر ایسی شوخ ہمدم مل جائے تو جو کچھ ہے، سب اسی سے ہے۔ علمِ مجلس اور آدابِ مجلس میں یہ مرتبہ ہے کہ ادب سکھانے والے ان سے تعلیم حاصل کریں۔ تمام حاضرین مجلس کا

ایسا پائس خاطر ہے کہ صاحبانِ تہذیبِ اخلاق اُن سے سبق لیتے ہیں۔ اُن کا گانا منے سے غالی نہیں ہے۔ اربابِ موسیقی اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ آج کل جنگلہ راگ دلی میں مروج ہے۔ اس کی اکھوں نے خوب مشق کی ہے۔ ان کے ساتھ محفل میں بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔ اکھوں نے ہر ایک کا نام بیگم اور خانم رکھا ہے۔ ان عورتوں میں سے ہر ایک پر مہربانی اور توجہ کی سفارش کرتی ہیں۔ چونکہ ہر ایک کو ان کی خاطر عزیز ہے۔ اس لیے جو کچھ کہتی ہیں، ملاقاتی قبول کر لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ سننے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ فیر نے ایک دفعہ ان کی صحبت سے استفادہ کیا ہے:

مغرب نے جنسی بے راہ روی میں غیر معمولی ترقی کی ہے۔ لیکن وہاں جو کچھ ہوتا ہے کلبوں میں۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی عورت برہنہ کسی محفل میں چلی جائے۔ لیکن اٹھارویں صدی کی دلی کی بیگم اور ان کے عاشق امیروں اور رئیسوں کو ملاحظہ کیجیے :-

”مشہور ہے کہ پانجامہ نہیں پہنتی، جسم کے نچلے حصے پر خامہ نقاشی سے رنگین پانجامہ کے انداز کی رنگ آمیزی کرا لیتی ہیں۔ کم خواب کے تھان میں جو گل بوٹے ہوتے ہیں جسم پر قلم سے بالکل اسی طرح کے گل بوٹے بنواتی ہیں۔ اس انداز سے امرا کی محفلوں میں چلی جاتی ہیں۔ پانجامہ اور اس رنگ آمیزی میں کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ اور جب تک اس راز پر سے پردہ نہ ہٹے، کوئی اس فن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چونکہ اس فن میں ندرت اور جدت ہے اس لیے لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔“

غرض یہ کہ نواب درگاہ قلی خاں کی ”مرقع دہلی“ اٹھارویں صدی عیسوی کی دلی کی سیاسی، سماجی، ادبی اور خانقاہی حالات کی داستان ہی نہیں بلکہ اس ذہنی کرب کی تفصیل بھی ہے جس سے سیاسی زوال کے شکار دلی والے گزر رہے تھے ”مرقع دہلی“ کے مطالعے سے ہمارے ذہن میں اس عہد کے لوگوں سے نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ زوال کی کشتی پر سواران لوگوں سے دلی ہمدردی پیدا ہوتی ہے جو انتہائی بے بسی اور لاچارگی کے عالم میں کشتی کے ڈوبنے اور اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح

نواب درگاہ قلی خاں کا لقب ذوالقدر۔ خطاب سالار جنگ، موتمن الدولہ، موتمن الملک، خان دوراں اور درگاہ تخلص تھا۔ اس طرح ان کا پورا نام تھا: نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں۔ سالار جنگ، موتمن الدولہ، موتمن الملک، خان دوراں، المتخلص بہ درگاہ۔

نواب ذوالقدر کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ خاندان قلی خاں تھے۔ شاہ صفی کے زمانے میں یہ قندھار کے گورنر علی مردان خاں کے ملازم تھے۔ ان کا وطن نواحی مشہد مقدس مملکت ایران تھا اور ترکان پور بوالوس خاناں سیاہ خیمہ کے ایک بڑے سردار کے صاحب زادے تھے۔ علی مردان خاں کو شاہ صفی سے کچھ شکایتیں تھیں اور وہ قندھار کی گورنر شپ سے مستعفی ہو کر ہندوستان آنا چاہتے تھے تاکہ شاہ جہاں بادشاہ کی ملازمت کر سکیں۔ انھوں نے خاندان قلی خاں کو شاہ جہاں کی خدمت میں بھیجا۔ ۲۷ دسمبر ۱۶۳۰ء کو خاندان قلی خاں نے شاہ جہاں کے دربار میں پہنچ کر علی مردان خاں کی درخواست پیش کی۔ شاہ جہاں نے انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ خاندان قلی خاں کو خلعت اور ایک ہزار روپے کے انعام سے سرفراز کیا۔ ۷ فروری ۱۶۳۱ء کو وہ شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کشمیر کی صوبہ داری سے سرفراز ہوئے۔ خاندان قلی خاں ان کے ساتھ کشمیر میں رہنے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ علی مردان کی سفارش پر شاہ جہاں نے خاندان قلی خاں کے صاحب زادے درگاہ قلی خاں اول کو ضلع ٹھٹہ میں جاگیر اور منصب سے سرفراز کیا۔ علی مردان خاں نے اپنی سرکار کی میرسامانی بھی بطور ضمیمہ ان کے سپرد کر دی۔ جب ۱۶۵۶ء میں علی مردان کا

انتقال ہو گیا تو شاہزادہ اوزنگ زیب نے درگاہ قلی خاں اول کو اپنے منصب داروں میں شامل کر لیا۔ درگاہ قلی خاں کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے نوروز قلی خاں دھاروارہ ضلع بیجا پور کی قلعہ داری پر سرفراز ہوئے اور اس عہدے پر ان کا انتقال ہوا۔ نوروز قلی خاں کے صاحب زادے تھے غاندان قلی خاں ثانی۔

مغل حکومت نے انھیں منصب و جاگیر سے سرفراز کیا اور اوزنگ آباد میں متعین منصب داروں میں انھیں بھی شامل کر دیا گیا۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں یہ سنگم نیر کی وقایع نگاری اور اضلاع کی فوجداری پر مامور ہوئے۔ اسی شہر میں درگاہ قلی خاں (مصنف مرقع دہلی) کی بقول حکیم سید مظفر حسین، ۱۲ ستمبر ۱۷۱۰ء اور بہ قول محمد عبدالجبار، ۲ ستمبر ۱۷۱۰ء کو ولادت ہوئی۔ بہت ذہین اور ذکی الطبع تھے۔ ابھی چودہ برس ہی کے تھے کہ میر قمر الدین فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ بہادر، متخلص بہ آصف نے انھیں منصب و جاگیر سے سرفراز کیا۔ بیس برس کے ہوئے تو آصف جاہ نے انھیں اپنا ہم رکاب کر لیا۔ شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ محمد شاہ بادشاہ اس راز سے واقف تھے کہ مرہٹوں کا مقابلہ کرنا مغل فوج کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے انھوں نے دکن کے حاکم میر قمر الدین فتح جنگ نظام الملک آصف جاہ بہادر، المتخلص بہ آصف کو اصرار کر کے دہلی بلایا۔ آصف جاہ جون ۱۷۳۸ء میں دلی پہنچ گئے۔ انھوں نے دو مہینے دلی میں قیام کیا اور پھر مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے نکل گئے اگرے 'مالوہ' اٹاواہ اور بوندلیہ ہوتے ہوئے بھوپال پہنچے۔ ۱۷۳۷ء کے دسمبر کا مہینہ تھا۔ بھوپال کے اطراف میں مرہٹوں سے جنگ شروع ہوئی۔ چونکہ مرہٹے طاقت ور تھے، اس لیے بغیر کسی فیصلے کے جنگ جاری تھی کہ اچانک نادر شاہ کے حملے کی خبر پہنچی۔ آصف جاہ نے مرہٹوں سے صلح کر لی اور دلی کے لیے روانہ ہو گئے۔

نواب ذوالقدر جون ۱۷۳۸ء میں دلی آئے اور ۲۳ جولائی ۱۷۴۱ء کو نواب آصف جاہ کے ساتھ دکن واپس چلے گئے۔ گویا تقریباً تین سال دلی میں رہے۔

جب تک آصف جاہ زندہ رہے، نواب ذوالقدر کی سرپرستی کرتے رہے۔ ۱۷۴۰ء میں آصف جاہ کا انتقال ہوا تو احمد شاہ بادشاہ نے آصف جاہ کے بیٹے میر احمد خاں مخاطب بہ نظام الدولہ نامر

جنگ کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ نواب ناصر جنگ نے اپنے جلوس کے دوسرے سال میں نواب ذوالقدر کو اورنگ آباد کی خدمت کو تالی اور فوج داری افواج اور صوبہ داری بلدہ پر سرفراز کیا۔ نواب صلابت جنگ ۳ فروری ۱۷۵۰ء کو مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے نواب ذوالقدر کو پہلے داروغگی فیل خانہ کے عہدے پر فائز کیا اور ۱۷۵۳ء میں باضافہ منصب شیش ہزاری و علم نقارہ مع خطابات موتمن الدولہ کے سرفراز کیا۔

۶ جولائی ۱۷۶۲ء کو آصف جاہ کے چوتھے لڑکے میر نظام علی خاں آصف ثانی اپنے بھائی نواب صلابت جنگ سے اقتدار حکومت چھین کر خود مسند نشین ہو گئے۔ آصف جاہ ثانی نے مسند نشین ہوتے ہی نواب ذوالقدر کو منصب ہفت ہزاری، ماہی مراتب، خطاب موتمن الدولہ و سواری عاری ہاتھی دو جھالردار کی اجازت سے سر بلند اور اورنگ آباد کی صوبہ داری سے سرفراز کیا۔ کچھ عرصے بعد نواب درگاہ قلی خاں حسن کارکردگی کے صلے میں خان دوراں کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ دسمبر ۱۷۶۵ء میں نہ جانے کیوں سرکاری خدمات سے معزول کر دیے گئے اور نواب صاحب اورنگ آباد سے اپنی جاگیر نظام آباد گئے۔ سرسام کے مرض میں گرفتار ہوئے اور ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۶ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کی لاشیں اورنگ آباد لائی گئی اور مقبرہ سالار جنگی میں مدفون کیے گئے۔

۴۲ ”مرقع دہلی“ کے مطبوعہ ادیشن

”مرقع دہلی“ مرتبہ حکیم سید منظر حسین (۱۹۲۶ء)

”مرقع دہلی“ کے مخطوطات لائبریریوں میں تو محفوظ تھے، لیکن اہل علم کو بارہویں صدی کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر ایسی اہم کتاب کا پتا نہیں تھا۔ ایک دو کتابوں میں حوالے ضرور ملتے تھے، لیکن کتاب کے بارے میں تفصیلی طور پر کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا اور نہ ہی اس کا متن مرتب کر کے شایع کیا تھا۔ حیدرآباد کے حکیم سید منظر حسین نے پہلی بار ”مرقع دہلی“ کو تاج پریس، حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۶ء میں کتابی صورت میں شایع کیا۔ حکیم صاحب نے بہت طویل مقدمہ لکھا، جس میں نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں اور ان کے خاندان کے مستند اور تفصیلی حالات بیان کیے۔ (میں نے اپنے مقدمے میں درگاہ قلی خاں اور ان کے خاندان کے حالات کے لیے حکیم صاحب کے مقدمے سے استفادہ کیا ہے) نواب صاحب نے مقدمے میں درگاہ قلی خاں اور ان کے خاندان کے بعض اہم افراد، ان کے مقبروں اور مزاروں اور مختلف حکمرانوں سے اس خاندان کو ملنے والی اسناد کی تصویریں شامل کی ہیں۔

پرانہ دہلی کے حالات از خواجہ حسن نظامی

خواجہ صاحب نے حکیم سید منظر حسین کے تیار کردہ فارسی متن کی اردو میں تلخیص پیش کی ہے۔

مرقع دہلی مرتبہ پروفیسر نور الحسن انصاری (۱۹۸۱ء)

انصاری صاحب نے سالار جنگ میوزیم لائبریری کے دونوں نسخوں کی مدد سے ”مرقع دہلی“ کا تنقیدی ادیشن تیار کیا ہے۔ مگر عجلت کی وجہ سے فارسی متن میں خاصی

تعداد میں خامیاں راہ پاگئیں انصاری صاحب نے فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شایع کیا ہے۔ انصاری صاحب کو فارسی پر بہت اچھی قدرت تھی، پھر نہ جانے کیوں ترجمے میں بڑی تعداد میں فاش غلطیاں ہیں۔ انصاری صاحب نے متن کے لیے فارسی کے جدید املا کا استعمال کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں انصاری صاحب ہی کا تتبع کیا ہے۔ انصاری صاحب کا تیار کردہ تنقیدی ادیشن ۱۹۸۱ء میں دلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے شایع ہوا تھا۔ غالباً طباعت کے فوراً بعد یہ ادیشن واپس لے لیا گیا، کیوں کہ پوری کوشش کے باوجود کسی کتب فروش کے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ملی اور بہت کم لائبریریوں میں یہ کتاب ملتی ہے۔

مرقع دہلی مرتبہ ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید بزوانی (۱۹۸۸ء)

بزوانی صاحب نے "مرقع دہلی" کا فارسی متن اور اردو ترجمہ شایع کیا ہے۔ صرف ڈیڑھ صفحے کا مقدمہ لکھا گیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ ان کے فارسی متن کی بنیاد کس مخطوطے یا مطبوعہ کتاب پر ہے۔ موازنہ کرنے سے پتا چلا کہ خواجہ صاحب نے حکیم سید مظفر حسین کا تیار کردہ متن حرف بہ حرف نقل کر دیا ہے بلکہ اوقاف و رموز بھی وہی رکھے ہیں، جو حکیم صاحب نے قائم کیے تھے۔ اردو ترجمہ بہت سلیس اور شگفتہ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں مکتبہ ایلفا براؤڈ لاہور سے شایع ہوئی ہے۔

مرقع دہلی کا انگریزی ترجمہ مترجمین چندر شیکھر اور شاماترا چنائے (۱۹۸۹ء)

انگریزی میں پہلی بار مرقع دہلی کا ترجمہ ڈاکٹر چندر شیکھر اور شاماترا چنائے نے کیا ہے ۱۹۸۹ء میں ڈیڑھ پہلی کیشن، دہلی نے شایع کیا۔ اس ترجمے کا پیش لفظ پروفیسر نور الحسن (گورنر مغربی بنگال) نے لکھا ہے۔ مترجمین نے بڑی ممتت سے کتاب کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں کتاب کی تہذیبی، سیاسی اور سماجی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نواب درگاہ قلی خاں کے مستند سوانح لکھے ہیں۔

M.M. Kaye کی مرتبہ کتاب The Golden Calm میں دہلی کی تاریخی عمارتوں کے رنگین خاکے شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ خاکے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ”مرقع دہلی“ کا فارسی متن دو بار چھپ چکا تھا۔ لیکن کسی بھی مرتب نے ان افراد اور مقامات پر حواشی نہیں لکھے تھے، جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔ اس کتاب میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ (میں نے اپنی کتاب میں ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، جس کے لیے میں مترجمین کا شکر گزار ہوں) کتاب کے آخر میں اشاریہ اور پھر قدیم شاہجہاں آباد کے دو نقشے دیے گئے ہیں۔

یہ نہیں بتایا گیا کہ مترجمین نے ترجمے کے لیے کون سا فارسی متن استعمال کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر نور الحسن انصاری کے تیار کردہ متن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

مخطوطات کی کیفیت

”مرقع دہلی“ کے اب تک چار مخطوطے دریافت ہو چکے ہیں۔ ان میں سے دو سالار جنگ میوزیم لاہور میں محفوظ ہیں۔ لاہور میں لاہور کی فہرست میں ایک مخطوطہ ”سفرنامہ“ کے تحت ”سفرنامہ درگاہ قلی خاں“ کے نام سے درج کیا گیا ہے۔ اس کا سائز ۱۲ x ۲۰ سینٹی میٹر ہے۔ ہر صفحے پر گیارہ سطریں ہیں۔ مخطوطہ نستعلیق خط میں بہت خوش خط اور صاف لکھا گیا ہے۔ ترقیمے سے پتا چلتا ہے کہ ۲۰ شعبان ۱۱۸۵ھ کو اس کی کتابت ختم ہوئی تھی۔ دوسرے مخطوطے کا ایکسیشن رجسٹر میں ”ادبی نشر ۳۶“ کے تحت اندراج ہے اور اس کا نام ”انشائے درگاہ قلی خاں“ درج کیا گیا ہے۔ مخطوطے کا سائز ۱۲ x ۲۲ سینٹی میٹر ہے اور خط شکستہ میں لکھا گیا ہے۔ ترقیمے میں مخطوطے کی کتابت ختم ہونے کی تاریخ ۲۶ شوال ۱۲۳۱ھ دی گئی ہے۔ سطروں میں یکسانیت نہیں ہے کسی صفحے پر تیرہ اور کسی پر چودہ ہیں۔

میں نے جب ”مرقع دہلی“ کا تنقیدی ادیشن تیار کرنے کا ارادہ کیا تو دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاد اور میرے برادر خورد ڈاکٹر چندر شیکھر نے دو مزید مخطوطات کی نشان دہی کی۔ ایک تو بمبئی کی ملا فردوز لاہور میں کا مخطوطہ اور دوسرا برٹش لاہور میں

لندن کا — میں مخطوطے کی تلاش میں جب بمبئی گیا تو معلوم ہوا کہ اس نام کی کوئی لائبریری اس شہر میں نہیں ہے۔ میں نے تمام ممکن ذرائع کا استعمال کیا لیکن بے سود۔ بالکل ناامید ہو چکا تھا کہ پروفیسر عبدالستار د لوی نے رستہ کی اور بتایا کہ بہت عرصے قبل ملا فروز لائبریری بند ہو گئی ہے اور اس کی کتابیں آر۔ کے۔ کاما اور نیٹل انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ میں اس لائبریری میں پہنچا اور مجھے مخطوطہ مل گیا۔ مخطوطے کا سائز ۲۱ x ۱۴ سینٹی میٹر ہے اور ہر صفحے پر اٹھارہ سطریں ہیں۔ ترقیمے کی عبارت ہے "پانزدہم رجب المرجب ۱۲۱۴ ہجری با تمام رسید۔ در بلدہ فرخندہ بنیاد، حیدرآباد روز جمعہ۔" ڈاکٹر شیکھر کا بتایا ہوا دوسرا مخطوطہ لندن کی برٹش لائبریری میں محفوظ ہے، ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے مخطوطہ تلاش کر کے اس کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ عزیز بھائی عاشور کاظمی نے مخطوطے کی مائکروفلم بنوا کر مجھے بھیجی۔ مرقع دہلی کا یہ مخطوطہ ایک اور مخطوطے کے ساتھ مجلد ہے۔ ورق ۷۹ سے شروع ہو کر ورق ۱۲۹ پر ختم ہو جاتا ہے۔ مخطوطہ پندرہ سطریں ہے۔ تتمے کی عبارت ہے۔

"تمام شد تذکرہ سالار جنگ مرحوم بتاريخ دوئم جمادی الثانی ۱۱۹۸ھ۔ کاتب الحروف

حاجی درویش علی غفر اللہ لہ لِعِنَايَتِهِ وَ لِوَلَايَتِهِ

سالار جنگ میوزیم لائبریری کا پہلا مخطوطہ قدیم ترین ہے۔ اس لیے اسے بنیادی نسخہ بنایا گیا اور باقی تین مخطوطات سے موازنہ کر کے اختلافات نسخ دیے گئے ہیں۔

کتاب کا نام

پوری کوشش کے باوجود یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں نے اس کتاب کا نام کیا رکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس متن کے مجھے چار مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ دو سالار جنگ میوزیم لائبریری، حیدرآباد میں۔ ایک آر۔ کے۔ اور نیٹل انسٹی ٹیوٹ، بمبئی کی لائبریری میں، اور چوتھا لندن کی برٹش لائبریری میں۔ سالار جنگ میوزیم لائبریری کے ایکسیشن رجسٹر میں پہلے مخطوطے (سفر نامہ ۲)

کا نام "سفرنامہ درگاہ قلی خاں" درج ہے۔ اور یہ مخطوطہ سفرناموں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسرا مخطوطہ "ادبی نثر" کے تحت (ادبی نثر ۳۶) درج کیا گیا ہے اور اس کا نام "انشائے درگاہ قلی خاں" لکھا گیا ہے۔

تیسرا مخطوطہ آر۔ کے۔ کا مانسٹی ٹیورٹ، بمبئی کی لائبریری کے ملا فروز کلکیشن میں محفوظ ہے۔ فہرست میں اس کا نام "آبادی دہلی و مجملی احوال نادر شاہ و تاریخ ایران و ہند" چوتھا مخطوطہ برٹش لائبریری میں محفوظ ہے۔ کیٹالاک میں اس کا نام "رسالہ سالار جنگ" اور تہمتے میں "تذکرہ سالار جنگ مرحوم" درج ہے۔ حکیم سید مظفر حسین نے یہ کتاب "مرقع دہلی" کے نام سے شائع کی ہے۔ بیرونی ٹائٹیل پر انھوں نے کتاب کا نام "دہلی بارہویں صدی ہجری میں" اور اندرونی ٹائٹیل پر "مرقع دہلی" لکھا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ نام یعنی "مرقع دہلی" خود حکیم صاحب ہی نے رکھا ہے۔ چونکہ یہ نام بہت خوبصورت ہے اور اس کتاب کے لیے بہت مناسب ہے اور پھر اس نام سے یہ کتاب بہت مشہور ہو چکی ہے اس لیے میں بھی اسی نام سے شائع کر رہا ہوں۔

حواشی

۱. میں نے اپنی کتاب ”مرزا محمد رفیع سودا“ کا جو مقدمہ سیاسی پس منظر کے طور پر لکھا تھا، اُس کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دیا ہے۔ کیوں کہ اپنی باتوں کو صرف دوسرے لفظوں میں بیان کر دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

۲. انگریز مورخین نے مسلمان بادشاہوں کو بدنام کرنے کے لیے اُن کی عیاشی کے قصے بڑھا چڑھا کر بیان کیے ہیں، ہندوستانی مورخین انہی کے بیانات کو دہراتے رہے ہیں۔

۳. میں نے ڈاکٹر عرفان حبیب کی *The Agrarian System of Mughal India*, Aligarh, 1963 سے خاص طور سے استفادہ کیا ہے۔

4. Shelvankar, K.S., *The Problem of India*, New York, 1940, p.16
5. Thompson and Garratt, *Rise and Fulment of British Rule in India*, Allahabad, 1962, p.12.
6. F. Bernier, *Travels in the Mogul Empire*, 2 Ed. London, 1916, p.227
7. عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۴ء، جلد دوم، ص ۱۸۹۔
8. F.S. Manrique, *Travels, 1629-43, Vol.II*, London, 1927, p.277
9. Bernier, p. 205
10. J.N. Sarkar, *Studies in Aurangzib's Reign*, Calcutta, pp. 243-44
11. N. Manucci, *Storia Do Mogor, Vol. II*, Londo, 1907, p.451.

۱۲۔ ابوالفضل، اکبر نامہ، کلکتہ، ۱۸۸۶ء، ۲، ص ۲۳۱۔

۱۳۔ شاہ ولی اللہ، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات متہ جبرہ خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۵۰ء، ص ۱۰۱۔

۱۴۔ بھیم سین، دلکشا قلمی، ورق ۱۳۸ ب - ۱۴۰ الف۔

۱۵۔ دلکشا ورق ۱۳۸ اب - ۱۴۰ الف۔

16. S.R. Sharma, Mugal Government and Administration. Bombay 1951, pp.83-84.
17. The Commercial Policy of Mughals., p.195
18. Ibid p.195
19. Ibid p.195
20. An Advance History of India, P.P. 572-574.
21. Majumdar pp. 572-574
22. J.N. Sarkar, History of Aurangzib Vol. V. Calcutta, P. 240.
23. J.N. Sarkar, Fall of Mughal Empire, Vol.I, Calcutta, p.1

۲۴۔ ان دونوں بھائیوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو :

Satish Chandra, Parties and Politics at the Mughal Court, Aligarh, 1959, pp. 86-176.

- ۲۵۔ قصہ حقیقت برآمدنِ نادرشاہ بہ شاہ جہاں آبادِ قلمی، رضالائبریری، رام پور۔
- ۲۶۔ میر تقی میر، ذکر میر مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء، ص ۲۷۔
- ۲۷۔ غلام حسین طباطبائی، سیر المتاخرین، جلد دوم، لکھنؤ ۱۸۹۷ء، ص ۸۷۰۔
- ۲۸۔ قلمی و قدیم بیاض بحوالہ ”دلی نمبر“، دلی کالج میگزین، ص ۲۹۵۔
- ۲۹۔ درج ذیل کتابوں کی مدد سے نواب درگاہ قلی خاں کے سوانح لکھے گئے ہیں۔
- (ا) آزاد بلگرامی، میر غلام علی، خزانہ عامرہ، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۲۲۰-۲۲۲۔
- (ب) عبدالوہاب دولت آبادی، تذکرہ بے نظیر الہ آباد، ۱۹۴۰ء، ص ۶۳-۶۶۔
- (ج) درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی، حیدر آباد، ۱۹۲۶ء، ص ۴-۶۷۔
- (د) خان، محمد عبدالجبار، محبوب الزمن (تذکرہ شعراے دکن) حیدر آباد ۱۳۲۹ھ، ص ۳۹۷-۴۰۷۔
- (س) محمد محبوب جنیدی، حیاتِ آصف، حیدر آباد دکن، ۱۳۶۵ھ۔
- (س) ہندی، بھگوان داس، سفینہ ہندی مرتبہ عطا کوروی، پٹنہ، ۱۹۵۸ء۔

فارسی متن

مرقع دہلی

رَبِّ لَيْسَ لِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَتَمِّدْ بِالْخَيْرِ

وقتے نواب درگاہ علی خان بہادر سالار جنگ مؤتمن الدولہ برفاقتِ نواب نظام الملک
آصف جاہ بہ جہان آباد رفتہ بودند، خصوصیاتِ آنجا آنچہ بنظر در آمدہ بود بقیدِ قلم آورده اند چون
خالی از کیفیت نیست لہذا مسطور می گردد۔

ذکر قدم شریف

آب وزنگ گلشنِ دہلی بہ میامنِ برکاتِ قدمِ شفاعتِ توأم جنابِ حضرت نبوی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم است کہ گردِ آستانش تو تیا می اربابِ بصیرت است و غبارِ راهش مایہ اہل
فطرت جہمہ عاصیان از کثرتِ سجد آئینہ دار امتیاز و دیدہ حاجتمندان بدر یوزہ گرمی خاکِ جنابش
سرمہ طراز بارگاہِ کیوان پایگا ہش واجب التظیم و علی الدوام کافہ انام سرگرم مجرا و تسلیم فرود
برزینے کہ نشانِ کفِ پامی تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظران خواهد بود

روز پنجشنبہ از ہجومِ زائران صحنِ این درگاہ قسمے مملومی شود کہ عبور بہر کس تامقصد
مطاف بہزاران صعوبت دست می دہد و در ماہ ربیع الاول روز و شب ہمین مجمع است فقراد
زوار از بلاد و امصار دور دست بہ عزیمتِ زیارت می آیند و چمن چمن گل مراد بہ دامانِ آرزو

می کنند.

برخی از شربت آب که از شست و شوی دار الشفا قدم مبارک نصیب تشنه لبان می گردد، برای عافیت می گیرند و تمیناً بجهت دورستان می برند.

سعادتمندان به احراز مشروبات اخروی در حوالی این درگاه مکانها به مبلغ خیر خریدہ طرح مسکن آخرت می کنند چنانچه اطراف آن چندین مقبره است و قبور غریب از دایره حساب بیرون است. در ایام عرس شریف در دیوار این مکان از کثرت طایفان نوعی لبریزی می شود که جلای برای نشستن بهم نمی رسد مگر از صبح سبقت نمایند مطعومات و تنقلات که اغنیا برسبیل نذر درین ایام ارسال می دارند صرف فقرا و مساکین می شود و ذخیره چندین روزه می گردد سبحان الله! عجب مکان فیض نشان است که التوار کرامت و اعجاز از در دیوار می بارد و حوضش که در پیشگاه دروازه رحمت واقع شده ما را المعین کرامت است و عین الحیات سر چشمه رافت است متعظشان بکام دل ازین زلال سیراب می شوند. پادشاه سده که در زمان سابق وفات یافته بموجب وصیت او قدم معجز شیم را بر سینہ اش نصب کرده اند. یزار میتبرگ به.

قدم گاه امام مفترض الطاعة یعسوب المسلمین امیر المؤمنین علی علیه السلام

از قلعه پادشاهی بفاصله سه کوه واقع شده. زایران به احراز سعادت اخروی روز شنبه جوق جوق عازم زیارت می شوند و گل مجر او تسلیم رازیب گوشه دستار اعتقاد می سازند. خاک جنابش ذریعه شفای دردمندان است و زلال چشمه سار مرجمتش آبروی حاجتمندان. اکثری بتمنای مانی انیسیر نذرهای بندند و بکام دل می رسند.

دوازدهم محرم، که روز زیارت حضرت فاس آل عبا است، ارباب تعزیه، بادل محزون و چشم گریان، برسم عزاد پرستی در آن مکان خلد آستیان مجتمع می شوند و شرائط زیارت بقدیم می رسانند. پیچ متنفسه نیست که درین روز بهر ازین سعادت بر ندارد و از کثرت سواری و صنع و شریف، طرق و شوارع، بسان چشم موز تنگ می شود و اهل حرفه به ترتیب و تزئین دکا کین پرداخته اقسام منافع برمی دارند.

در چو کی خانہ، کہ مکانِ معینِ اربابِ ایمان است، منقبتِ خوانان بہ آہنگِ بلندِ قصاید
عزائمی خوانند و منشورِ نجاتِ ازان جنابِ معجزِ انتسابِ حاصل می نمایند مصرع:
گر عقبی خواهی زیارتش را در یاب

در گاہِ ملائکِ بارگاہِ حضرتِ قطبِ الاقطاب

از قلعہ بفاصلہ ہفت کروہ واقع شدہ و مرقدِ مبارک در صحنِ مسجدِ بے سقفِ زینتِ ترتیب
یافتہ مطافِ زائرانِ خطہ ہندوستان است و مرجع و مقصدِ جمیع حاجت طلبان۔ صفای درود و یوار
یاد از سوادِ بہشت می دہد و فضای برکات آثارش بہ وسعت آبادِ رحمت ایمانی نماید۔ در احوالیان
صبح در حوالی قبر مبارکش تجلی بلا کیف صورت می بندد و کیفیتِ عجیب بردہای زائران طاری می شود۔
اربابِ تمنا بعد از ادای فریضہ صبح بہ طوافش پرداختہ گلہای مقصد می چینند، در کمال انبساط و التراح
معاودت می کنند۔

زیارتش در ہمہ روز ہا است، بتخصیص روز پنجشنبہ طرفہ ہجوم می شود مردم با استعداد شب روی از وہلی
عزیمت می کنند و بعد فراغِ زیارت بہ سیرتِ نزلت کہ از میانِ قدوش بہ طرف سبزہ زارے است و
در ہر جانب چشمہ سارے بتخصیص برکہ و حوضِ شمس کہ از چشمہ ہای متبرک است انواع تمتعات
حاصل می کنند۔

در اطرافِ مزارِ فالین الانوارش جمعے از مردانِ خدا آسوزہ اند چنانچہ نکبت و جد و حال تا حال
بہ شام اہل یقین می رسد و چاشنی درو بکام اربابِ ذوقِ سرایت می کند۔ مکانہای متبرک در نواحِ این
سواد بہشت نشان واقع شدہ اند، بتخصیص مسجد اولیاء حضرت قطب العارفین خواجہ عین الدین چشتی
قدس سرہ احداث کردہ اند۔ ہر کہ در آنجا نماز می خواند حلاوتِ عبادت رائی فہمہ غرضکہ از کثرت
قبور اولیاء رشکِ روضہ رضوان است۔ در عید گاہِ این مکان، در ملفوظات نوشتہ اند کہ
اکثر اوقات حضرت خواجہ خضر شریف می آزند۔

قبر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ہم ہمسایہ مزار مبارک است و بہادر شاہ ہم بزورِ طالع
در کنفِ رافت و کرامت جا یافتہ شانزدہم ربیع الاول عرس می شود و عالمے بہ نیت زیارت

مستعد می شود و تا دو روز سیرا می کنند۔ قولان علی الدوام از دور رو بروی قبر مبارک گما ہے
ایستاده و گما ہے نشسته مجرای کنند۔ شاه شهید محمد فرخ سیریک سمت درگاه دیوارے، از سنگ مرمر تراشیدہ
نصب کرده بشکله اش در نهایت نزاکت است و شفافی سنگ در کمال لطافت۔ قطعہ:

شاهیکہ بعالم علم فقہر افراخت
از ہر دو جہان بگوشہ عزلت ساخت
در راہ خداست رہنما قطب الدین
چون قطب کہ می توان از قبلہ شناخت

حضرت سلطان المشائخ معشوق الہی

مرقد مبارک آنحضرت از دہلی کہنہ بفاصلہ نیم کرہ واقع شدہ۔ زہے روضہ ایکہ سلاطین
را بجنابش التجاست و خواقین را بہ تسلیم عقبہ علیہ اش دلیل و مدعا۔ از دور دیوار سراپا انوارش
فیضنا ترشح می کند و از سواد خاک پاکش چشمہ سار سعادت می جوشد۔ دور باش غطت و جلال
آن آستان زہرہ متکبرین را بگداز می دہد۔ وسطوت قہرمان آن مکان رفیع اشان سرگردن
کشان را بے اختیار مایل سجود می گرداند۔ کیفیتا از آن مرقد فردوس آئین محسوس می شود کہ ناطقہ
در ادایش ابکم است و رنگما از آن چہستان جنت آگین مرنی می گردد کہ خامہ در گزارش آن مقطوع الفم
ہر چہار شنبہ جمہور خاص و عام احرام زیارت می بندند و قولان بہ آداب تمام ایستادہ بہ تقدیم
مراسم مجرای پردازند۔ بتخصیص چہار شنبہ اخیر صفر طرفہ انبوہے و عجب کثرت می شود۔ اشخاص
دہلی خیلے تقطیع و تزئین کردہ می آیند و بعد حصول زیارت بہ سیر حدائق کہ در جوار این روضہ مبارک
واقع شدہ اند، می پردازند۔ ارباب محترفہ بترتیب و تزئین جا بجا متمکن می شوند و مرغوبات و مطلوبات
تماشائیان در ہر جا بجا عرض می کنند۔ از کثرت نعمات مطربان سامعہ گرانی بہم می رسانند۔ در ہر
گوشہ و کنار نقال و رقاص داد خوش ادایہا می دہند۔ عرس مبارک چہار دہم شہر ربیع الثانی
می شود۔ بہ استلام سعادت آستان سدرہ نشان کلاہ مفاخرت بہو امی فرستند و در اطراف
اکتاف، بسبب کثرت قیام خیام، جانتگی می کند۔ ہمہ شب نوبت نوبت قولان مجرای کنند

مشائخ و صوفیہ را بہ وجد و حال می آرند و صحبت بواہر (کذا) خیلے امتداد می کشد و طرفہ شور و شغبے برپا می شود۔ این فرقہ علیہ و سایر زوار آن شب را احیاء می دارند و بیشتر در اطراف مرقد منور مراقب می باشند و برخی بہ تلاوت اشتغال می نمایند۔ صبح آن شب طرفہ فیضی دارد و نماز فجر بہ عجب علاوۃ میسر می آید۔

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ پایانِ قبر گرامی آسوده اند۔ فاصلہ غیر از چند ذرع در میان نیست۔ در عرس شریف ایشان ہم کیفیت خاص دست می دید و سماع می شود۔
مجاوران در اطراف این روضہ خانہ با و کاشانہ دارند برای خود معمورہ ایست و مدار معیت ایشان بزند و روضہ و کالت است۔ خوشحال سعادت مندانی کہ در قرب این خطہ پاک مکان سکونت دارند و علی الدوام تحصیل فیوضات زیارت می کنند۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی

مزار پیرانوار این بزرگوار از دہلی کہنہ بفاصلہ سہ کروہ واقع شدہ سوادِ روضہ اش چون روضہ رضوان در کمال دلکشائی و فضای مرقدش بسان خیابان بہشت در نہایت خوش ادائی اشوہ کمالش از آن سرزمین چون نور آفتاب تابان است و لمعہ کرامتش از آن خطہ دلنشین بزرگ پر تو شمع از تہ فانوس نمایان۔ چراغ ماجمندان بہ شمع کرامتش روشن است و دل مستمندان بہ ہوا ہی تو جہش زشک گلشن۔ در واقع چراغ دہلی است بلکہ چشم و چراغ تمام ہندوستان۔

زیارتش روز یکشنبہ معین است تخصیص در ماہیکہ دیوالی می آید طرفہ جوئے می شود و درین ماہ در ہر یکشنبہ جمع سکنہ دہلی بہ سعادت زیارت می روند و در اطراف چشمہ ایکہ از مضامات این درگاہ است، خیمہ ہا و سراپردہ ہا ایستادہ کردہ، غلہامی کنند و اکثرے از امراض مزمنہ شفاے کامل می یابند۔ مسلمانین و ہنود در تقدیم شرایط زیارت یکسان اند۔ از صبح گرفتہ تا غروب آفتاب کاروانسای زایران متصل می رسد در زیر ہر درختے و در سایہ ہر دیوایے عالمے بہ ترتیب فروش پرداخت داد عیش و خوشدلی می دہند۔ سیر عجبے است و تماشای طرفہ۔ در ہر جاگ و رنگ است و در ہر گوشہ و کنار صدای پکھاوج و مورچنگ۔ عرس مبارک ہم بہ توزک می شود۔ پادشاہ جم جاہ

محمد شاہ در اطرافِ مرقدِ والا احاطہ پختہ ترتیب دادہ اند۔ در صحنش وسعتی است کہ در بیچ درگاہ شاید نباشد۔ **قَدْسُ اللّٰهِ رُوْحُهُمْ وَاَوْصَلْ اِلَيْنَا فَنُؤْتِيَهُمْ**۔ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک کرے اور ان کی برکات ہم تک بھیجے)۔

حضرت شاہ ترکمان بیابانی علیہ الرضوان

بہ کراماتِ غریبہ مشہور و بہ خوارقِ عجیبہ معروف۔ اینجا اتفاق دارند کہ پیش از بنای دہلی در حینیکہ صحرائے بود، ایشان در جائیکہ آسودہ اند، مقیم بودند۔ برخے معاصر حضرت قطب الاقطاب می دانند۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ قبر مبارکش درون شاہجہان آباد است۔ بیست و سیوم شہر رجب عرس می شود۔ خادمان و معتقدان بآئین مناسب در روز عرس توزکی می کنند۔ از کثرت چراغان و قنادیل صحن فلک نورانی می شود و از فورگاہا موج نکست گل در روانی۔ آرامگاہش جمعیت آباد است و روضہ اش خلد اتحاد۔ از نسیم صحنش رایحہ کیفیت بہ مشام می رسد و از شمیم فضایش نکست حقیقت بہ دماغ می خورد و جمیع سکنہ اعتقاد خاصے دارند و در مشکلات مہمات استعانت بہ روضہ شریفش می برند و در خور سوخ اعتقاد فایز مدعا می شوند۔

حضرت باقی باللہ

مرقد مبارک ایشان مکان متعین است و زیارتش بہ ذمہ ارباب ایقان معین نسیم فضایش گلشن اتحاد و شمیم ہواش خلد آباد۔ از در و دیوارش بیخودی استقبال می کند و از سر زمین فیض آگیش عبرت آغوش می کشاید۔ در عین تموز کہ ہوای دہلی آتشبار می شود و زمینہا تفتہ می گردد، در صحن مزار کرامت آثارش برودت می جویند۔ بہر گاہ قدم در صحنش می گذارند بریخ می خورد و بیرون از حرارت آفتاب برشته می گردد۔ یکے از خوارقِ عجیبہ اش اینست کہ سکان شہر بہ تلاش در جوارش مدفون می گردند کہ بحامیت ہمسایگیش از تب و تاب جنم محفوظ مانند نور اللہ مضجعه۔

حضرت شاہ حسن رسول نما

قبرش آئینہ جہان نما است و تربتش چون خطہ بہشت دلکش۔ بہ منغای اعتقاد اگر زیارتش

نمائی بہ وسیلہ روح پر فتوحش رویت جمال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممکن رہے۔ و بہ خلوص نیت اگر توسل جویند حصول مآرب و مقاصد متیقن۔ بیست و یکم شعبان المعظم مراسم عرس بہ تقدیم می رسد۔ وضع تزیین و آرایش بکار می رود و صبح عرس جمع نقالان دہلی تا شام بہ مجرا پرداختہ، احتفاظ وانی بہ زایران می رسانند و عنان معاودت می گردانند۔

شاه بایزید اللہ ہو

جلوہ صفای مشربش از درودیوار پیداست و الوار کرامتش از تربت بہشت طینت ہویدا۔ روز عرس مجلس رنگینے منعقد می گردد و جلالت خاصے بہ مذاق زایران عاید می شود۔

مرزا بیدل رحمۃ اللہ

تربت موزون ایشان دردہلی کہنہ در محوطہ مختصر، بزنگ معنی خاص در الفاظ رنگین، واقع شدہ۔ سیوم شہر صفر عرس می شود تلامذہ اش و جمیع موزونان شہر بہ عزیمت استفادہ از روحش حاضر می شوند و دور قبر حلقہ مجلس ترتیب می دہند۔ کلیاتش کہ بہ خط گرامی مرتبت ترقیم یافتہ، بآئین حلقہ گذاشتہ، افتتاح بہ شعر خوانی می نمایند۔ بر عنوانش این رباعی مرقوم است:

ای آیینہ طبع تو ارشاد پذیر در کسب فواید ننہالی تقصیر
مجموعہ فکر ماصلاہی عام است سیرے کن و قسمت تسل برگیر
بعد ازین علی قدر مراتب، نتایج افکار خود را نقل مجلس می سازند۔ جلالت طرفہ بہ حصول می پیوند و انبساط خاصے بہ حفصہ عاید می گردد۔

محمد سعید برادرزادہ اش کہ چون معنی بیگانہ از نسبت معنوی میرزا بیگانہ است بہ تو وضع حاضران مجلس و ترتیب شمع و چراغ، دماغ خود را می سوزد و بہ ابتیاع ہمہ معاصین و محبوب اختراعی میرزا کہ از قبیل کیمیا است و در ہمہ دہلی انگشت نما، صرف معیشت می نماید۔ طاب شراہ و جعل الجنۃ مشواہ۔ (ان کی قبر خوش گوار ہو اور اللہ ان کا ٹھکانا جنت کو بناے)۔

عرسِ خلدِ منزل

بیت و رسوم محرم الحرام عرسِ مذکور ترتیبِ انتظام می یابد. قبرش در جوارِ حضرت قطب الاقطاب است. هر پروردارِ زوجِ خلدِ منزل به اتهامِ حیاتِ خاں ناظر از یک ماه به ترتیب و تزئینِ چراغانِ بندی که به بهیئتِ متنوعه و اشکالِ غریبه طرح می یابد متوجه می شود. طراحان و صنعت پیشگانِ پادشاهی طراحِ غریب بکار می برند و هنرهای عجب بر روی کار می آرند. باین سروسر چراغان ترتیب می دهند که سر و شمشاد از خجالت لبانِ چنار خود را می سوزد و به نمطِ روشنائیِ مشجر به جلوه می آرند که از هر شجرش گل آفتاب گل می کند. ماهتاب تا دو پاسِ شب سراز در سیچہ مطلع بیرون نمی آرد و آفتاب خفت خود دانسته غیر از صبحدم متوجه آفاق نمی گردد. بر جهای روشنی به بروج آسمانی پیام انواری فرستند و بنگله های تجلی آگین در هر گوشه و کنار طرح وادی ایمن می کنند.

معاشران با محبوبانِ خود در هر گوشه و کنار دست در بغل و عیاشان در هر کوچه و بازار به حصولِ مشتتیااتِ نفسانی در رقصِ جمل میخواران بے اندیشه محتجب در تلاشِ سیه مستی و شهوت طلبان بے واهمه مزاحمتِ سرگرم شاهد پرستی. هجومِ امارد و نوخطان، توبه شکن زباده و آهو پسران به عشقِ بیثبات بر هم زین بنیاد صلاح و سداد تا نگاه پرواز کنند مایل رویست و تا چشم و اشود حلقه فتر اکب گیسوی سامان فواجش بمشابه ایکه یک عالم فساق به کام دل می رسند و اسبابِ خباثت بدرجه ایکه یک جهان فجار کسب تمتع می نمایند تا کسے به حالِ خود وارد آمد وے چشمک می زند. و تا چشم چراغ روشن کند زنگه پیام می فرستد. کوچه و بازار از لواب و جوانین لبریز و گوشه و کنار از امیر و فقیر شور انگیز مطرب و قوال از مگس زیاد تر و محتاج و سائل از پشه افزون تر.

قصه مخقر باین ترتیب وضع و شریف این دیار هو اجس نفسانی ترتیب می دهند و به مستلذاتِ جسمانی فایز می شوند. در چنین هنگامه چشم بستن عینِ مصلحت. و بضر کشودن محض بصیرت.

ذکر میر مشرف

قبر آن اشبح روزگار در جوارِ معشوقِ الهی در بلغے که نزہت کده آب و هوایش استنباط

طراوت از ریاضِ رضوان می کند، ترتیب یافته از پائین احاطه اش نهر آب در نهایت نظر فریبی و به کمال دیده زیبی جاری است. چون هوا و فضایش به سبب کثرت حدائق در ترتیب و مانع زهت طلبان اثر دانی دارد و بسیارے از معاشران و تعیش پیشگان نظر به قدر دانی هوای برسات، در آنجا سرے می کشند و بزم آرا شده سیر فضا و کسب هوای کنند. خیابانش از گلهای زنگارنگ همواره مملو است و نشیمنهایش از کیفیت نسیم بهار و نسیم گلزار لبریز رنگ و بلور زاهد خشک مغزیم اگر به سیرش پردازد، تردماغیمای هوانشده کیفیت می بخشد، خاکش بر سر و محتسب بخیزدیم اگر به زهت آبادش راه یابد نشه پیاپیهای فضایش سرشار می گرداند، زهے بخیزد. رطوبت هوایش خوابان نشه شراب است سرور نگینی سوادش بی اختیار مایل صدای نار طنبور.

میر کلوپسروش به عجب طمطراق و طرفه شله عرس می کند. به آئینهای رنگین و وضعهای لذتین ترتیب چراغان می کند. اطراف خیابان را تخته بندی کرده، در تابندهای رنگین می گیرد و به شمعها روشن می کند و بر کنار نهر آب که وسعت خاطر خواهی دارد، بر جنا و بنگله های مرغوب و بر روش مطبوع بسته روشنی می کند و جمیع عمده های دربار پادشاهی و ارباب نشاط را دعوت کرده صلامی عام می دهد. چون خودش جوان است و با همه امیرزاده های رنگین آشنا، بر عایت خاطرش همه با ساز نشاط و سامان انبساط می آیند و معشوقه بار با خود می آرند و در بن هر درخت و در سایه هر نهاله و در کنار هر چمنه خیمه های زنگارنگ چون گلهای رعنا ایستاده می کنند و به تجرع میل نمی نمایند. همه شب در همه جا رقص است و در هر طرف سرود و طعامهای الوان و سایر ما محتاج های مهمانداری بقدر رتبه در هر جامی رسد. شبے چون شب برات مطلع الانوار و صبح چون صبح عید هزار رنگ تمنیت و دلخوشی. در بازگشت تماشای غریب و سیر عجیب دست می دهد. خیمه و مهمان خانه بسان خیمه دل بادل مشرف به آب ایستاده می شود و محفل رنگینه منعقد می گردد. همه جامسند با و فرشتهای می کنند و لوازم صنیافت آماده می سازند. رفاصان بلا تعیین سمت گرم رقاصی و نقالان و قوالان بی تشخیص میزبان و مهمان متوجه نغمه پردازی. فقراد و مشایخ را تو ابدی گیر و داغیاء، و ارباب تمول را خنده. غرض بے تکلیفها کارها دارد و بهیچگونه مزاحمت نیست. از مشیات و مرغوبات نفسانی هر چه آرزو کنند همیا است لیکن فمن یعملی و مایعونی روزگار. (کذا)

ذکر کیفیت چوک سعد اللہ خاں

ہنگامہ اش محاذی دروازہ قلعہ است، و مجیش در فضای پیشگاہ جلو خانہ سبحان اللہ کثرت می شود کہ نظر از ملاحظہ محسوسات رنگارنگ دست و پاگم می کند و نگاه بہ مشاہدہ تجدد امثال تماشا و تعدد امثال کذا، مواد تمنا در آئینہ خانہ حیرت می نشیند۔ ہر طرف رقص امارد خوش رو قیامت آباد و ہر سوشور افسانہ سنجان محشر نیاد۔ راویان معتبر مثل ارباب عمایم چندین جا کہ سیہای چوبین از قبیل منابر، نصب کردہ مناسب ہر ماہ و ہر روز، مثلاً در رمضان المبارک فضایل صوم و در ذی حجۃ الحرام مناسک حج و عمرہ و در ماہ محرم مقدمات روضۃ الشہداء، بہ اداہای فصیح تقریر کردہ ذہن نشین عوام می کنند و این جماعہ را بہ رقت می آرند، و مبلغی معتد بہ باین تقریب تحصیل می نمایند۔ روستا مزاجان بہ شغف تمام، میل باین مجامع دارند و خام طلبان بہ ذوق مالا کلام بہ گردش حلقہ می بندند و اکثر ہا تا دو پاس شب این وعظ و تذکیر می کشد۔

اہل تجیم و رمالی ابلہ فریب ہم معطل نیستند۔ قرعہ معرکہ جداگانہ انداختہ از روی پردہ سرا، مغنیات و رضایر مغنیات بر می دارند۔ مردم از اقبال و ادب خود مستفسر می شوند و بہ مواعیدش دلخوش گردیدہ بقدر استعداد می گذرانند۔ حکمت پیشگان عذر انگیز چندین جا در فضای چوک آبپاشی کردہ و فروش ملون گستردہ، اصناف دوار در خریطہ ہای رنگین کہ در حقیقت خاک راہ باشد، بر روی کارگاہ دوکان چیدہ جوڑہای متشتم از لباس و چیزہای مقطع سرپیچی می نشینند و خواص ادویہ و منافع آن را بہ تقریر رنگین و ادای و نشین بہ وجہ بیان می کنند کہ سفہا بر یکدیگر سبقت کردہ خاک دوکانش نمی گذارند۔ سفوف ایارج و شراب و معاجین و اقراص و حبوب و ضاد ہمہ موجود۔ طالب از ہر جنس کہ استدعا نماید مطلبش حاصل است، خصوص ہائیکہ ذکر معاجین، معالجہ جلق و استحکام عصب و تناسل و اساک و مداوی آتشک و خیارک و سوزاک کہ مذکور می شود، ہنگامہ عجیب است۔ انفار و پواج جان گرو و جامہ گرو کردہ ضاد و اطلیہ را خرید می کنند استاد بہ زور خوش ادای تقریر مبلغی گرفتہ بہ دست یکے نسخہ دیکر خریدی دہد و بہ دست دیکرے اجزای قضیب الفیل، و این فرستاقہا بہ بہجت تمام راہ خانہ خود ہا می گیرند۔ از فلزات کشتہ گرما گرم ہر چہ خواہش نمایند، چندین جا آتش مشتعل است و دود این نہ فلزات بسوی نہ فلک

متصاعد برطان و سانڈہ کہ در لیب ہاجزو اعظم است، چندین جابہ رشتہ ہا بستہ بہ خواہشمندان عرض می کنند۔ نقالان و باد فروشان مکانهای معین و سمتهای مخصوص^۱ دارند و بوقت حاضر شدہ تمتع می گیرند، از امارد و نو خطان اطراف و اکناف مملو نگاہ همین کہ بلند شود مہرہ کش صفحہ روئیست و دست ہر گاہ کہ دراز گردد، دست در گردن گیسوئے۔

اسلحہ فروشان از ہر قسم سلاح، از نیام علم کردہ، جو ہر احتیاج کامل می کنند تا خریدارش کہ باشد، واقمشہ داران اجناس رنگین بر دست گرفتہ صفحہ ہوارا بہ آئین شفقتی می بندند تا چشم مشتری مایل کدام رنگ گردد، تمتعات و تنقلات را در زیر بغل یک دیگر می فروشند۔ دست دراز کردن، لغتہ حوالہ دہن کردن است۔ میوہ و فواکہ ولایتی و ہندی دوش بدوش قسمت می کنند، پہلو گردانیدن، ذائقہ را بہ کام رسانیدن۔ گذر و خوش و طیبور، طایر حواس را بہ وحشت آباد پرواز می دہد۔ افراط بازو جرہ و کبوتر و بلبل و سایر طیبور قسمی است کہ تشخیص آنها پیش ادراک عاجز است، مگر کیسکہ منطق الطیر خواندہ باشد و بہ خدمت سلیمان و آصف صحبت داشته۔ چندین دشت و بیابان ویران کردہ ہر روز اقسام جانوری آرند۔ مشتاقان و خوش و طیر، بتخصیص جوانان نوحیز و امارد شور انگیز، اکثرے در آنجا بہ صیدی آیند و صیادان تجربہ کار در آن مرغزار کمین می کنند۔ قفسهای رنگین و مصنوع خوشنما از قفس عنبری و بہنجہ بشری، بر خواہشمندان عرض می کنند۔ الحاصل سایر مایحتاج انسانی و تمتعات نفسانی در آن مجمع آمادہ و مہیا است و از آنجا کہ پیشگاہ قلعہ و عبور و مرور امراد و عمدہ ہا است، ہمہ روز محشرے برپا۔

چاندنی چوک

از ہمہ چوکہا رنگین است و از ہمہ گذر ہا سراپا ترمین سیرگاہ موزونان است و تماشا کردہ نر بہت طلبان۔ اتمشہ عمدہ از ہر باب در راستہ ہالیش آمادہ و ابواب امتد از ہر جنس بر روی مشتری کشادہ۔ نوادر روزگار از ہر گوشہ اش گرم چشمک زدن و نفایس اعصار از ہر جنبش در مشرد دل بردن۔ راستہ اش چون پیشانی نیک بختان و وسعت آفوش رحمت کشادہ و نہش چون ماہ المعین بہشت از آب زلال آمادہ۔ در ضمن ہر دوکانے لعل و گوہر بد نشان بد نشان و در روی دست ہر کارگاہے سلک لالی و مروارید نیسان نیسان۔ یک طرف راستہ اش جوہریان بہ استغنائی

تمام و تعیین مالا کلام، تکیه به زبان دلالان، ترغیب مشتری می کنند و یک سمت تجار از اقمشه و سایر مایحتاج در فضای دکا کین چیده، به فریاد تمام به خریدار تحریص می نمایند که بخرند یا نشود یا گفتگوی می کنیم رواج عطریات و طیب اقسام بی فضولی گفتگوی عطار و زمزمه دلالان و وسایط پیشگان به مشام ارباب خواهش پیام رسان و موج شوخی لطایف هر جنس بی تمهید با یح آرزو بار اسلحه جنبان به ملاحظه شمشیر با که به شکل ابروی خمدار بتان نگاه تماشا محرف می خورد، دست به قبضه قافل زدن برهان قاطع مصاحبت و به مشاهده اقسام کنار با که به اسلوب زبان مار جو یای حریف است نگه دزدیدن عینک مشورت. کارخانه چینی از اقسام و انواع به وفوریکه به ملاحظه اش شیشه خانه حوصله بر سنگ حیزت می خورد. حقه های شیشه مختلف الاشکال ملون و مطلقاً بآئین مرغوب بر سر دکا کین چیده اند که چشم فلک حقه باز شاید نظیر آن ندیده باشد و گلابی و پیاله های مطبوع و رنگین به اسلوبی در پیشگاه دوکانها گذاشته اند که اگر زاهد صد ساله باشد بجز در معاینه اش هوس صہبا بهم رساند. اقمشه ووش بدوش و دست بدست که در حقیقت نسبت از دکا کین حکم ابتذال دارد و باین خوبی و لطافت که شاید در کارخانه امراء بهم نرسد، و قطع نظر ازین، در فضای شام جلوه رنگارنگ این الوان متعذراً لاخصهار شفق را در خون می نشانند و کیفیت محسوس با صره می گردد که شاید از سیر چین بهم نرسد.

در قهوه خانه ها که در عین فضای چوک واقع اند، مستعدان سخن سنج هر روز فراهم آمده، داد سخن و بذله سنجی می دهند. امرای عالیشان با وجود علو مرتبت سرے به تمنا می این چوک می کشند. از بس که اشیای غریبه و نوادر نفیسه هر روز در اینجا به نظر می رسد. اگر فی المثل بصاعت قارونی باشد شاید که وفا نکنند.

امیرزاده نوجوانی هوس سیر این چوک بخاطر داشت. مادرش بعد تمهید معذرت بے استعدادی لک روپیہ از سروکات پدرش حواله نمود که هر چند ازین مبلغ نفایس و نوادر این چوک تحصیل نمی توان کرد لیکن چون طبیعت عزیز القدر مصروف این معنی است و وجه محقرے را صرف ضروریات پسند خاطر باید نمود.

ذکر حافظ شاه سعد اللہ

علو درجات جلالت و سمو مناقب ایشان از اندازه تحریر و ترقیم بیرون است و شرح

کلمات و بیان مرتبت ایشان از احاطه گزارش افزون۔ خلائق در اعتراف مدارج ولایتش متفق اند و بر خے بمرتبه قطبیت ایشان مقرر۔ در معاوضه بصر ظاہر، عدالت پیشگان قصا بصیرت کرامت فرموده اند و در سیما ی ہدایت انتمائش انوار ارشاد تعبیه کرده۔ اکثرے طالبان سلوک بہ مسکن معنویت وطن شان رفتہ کتاب کمال می نمایند و بہ تصفیہ و تزکیہ نفس مشغول اند۔ مدار صحبت ایشان ہفتی بر سکوت است۔ خیلے مراقب می باشند و بہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ربطے دارند، لہذا بہ سماع میلے نیست۔ حق تعالی ہمگان را تبرکات صحبت فیض منقبت ایشان نصیب گرداند۔

ذکر شاہ غلام محمد اول پورہ

دور باش شکوہ فقر ایشان صولت اغنیار بہ رعشہ می آرد و کلمات عظمت سائش دولت مندان را در لرزہ می افکند۔ ثبات قدمش با وجود کثرت توابع در دایرہ توکل مستقیم و استقلال و صنعتش با وصف افراط فقر و فاقہ همان در ناز و نعیم۔ جمعے از فقر اور و صلحاء و جوئے از محتاج و ضعفاً ہموارہ در حوالی نعمت متوالی ایشان بسر می برند و از صبح تا شام حاضر می باشند و از مواید فتوح، زلہ، خاطر خواہے بر می دارند۔ بمقتضای عدالت و نصفت علی السویہ تقسیم می فرمایند و احد الناس را محروم نمی گذارند۔ بعد یک پاس شب کچھری بختہ می شود و بہ اتفاق ہمگان تناول می فرمایند و بہ خدمت اندرون ہم موافق قسمت حصہ می رسد۔

توالان کہ بغیض المرام مجاورت آستان گرامیش تمتع پذیر فیوضات اند و شریک غالب فتوحات، چون سایہ از شخص جدا نیستند و ہمہ روز ہنگامہ وجد و حال گرم می دارند۔ مکان خشکنتگی عنوانش خالی از کیفیتے نیست۔ با وضع و شریف و اغنیار و غربا یکسان سلوک است۔ از سر کار پادشاہی و امداد التماس یومیہ بسر حد مبالغہ رسید لیکن مسموع نگردید۔ از بزرگان زمانہ اند و در قوت و جوانمردی یگانہ۔

شاہ محمد امیر

از مشائخ نقشبندیہ اند و متوطن شہر اند۔ صیئت کلمات و شرح حالات بابر کاتش مستغنی البیان

است و خامہ در تحریر اوصاف ولایت القافش حیران۔ اوقات ہیمنت سمات مصروف
کسب و کمال و مزاج ہدایت امتزاجش مستغرق و مستہلک و جد و حال۔ غیر از وقت قیلوبہ چشم
معنی بنیش از خواب آشنائیت و التزام صوم و سہر و قیام لیل از مبادی صبح ممیز است و اوقات
روز و شب منقسم است بچندین قسم، برخی بہ طاعات و عبادات و بعضی از کار و اشغال و از شاہد
مراقبات تعطیلے در امور مہنودہ ملحوظہ احدے نگردیدہ۔

بعد یک پاس شب بدرون محل تشریف برودہ بہ تلقین و تعلیم لپران ارادت بنیان مشغول
می شوند و قدرے موافق سنت نبوی استراحت کردہ، باز بہ تہیہ نماز تہجد تشریف می آرند و تا یک پاس
روز بہ سکوت می گذرانند۔ اوقات شریفش خیلے معمور است و جبہ مبارکش لبریز تجلی و نور۔

جنابش مزج اہل توران است و آستانش مقصد و مطاف کشمیریان۔ اعتماد الدولہ و غیرہ عمدہ
ہای ہمراہش خود را در حلقہ ارادت محسوب می کنند۔ حضرت نواب صاحب ماسم بارہم اکتساب فیوضات
صحبت کثیر البرکت کردہ اند، ندور معتد بہ گذرانیدہ۔ درین ایام طایر روح پرفتوحش بہ سیر عالم علوی
پرواز کردہ۔ لپرانس سجادہ نشین اند۔ اللہم اغفر وارحم۔ یا اللہ ان کی منفرت فرما اور ان پر
رحم کر۔

شاہ پانصدنی

از مردم توران است، و بہ عظیم جبتہ و شکوہ جہنہ و رویش عظیم الشان از فقرای مغلیہ جمعے با خود
ہمراہ دارد و از امرای تورانیہ مبلغنہای خطیر برای دیگجوش می گیرد۔ شہرت خرسواریش بسر حد شہیر رسیدہ
است و از فرط خواہش ہمین سواری را پسندیدہ۔ ہر شبے در خانہ ای بہمان است و ہر روز در مجمعی
خرامان۔

در ویش صلوات خوانے از ہمراہیان مشہور بہ بزرگی عامہ است و بطرز عجیبے می بندد۔ نظر بہ
غرابت دستارش اندرون محل می برند و این معنی را وسیلہ تفریح می دانند۔ یحتمل کہ در وزن بہ بیست آثار
برسد۔ سبکساری گردش موقوف بہ دراز کشیدن است۔ خدا کند کہ نصیب شود۔

ذکر میر سید محمد

جلالتِ نسب و حسب از چہرہ نمایان، پیشانی^۱ش چون شغشعہ آفتاب تابان است و عظمت^۲ و شکوہ فقر و عرفانش بہ ذرہ رعیوق و کیوانِ صولت و وضعت^۳ کہ مشتق از مادہ شجاعت است زہرہ زایران را بہ گداز می دہد و صدرہ گفتگویش کہ مستنبط از مہابت است، جگرِ مخاطبین را خون می کند۔ جلال و جبروتش از ہیبتِ جلسہ شریفش پیدا است و کمال فقر و فنایش از در و دیوارِ تجلی آثار ہویدا۔ در استقامت وضع عدیم البدل و در اعلان کلمتہ الحق با سلاطین و امراء ضرب المثل۔ از زمان خلد مکان ترک منصب کردہ بہ زہت آباد گوشت فقر کوس شاہی می زند و بہ استغنائی تمام و تعیین مالا کلام اوقات بابرکات بسرمی برد۔ درین بین از سلاطین و امرای کبار اقسام تضرع و ابتهال در مادہ قبول سیورغال بعمل آمد لیکن بے نیازی سای منصب فقر بہ گوشہ چشم ملتفت نگردیدہ^۴ و از قبول فتوح و ندور ہم ہمین عالم است مگر از غریبے^۵۔

پسران و خویشانش در سلب ارباب مناصب انتظام دارند و آرزومی کنند کہ بہ فرمایش^۶ او آبروی دارین حاصل کنند لیکن میسر نیست۔ محاورہ شریفش خیلی رنگین است و گفتگویش نہایت شیرین۔ ادای کلامش مبنی بر لطایف و سریش^۷ خوبی احوال طایفین ناشی از ظرافت۔ بہ اعتراف کمالش جمہور سکتہ دہلی متفق اللفظ والمعنی است و زبان خاص و عام بہ محامدات^۸ معنوی آماش ناطق و گویا۔ و این شعر مولوی نظامی مصداق حال کرامت اشتمال است :

تا بہ عہد جوانی از بر تو بہ در کس ز فرتم از در تو
ہمہ را بردم فرستادی من نمی خواستم، تومی دادی
فقیر بارہا کسب سعادت کردہ و در یوزہ ہمت و اتفات نمودہ۔ بیت :

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بہ ما کنند

بندگانِ نواب صاحب یک مرتبہ احرام ملازمت بستہ بودند، بہ سبب بے توجہی و بے اعتنائی و تاکید کلمات نصایح بیخظ گردیدہ^۹ مراجعت فرمودند۔

ذکر مجنون نانک شاہی

کہ در صنعت و نحافت، مصداق نام خود است و بہ خوش و ضعی فقر شہرہ خاص و عام۔ از جہہ اش
استدراج لائح است و از نحوای کلماتش علامات برکات فایح تکیہ و نشینے در نہایت تقطیع و
ترتین بر کنار در یادارد و وقت معینے از خلوت گاہ برآمد ملاقات طلبان را بارمی دہد۔ اکثرے از ہنود
مسلمین بہ داعیہ دیدنش سرے بآن تفریح گاہ می کشند و در نہایت توقیر و تکریم با او ملاقی می شوند۔
در حین جلوس او بہ مرکز معین، پرستاران مورچال طاوسی از دو طرف بہ پروازی آرند و اقسام گلہا و
انواع فواکہ و اصناف شیرینی در محاذیش می چینند۔ بہ ہر یکے ازین اقسام بقدر تقسیم می دہد و بہ
تمکینے می نشیند کہ حاضران را قدرت نطق محسوس نمی شود و خود ہم بے ضرورت بہ حرف آشنائی شود
و از انداز جلسہ اش مبرہن می گردد کہ شغل باطنی دارد و بے تکلف در محفلش جمعیتے و سکوتے در
امر جبہ مختلفہ حاضرین یافتہ می شد و ہر کس رغبت بہ سکوت داشت مگر قوالان کہ لایق قطع مجرا می
کردند و بہ انعام مستوفی محتفظ می گردیدند ہنود متمولین بسیار خدمت می کنند و مبلغ خطیر می گذرانند
و بہ عقیدہ فاسد خود نانک وقت می دانند۔

علم و فعلہ آن مکان در نہایت رفاه بنظر می آید۔ جمع کثیرے بہ اتنانش معیشت دلخواہ می
کنند و غیر ازین از محتاجین ہر کہ سر و قتش وارد می شود بقدر قسمت کامیاب می گردد۔
چون مسکنش بر لب آب است و کشتیہا پائینش مستعد ہر روز عجب ہجوسے می شود و طرفہ تفرجے دست
می دہد۔ لیلی نشان میانہ سوار، زیادہ از شمار، در آنجائی آیند و در سایہ اشجار سواری گذاشتہ تفرج می
کنند و تنہا بہ مجنون ملاقات می نمایند و مقاصد مستورہ گزارش نمودہ جہتہ حصول ضایر استمداد می خواہند
زبان حالش باین بیت مترجم است :

شبے مجنون بہ لیلی گفت کامی معشوق بی پروا

ترا عاشق شود پیدا ولی مجنون نخواہد شد

در برسات حوالی تکیہ اش خیلے کیفیتے پیدائی کند و انتعاش عجبے بہ نزہت طلبان دست
می دہد و در ہم محترم ہم بہ تقریب شستن اعلام حضرت امام حسین علیہ السلام طرفہ انہوسے می شود و سوادش

عجب شکوہ ہے بہم می رساند۔ در صلح کل مکانش قابل گذاشتن نیست و خودش لایق صحبت داشتن است۔

قدوہ اصفیای معارف آگاہ شاہ عزیز اللہ

قبر مبارک ایشان در دہلی کہنہ در مکان مرغوبے واقع است۔ ارادتمندان بہ مقتضای صفای عمارت مختصر رنگین ساختہ اند و بہ تعمیر احاطہ آن پرداختہ نسیم فضائش از ہوائی خلد باج می گیرد و رواج ریاضین خیابانش از حدیقہ ارم خراج۔ عشرت گاہ منزویان است و تماشا کردہ خلوت طلبان بیچ وقتے نیست کہ از خلفائش کسی مشغول نباشد۔ بہ مجرد رسیدن، آن مکان بہ خودی تمہید می کند و جلوہ از خود رفتن بہ معاینہ آہنگش می رساند و زمان حیات ایشان عاصیبی بود کہ کلاغش بآئین محصلان شدید فرصت نفس کشیدن نمی داد و ہر گاہ کہ سربے مغز خود از کلبہ احزان بر می آورد بہ صدمات متعار مجروح و متبک می یافت۔ در تمام شہر و جمیع مزارات ملتجی گردید۔ شفاعت بیچ کسے در استغفای جرایمیش مفید نیفتاد۔ اکابر عصر بہ آستانہ کرامت نشانہ اش سراغ رشتکاری دادند و بہ میامین توجہات عالیہ مستظہ گردانیدند۔ بیچارہ را رجوع بہ فائقہ فلک اشتباہ کردن بہان بود و بہ کام دل رسیدن بہان۔ خوارق عجیبہ ایشان از حد و حضر زیادہ است و تا حال استمداد و استعانت از قبر مبارکش باقی است، روز عرس سماع خاصے می شود و شیخ و شباب بہ عتبہ مواجد می آیند۔ مطام و مقصد برابر۔

ذکر سلطان شمس الدین غاری

مرقد مبارکش در اطراف درگاہ حضرت قطب الاقطاب درین غارے واقع است۔ ہر چندیکہ از سلاطین اند لیکن بہ صحبت ارباب ذوق و مواجد باریاب گشتہ بہ مدارج قصوای ولایت عروج کردہ اند، چنانچہ شرح کمالاتش از "ریاض الاولیاء" کہ تذکرہ ایست، بہرین می گردد۔ ہوائے ہن زار روزہ اش نمونہ ایست از روزنہ رضوان، و سواد سرزمین فیض آگینش نمودن ج خلد ایست شگفتگی عنوان۔ در زوج برسات از ہجوم سبزہ و ریاضین خود رو، رشک گلشن کتھیہ است و بہ اعتدال ہوا و کیفیت فضا دلچسپ و دلپذیر۔ زایران را در ضمن زیارتش نہایت ناصے دست قی و ہد در اثنای طوائفش کیفیت رنگینے بہ مشاہدہ پیوند۔ نور اللہ مفضیجہ۔ اللهم ارزقنا و اغفرنا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خواب گاہ۔

کو منور کرے۔ اے اللہ ہم کو رزق دے اور ہماری بخشش فرما۔

ذکر شاہ مقدمۃ الجیش و جدو حال شاہ کمال

در عالم فقر خیلے رنگین و میرزا واقع شدہ اندو در تقطیع لباس و خرقة پوشی نظیرندارند۔
ملبوس ایشان از پارچہ ہای نفیس باریک ساختہ می شود و در غذا ہم طرفہ تکلف و صفای
بکاری رود و بہ اعتبار تناسب اعضا و تعادل قوی مطبوع طبایع خلایق اندو بہ جدو حال و سماع
زیادہ از حد شایق و اصطلاحات صوفیہ و استعارات مشایخ بہ عبارات رنگین و اشارات دلنشین
ادامی کنند و در مجالس و عرالیس اکثرے حاضر می شوند۔ از حرکات تواجہ ایشان و سکنت ہای بے تکلفانہ
ایشان نظارگیان طرفہ حفظے بر می دارند و از مناسب خوانیہای اشعار فارسی و ریختہ عجب تمتعے می برند۔
از خواندن شعر حلاوتے بہ سماع می رسد و بی اختیار متلذذ می گردد و در فکر ریختہ مدلول اسم خود واقع
شدہ اند۔ صحبت ایشان غنیمت است و مجلس ایشان بکیفیت۔

شاہ غلام محمد

متصل طویلہ دارا شکوہ خانقاہ ایشان است۔ ہر سہ شنبہ مجلس سماع منعقد می شود و قوالان
جمع شہر و دیگر ارباب ذوق بوقت مقررے حاضر می شوند و مستفید می گردند۔ آثار کلمات روحانی از
ناصیہ مبارک لایح است و علامات و ملکات فضایل نفسانی از کلام بہار امتیازش فایح۔ بیشتر اوقات
بہ ساکت می گذرد و اکثری مراقب می باشند۔ چون ذوق مفرطی بہ سماع دارند در خانہ تاج خاں قوال
کہ پنجم ہر ماہ مجلسے ترتیب می یابد و نامبرده عقیدت خلصے دارد، مقدس رونق افزای شود۔ بہ ارباب
اعتقاد کہ جہت زیارت بخد متش می روند طرفہ عنایت می فرمایند و بہ کلمات رنگین دلچسپ مخلوط می گردانند۔
ملازمتش بہ طالبان اہم است و صحبتش بہ مسترشدان مغتنم۔

ذکر شاه رحمت اللہ

قدوہ مشایخ شہر اندو بہ و فوراً شہر در ہمہ عالم علم عمدہ با بمقتضای صفای عقیدت بیشتر
 بخدمت ایشان مربوط اند و سایر الناس بہ تقریب ارادت در سلسلہ علیہ اش منوط حلقہ ذکر ہمیشہ
 معمور است و سماع در محفل کرامت منزل دستور چہار قبیلہ دارند و ہر روز بنوبت در ہر جا بنیوتہ می
 فرمایند با وجود کبر سن قوتہای جوانانہ از اوضاع گرامیش محسوس می گردد و ہر چند کہ لبریز کیفیت معنوی
 واقع شدہ اند لیکن بہ تجرع دوام میل خاطر بہ میفروش می شود غالباً بنا بر مصلحت باشد و ظاہر برای
 حکمتہ در تسطیر سفارش ارباب احتیاج قلم فیض ریش بی اختیار است و در تحریک سلسلہ صدارت
 انامل وجد شواہش در کار وجود کرامت آمودش واجب استعظیم و قدوم میمنت لزوم التکریم

اعظم خان سپردوی خاں

برادرزادہ خانجہاں بہادر عالمگیری از امرای عظیم الشان است و بمقتضای رنگینی مزاج
 و مہارت راگ مدوح مطربان ہندوستان طبیعتش امارد پسند است و مزاجش بہ محبت
 سادہ رویان در بندہ داخل جاگیرتش صرف اخراجات این فرقہ است و ما حاصل روزگارش خرت
 یا اندازہ مقدم این طبقہ ہر جا از امر در رنگینے خبر می یابد بر عایت دلخواہ در کند رفاقت خود می اندازد و
 ہر طرف از سادہ روئے پیامش می رسد بہ دام احسانش می کشد جمعے ازین گروہ بحسن سببش
 بہ منصب مناسب امتیاز یافتہ امیس بساط اند و بر خے بہ مراعات خانگیش اکتفا کردہ رنگ افزون
 محفل نشاط در سواری بہ شان تمام و تجمل مالا کلام بر اسپان باد پاسواری شوند غرض ہر جا سبزہ
 رنگینے بہ نظرمی آید منسوب بہ اعظم خان است و ہر کجا نو خطے جلوہ می کند از وابستہ ہای آن عظیم الشان
 بہ پرتو خاں این گلرخان صبح پیری را خضاب می کند و بہ واہمہ کم فرصتہای زمان فرصت حیات در
 استجلاب حظوظ نفسانی شتاب

میرزا منوکہ از امیرزادہ ہای زمانہ است و درین فن سحر کاریہا یگانہ اکثرے از امرادزادہ ہا
 احکام ضروری این علم از ویاد می گیرند و بہ شاگردیش نخزمی کنند شیرازہ این محفل است و با عیب

انتظام این بزمِ غلمانِ مشاغل - خانه اش بهشتِ شاد است و کاشانه اش آشیانِ مجمعِ پرزاده -
 ہر لوطِ رنگین کہ با این محفل ربط ندارد فردِ باطل است و ہر سبزِ ملیحہ کہ با این مجمع مربوط نیست از جلیہ
 اعتبارِ عاقلِ مجلسش دارالعیارِ شاہدان است و بزمش محکمِ امتحانِ گلرخان - نقدِ قراضہٴ حسن تا
 بد از ضربِ بزمش رجوع نکند کاملِ عیارِ نیست، چہ شد کہ مثلِ طلای دست افتخار است و سیمِ جمالِ تادہ
 کوزہٴ مجمعش گداز نیابد چاندی نیست، چہ شد اگر نقرہٴ خالص است - رباعی:

یاران بہ قمار خانہ رندے چندند
 با مردم کم عیار کم پیوندند
 رندے چندند و کس نداند چندند
 بر نسیم و نقد ہر دو عالم خندند

ذکر لطیف خان

لطفِ معاشرتش دستور العملِ عشرت طرازان است و ضابطہ ہای بزمش معمولِ معاشران
 از امرِ زادہ ہا است - ہمیش مصروفِ بزمِ آرائی است و جہدش مبذولِ نغمہ سرائی - مہارتِ راگ
 بمرتبہ ایکہ نعمت خان اکثر بہ خانہ اش می آید و طرزِ نغمہ را مستحسن می دارد و مزہ خواندش بدرجہ ایکہ
 عمدہ ہا تلاشِ باریابیِ محفلش دارند و مخطوطاتی شوند عطا می بے نظیر است و معاشرِ رنگین تقریر علی الدوام
 بہ رنگِ خم، سرشارِ نشہٴ سیہ مستی است و لسانِ ساغر در خدمتِ مینا لایق قطع سرگرم صہبا پرستی، اشعارِ
 رنگین در ضمن صحبتہامی خواندہ نقلہای شیرین را در احیانِ نزہتِ بزم، نقلِ مجلس می گرداند و لہجہ ہای
 یاران بمرتبہ ایست کہ ہر کہ یک مرتبہ بہ صحبتش رسید خود را آشنای دیرین خیال کردہ - و رعایتِ خاطر
 احباب بنجابہ ایکہ ہر کہ یک دفعہ مربوط گردید تاملت العمر حق التفات او بندہ اش ماندہ تو صنعتش باہمہ
 کس بزنگِ تواضع مینا بہ جامِ شیرین خویش باہمہ طبایع گیرانے نشہ بہ مشام - حقہ ہای با تکلف با
 طرفِ تخرج پیش ہر کدام علیحدہ می گذارند و کلابیہای با سامانِ تنقل بی شایبہ مشارکت بمجازی ہر یکے
 جداگانہ می چینند - یارانِ نغمہ سنج بنوبت داد خوش ادائی می دهند و حریفانِ خوش نوا بمراتب ترنم
 سرائی می کنند و درین ضمن لطیفہ ہم در میان می آید و بذلہ و بدیہہ نیز چہرہ می کشاید -

از دو گھڑی روز تا یکپاس شب اجتماع این محفل است. ہمینکہ وقت معہود رسید مشارالیه ملتفت استراحت است و تفرقہ در آن جماعت پیشتر نوربانی و دیگر طوائف و خوانندہ ہا و نوازندہ ہا و رقاص شیرازہ مجلسش بودند، الحال کہ بضاعتهما صرف پا انداز شاہی گردیدہ آن ہمہ ہجوم نیست لیکن مردم مخصوص جمع می شوند و یکپاس شب ہمیشہ بہ تعیش می گذرانند۔ این شعر اکثر بہ زبانش می گذرد:

باین یادگارے قلمی گردید۔ فرد:
در حریم بزم مستان دور صبح و شام نیست
گروش بام است اینجا، گروش ایام نیست

ذکر کیفیت بسنت

در ہر ماہیکہ بسنت واقع شود، غرہ آن ماہ در قدمگاہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفہ جمعے می شود و عجب ہنگامہ۔ از صبح آن روز جمیع سکنہ شہر بہ تقطیع و تزیین پرداختہ، در راستہ ہای آن بہارستان فیض رنگینی خیابان و طرفہ فروش ملون گستردہ و بہ آرایش اماکن جلوہ گرمی شوند و در حوالی و صحن آن سعادتکدہ بر یکدیگر سبقت جستہ بساط تفریح و انبساط می گسترند و چشم براہ قوالان و مجریان و زایران می باشند و انتظار می کشند کہ درین صحن قوالان و نغمہ سراہان بہ تجمل تمام و تزیین مالا کلام اقسام گلدرستہ بہ ترتیب دادہ و ریاضین متنوعہ را در کوزہ ہا گذاشتہ، جہت نیاز روح مقدس سرود کائنات علیہ افضل الصلوات، بہ کمال خضوع و خشوع، در ہر قدم زمزمہ سبحان و در ہر خطوتین ترانہ طرازان، بہ تائق ہرچہ تمام تر سنو زومی شوند و ہمراہ این جماعت زایرین شیشہ ہای رنگین گلاب و عرق بیدمشک و عرق بہار و دیگر عطریات لبریز ساختہ تحفہ روی دست می گردانند و بر سروردی متوجہان آن کعبہ تحقیق گلابپاشی بعمل می آرند۔ جلوہ شیشہ ہای چینی نثراد در دست پری پیکران نازنین شیشہ خانہ حوصلہ تماشاہیان را بہ سنگ می زند و عقل مصلحت بین را فرسنگ بفرسنگ می برد۔

گرد راہ آن راستہ ہا از کثرت طیوب عبیر خیز است و ہوای در و دیوار آن مکان فایض الانوار از نور زوایح عطر انگیزہ جنون بے اختیاری بملاحظہ این حالت مستعد نالہ و فریاد است و اضطراب طبیعت بمشاہدہ این جلوہ گران ہم پلہ گرد باد۔ مطربان رنگین و نوخیزہ جلوہ ہای عجیب و اداہای غریب در فضای آن شفاعت گاہ، صفہای جداگانہ بستہ با ساز و نوا۔

مراسم مجرا بہ تقدیم می رسانند و قوالان معمر طرف دیگر شیرازہ بند مجموعہ نیاز گردیدہ جبہ و خضوع بہ خاک آن آستان می ساینند۔ ارباب طرب از ہر قسم و در ہر گوشہ و کنار بہ اظہار صناعت کہ در حقیقت طاعت می دانند بے تاکید احدی مشغول رقص و سرود اند و زواری تفاوت و شمارہ لانی قطع در ایصال اتحاف و ہدایای درود نامعدود۔ از طلوع صبح تا نماز عصر، نواسجان بنیبت مساعی حمیدہ در تقدیم مجرا بکار بردہ بہ خانہ معاودت می نمایند و گلہای قبول و تمنا بہ دامن آرزوی بر بند۔ روز دوم بہمین ضابطہ نغمہ طرازان با ساز و نوا بہ زیارت حضرت قطب الاقطاب می روند و وظائف بندگی مودی ساخته، در عین مراجعت بہ طواف حضرت چراغ دہلی شمع امید روشن می کنند و روز سیوم بجناب حضرت سلطان المشائخ کہ بہ سبب قرب شہر مرجع جمہور خلایق است و بہ سبب فرط عقیدت، طوائف انام خیلے بہ طوائف شایق، مجلس خاصہ منعقد می گردد و بوجہ احسن بزم سماع ترتیب می یابد۔ صوفیہ در وجد و حال گوی مسابقت از اقران و امثال می ربایند و مشائخ و فقراء تمتع خاطر خواہ حاصل می نمایند۔

تاریخ چہارم نظر بر اینکہ مرقد حضرت شاہ حسن رسول نما در عین شہر واقع است و طوائف ارباب نعمات را با رجوع تمام است، طرفہ مجمع می شود از کثرت اشخاص عبور و مرور را ایران متعذر می گردد و حوالی آن مکان فیض آگین بہ سبب هجوم اہل غنا و کثرت نقالان، باہنمہ و سستی کہ دارد، تنگتر از دیدہ موری نماید و روز پنجم سواد پیشگاہ فلک اشتباہ حضرت شاہ ترکان بہ سبب انعقاد ارباب نشاط و حال و اجتماع اصحاب حسن و جمال رشک انجم و پروین و محسود فنصای خلد برین می گردد۔ چون اکثری قوالان عمدہ و رجوار آن کرامت آثار ساکن اند، بہ ادای حقوق جوار، بیشتر از جاہی دیگر نازکی در نگینہا بعضی می آرند و سامعان را ممنون می گردانند۔

روز ششم بطریق معہود بہ خانہ پادشاہ و امرا رجوع نمودہ بہ استجلاب منافع و حطام دنیوی مشغول می شوند و شب ہفتم این ماہ، ارباب رقص بہیبت مجموعی بر قبر عزیزیکہ در احدی پورہ مدفون است، حاضر گشتہ قبرش را بہ شراب ناب می شویند و ہمہ شب بے اہتمام قنقنہ مرتبہ بہ مرتبہ بہ رقص و سرود پرداختہ، صدور این حرکات را ذریعہ ترویج روحش می دانند، قوالان ہم جنتہ جنتہ فراہم می آیند۔ مجلس رنگینے می شود۔ مردم حسین در آنجا وارد می شوند۔ طرفہ طرفہ خلوتے دست بہم می دہد و عجب

صحبتے میسر می آید۔ غرض باین تقریب تا شش روز تماشائیانِ عشرت پرست و نظارگیانِ سبک سیر
چابک دست، داد انبساط می دهند و ذخیرہ احتیاط برای یک سال در یک ہفتہ می اندوزند۔ خوشحال
ایشان۔

ذکر یازدہم مہین

نامبرده ہر چندیکہ بہ وفور انکسار و وسعت اخلاق و کثرت تواضع در عایت مہاندار ہما و
ترتیب بزم آریہا محسود اقران خود است لیکن بعلاقہ دارو غلی اربابِ رقص و نشاط و تقریبِ مرجعیت
اہلِ طرب فی الجملہ مطعون است۔ چون وزیر الممالک بہ تجرع میلے دارند و با اہلِ حسن و جمال و اصحابِ غنچ و
دلالِ ریلے از آنجا کہ توجہ خاطر این عزیز بہ تقدیم حسن خدمات معزز و محترم است و در تلاش مردمِ حسین
طرفہ دستے دارد و ہر روز پری پکیرے تازہ بہ افسون تسخیر می کند، از دیگر مصاحبانش مکرم۔ خانہ اش
از ہجوم جلوہ گلرخان گلشن آباد است و کاشانہ اش از ورود مہ جبینان آشیانہ پر زیادہ ہر جا کہ گل
رخاریت مایل صحبت اوست، و ہر کس کہ شہ حسنیہ دارد شیفۃ بزم سرا با کیفیت اور امارہ رنگین از
کلاوٹ بچہ با وغیرہ در حلقہ بزمش خیل در خیل و نوخطان دچپ از ہنود و مسلمین در دائرہ مجلسش
جوق جوق۔

چون ہر ماہے یازدہم می کند اربابِ رقص بے انیکہ تکلیف نماید، از صبح در محفل او حاضر
گردیدہ و منت بردل و دیدہ گذاشتہ، بہ رقص و سرود اشتغال می نمایند و ہمین قسم قوالان و نقالان
بے شائبہ توقع بہ ادای مجرامی پردازند۔ چون خیمہ ہاشمی متقدماستادہ می کنند و فر و شش رنگین گسترده
می شود و برای اہل شہر صلاہی عام است، مردم خوب خوب و چیدہ چیدہ در آن مجمع مجتمع می شوند و
آن ہمہ ہجوم اہلِ حسن می شود کہ نگاہ از کثرت اشخاص حسین و از اطراف مردم دلنشین دست و پا کم می کند و
چون نادیدگان خود را بہ عیب گرسنہ چشمی می نماید اسباب طرب برای ہر کس مفت است و سواد تاشا
جہت ہر کدام رایگان۔ اگر مبلغ خطیرے در خانہ بخرج آرند این صحبت و تاشا امکان ندارد و این کیفیت
میسر نمی آید۔

ہمہ شب از وفور شمع و چراغ جمعی نور علی نور است و فضائش ہمہ وادی طور۔ در ضمن آن

بزمگاہ تجلی و تنگاہ، اربابِ حرفہ اقسامِ دکائین از اطمینان و اثر بہ مرغوب و تنقلات و لچب چیدہ
 ماکولات ضروری بہ نظارگیان عرض می کنند۔ چون محفل از استطاعت درستی و توسعہ خاطر خواہی دارد
 در تقدیم مراسم ہمانداری قہور نمی کنند۔ و مردم ممتاز و مخصوص را در ماکن متعدّدہ کہ ہر یکے بزنگینی فرشتہ
 خوش ہوائی رشک و گیرسیت، تکلیف نمودہ بہ طعام و فواکہ و رواج تواضع می نماید و نشہ سجان را بہجت
 تر و ماعنی صحبت و ترطیب مشام بہ صہبا کشتی ہم مختار می گرداند و عطریات بو فور پیش ہر کسے می گذراند و عن
 در ہمانداری بے بدل است و در بزم آرائی ضرب المثل خانہ اش بہ چو خانہ امرار جلوہ گاہ پری زخان
 جہان۔

ذکر دوازدم ربيع الاول

در سرای اعراب کہ از قلعہ پادشاہی بمسافت سہ کروہ واقع شدہ و بسبب توطن اہل عرب کہ
 ہمہ موظف پادشاہی اند، آب و زنگ دیگر یافتہ، در ماہ ربيع الاول خصوص دوازدم، طرفہ مجمع می شود و
 عجب کیفیت دست می دہد۔ قریب دو ہزار کس از اعراب در مسجد یکہ در وسط آن سرا واقع شدہ و شوم
 وسیع و فضای دلکشای دارد و تا سیس مکرم خان مرحوم است، مجتمع گردیدہ، تمام شب زمزمہ سنج
 مولودی شونذ و قصاید عربی کہ در نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعرای عرب موزون کردہ اند، با آہنگہای
 حزن و نشیدہای دلنشینی می خوانند و محققین صوفیہ را بمصدق این شعر:

کسانیکہ بزندان پرستی کنند

بہ آواز دولاب مستی کنند

بہ وجد و حال می آرند۔ از ہر طرف زمزمہ و صلوات و از ہر سمت صدای تسبیح و تہلیل، بہ مسامح
 می رسد۔ تمام شب باین ہیئت اعیان می کنند و ہمینکہ آثار صبح ظاہر شد بہ ختم قرآن مجید و فرقان حمید
 مشغول می شوند۔ چون ہمگی حفاظ اند و از قواعد تجوید آشنا، سامو را طرفہ احتفظ بہم می رسد و عجب
 نماز سرا پا حضوری میسری آید۔

اہل شہر خصوصاً صلحا و اتقیا بمقتضای مناسبت نظری باین صومعہ رسیدہ بہ اکتساب ثنوبات
 آخروی و احراز مقام صد معنوی کامیاب مدعا می شونذ و استیفای لذت ذائقہ ہم می کنند چون اہل عرب

در تعظیم و تکریم مہمان ضرب المثل اند، مقدم این اعزہ را بہ ترحیب متعلق ساختہ، بہ ما حضر خرمای تر
کہ در آن سرا خوب ہم می رسد، استقبال می کنند و شب صیانت مستوفی از الوان طعام سر انجام می
دہند و پیالہ ہای کلان قہوہ خوری کہ گاہے شیرینی ہم داخل می کنند، علی الاقصال بہ مردم تکلیف
می نمایند۔ چون تہوع آوراست مہمان در رد و قبول سخت اذیت می کشد۔ فقیر ہم بہ رفاقت
خان صاحب، سردفتر اشفاق کیشان، سید حشمت خان وارد گردیدہ بود۔ معنی این شعر را درین
محل صادق یافتہ بود:

روزے بخانہ عربی مہمان شدم

چندان خوردند قہوہ کہ من قہوہ دان شدم

غرض تفاوت نشان معنی را ہم قال و ہم تماشاد را آنجا دست می دہد و بر نخے بخت
دیدن ملیحان عرب ہم سرے می کشند، گو باس مقطع یا موافق ضابطہ نباشد و حسن گرمی و ادای
دلچسپہ بنظر نیاید و برای مخلصی مستمسک باین شعری شوند:

محقق ہمان بیند اندر اہل

کہ در خوب رویان چین و چگل

صبح کہ عنان معاودت می گردانند، بملاحظہ نوضا و کسب ہوا عشرتے و بمشاہدہ قبور منتقدین و
عمارات عالیہ مندرسہ عبرتے حاصل می نمایند:

این گمانخانہ اقامت کدہ اُلفت نیست

عبرتے گیرز کیفیت بام و در خویش (کذا)

اگرچہ دہازد ہم ربیع الاول عرس حضرت سرور کاینات علیہ اکل التہیات در تمام دہلی بسیار
بہ آب و تاب می شود و مجلس ترتیب چہراغان بندی بآئین مرغوب لعل می آید و سماع خیلے کیفیت منعقد
می گردد لیکن اسلوب بزم آرائی خان زمان بہادکہ از امرای عمدہ محمد شاہی است و بہ و نور حشیتہا سلسلہ
مخامدش نامتناہی طرز خاصے دارد۔ در دیوانخانہ عظیم الشان کہ پیشگاہ صفہ اش در وسعت چون پستیانی
نیکنجمنان کشادہ است و در ضمن صحنش بہ مدار الحیات آمادہ، این بزم و نشین صورت تزئین می یابد
و بہ قالینہای رنگین باج از فضای گلشن می گیرد و در وسط این مسکن سعادت موطن، صندوق آثار

شریف جلوہ پیرا گردیدہ۔ زائران در سمتہای اربعہ متمکن می شوند و بہ استعمال صلوات حلاوتی بہ کام امید می رسانند۔

بعد از نیکه افتتاح آن حقہ سربستہ کہ رشکِ حقہ فلکِ شعبدہ باز است، در میان می آید مردم ہر سمت بنوبت بہ شرفِ تقرب آن بساطِ کرامت مناظر و بہ دستاویز صلوات با برکات و تحیات زاکیات، باصرہ را لکچین انوارِ سعادت می گردانند و بملاحظہ آن تبرکات، رستگاری و نجات تحصیل می نمایند۔

تا شام و ظایف زیارت و شرایط استحصال سعادت بعمل می آرند و بعد نماز مغرب، آن حقہ شفاعت شقہ را مضبوط ساخته متوجہ سماع می شوند۔ توالتان خوش لہجہ و نغمہ طرازان رنگین زمزمہ کہ منتظر ایمانی باشند بجز توجہ ارباب محفل زمزمہ سنج گردیدہ صوفیہ صافیہ را بہ وجد بسمل می آرند از ہر طرف شور و شغب بلند می گردد و در ہر سمت نغمہ و افغان از اہل حال سر می زند۔ بہ تعظیم تواجہ منشان ارباب مجلس بہ قیام پرداختہ ہر طرف سیر می کنند و از ہر حلقہ تمیح فیضی می گیرند۔ از فرط ہجوم و کثرت خلایق انتظام محفل برہم نمی خورد و بقسم کیفیت در جمیع طبایع سرایت می کند کہ مطلق العنان می شوند۔ تماشای غریب و تفریح عجیب بملاحظہ مصنوعات الہی نصیبِ نظار گیان می گردد:

ہر چه دیدیم از تو خالی نیست
بسزہ شوخ است و گل صفا دارد

ذکر کیفیت کسل پورہ

کسل سنگھ از عمدہ ہزاریان پادشاهی است۔ بہ اعتبار ثروت و دولت در امثال و اقران خود متفاخر و مباہی۔ پورہ در نہایت تقطیع و تکلف احداث کردہ و از ہر قسم طوایف و فواحش بازاری کہ عبارت از مالزادیہا باشد، آمادہ نمودہ و ارباب مناہی و مسکرات را بہ حمایت خود جادادہ۔ با وجود کثرت جمعیت، محتسب در حوالیش راہ ندارد و قدرت احتساب در خود نمی یابد۔ در ہر راستایش زنباہ بہ لباس رنگارنگ خود را بہ مردم عرض می کنند و در خم ہر کوچہ بے وساطت میانجی اشخاص را تکلیف می نمایند۔ ہوایش شہوت آمیز است و فضایش باہ انگیز۔ بتخصیص در حوالی شام طرفہ جمع می شود و

عجب ہنگامہ۔ در ہر مکانے رقص است و در ہر جای سرود۔ ارباب فسق بی ممانعت و مزاحمت سرے در آن کارخانہ کشیدہ بہ گلچینی خیارک و سوزاک و امن شہوت را البریز می کنند و چندے بہ خمیازہ حسرت گذرایندہ مشغول می شوند۔ غرض طرفہ کار گلے و عجب تماشا گاہے است۔

ذکر کیفیت ناگل

متصل سرائی خواجہ بسنت اسد خانی، احاطہ در نہایت صفا و جلا ترتیب یافته و صاحب کمالے کہ موسوم بہ ناگل باشد مد فون گردیدہ۔ بیت و سہتم ہر ماہ، نسوان تعشق بنیان دہلی، بہ کمال تقطیع و تزئین مزین و محلی گردیدہ جو جوق بہ تقریب زیارت کہ در حقیقت مدعای دیگر است اسرگرم تفرج می شوند و بہ اشخاصیکہ مربوط اند، مجتمع گردیدہ، داد دلخوشی می دهند۔ بیشتر اہل تجرید و غریب پیشگان بامید قبول و ایجاب آن جماعہ، بزرگ گلہاچین خود را رعنازیبا ساختہ، بہ جلوہ گاہ عرض می آرند۔ مصرعہ:

تا دوست کرا خواہد و میلش بکہ باشد

و از خواص آن مکان نقل می کنند اگر غریب وارد آن نہ بہت کدہ گردد فوراً بہ جفت می رسد۔ از کثرت تماشائی، سواد آن تماشا گاہ کہ وسعت آباد است، تنگتر از دیدہ مور می گردد و مردم از صبح عازم آن مکان گردیدہ، طرف شام معاودت می نمایند و در ضمن بازگشت سیر حدائق و ساتین کہ بر سر شارع واقع اند، می فرمایند غرض دلخوشی کار ہا دارد و چیز ہا اختراع می کنند۔ تعالی شانہ نصیب جمیع دوستان و احباب گرداند۔

ذکر رتی مہابت خاں

در آن ریگستان کہ عرض کیفیت او طولے دارد، جوانان رنگین و معرکہ گیران بہ اپاتزین، بہ تقریب گرفتن کشتی و اظہار قوت و پہلوانی فوج فوج فراہم آمدہ، ہر کدام بہ ہریکے کہ مناسب قوت و صنعت داشته باشد، کشتی می گیرند و حرکات عجیب و غریب کہ موجب تہنن نگار گیان باشد، بوقوع آوردہ ارباب تماشا را مخطوط می گردانند۔ در ہر گوشہ و کنار صحبتے و در ہر سمت اجتماعے و اختلاطے صورت می گیرد و شفغے بہ دلہا سرایت می کند۔ بعد فراغ این حرکات شیرینہا تقسیم کردہ ہریکے بہ سمتے روانہ می شود و باز بہ روز

موعود کہ یکشنبه باشد، حاضر آمدہ، معرکہ آرا می گردود سیر این مکان ہم خالی از لطف نیست۔
اکثر مردم حسین وارد می شوند و نظار گیان بہ تماشایش گلچین انبساط می گردند۔

ذکر سازان محافل صاحب کمال و معنی طرازان مجامع شیریں مقالی مرزا جانان

نزاکت مزاج بہار امتزاجش کہ پروردہ آب و ہوا کی گلشن معنوی است، از وہمہ کاری توصیف مستغنی است۔ صبا بامید اینکہ گاہے در کار گاہہ مداہمیش تار و پودہ اوراق گل بکار آید، سرگرم چمن آرائی است و نامیہ درین اندیشہ کہ قلم نرس روزے بہ تقریب نگارش مناقبش علم افتخار بہ افزاد مستعد گلشن پیرانی، تار مسطر کلامش اگر از رگ گل ترتیب دہند بر جا است و مستودات افکارش بر پردہ چشم بلبیل تحریر نمایند، رسا صفای روز مرہ و نجابت گفتگویش بمشاہد نہایت گل مشام آرای سامعان است و غذوبت کلامش چون نسیم بہار شور انگیز جنون طینتان ادای سخن شوخی دارد کہ تا فہم مخاطب پی بہ تغنیش برد بزرگ تجدد امثال سراز عالم دیگر بر می آرد و اندازہ تکلم عکسے می ریزد کہ تا مستمع ہوش بہ فہمش نگارد بے اختیار شور از نہادش سر می زند۔ کلام تکینش نقل گزک محفلستان است و نشہ فکرش صہبای معنی پرستان۔ چاشنی دروش طبیعی است و سوز عشقش فطری۔

بعد از تحصیل علوم بہ تحریک جاذبہ شوق محبت الہی بہ انقطاع علایق پرداختہ، قدم بہ جادہ فقر گذاشتہ و درویشی را با میرزائی جمع ساختہ۔ علمے شیفتہ صحبت گرامی است تا کرد دست و دہ و جہانے مشتاق ہم صحبتی تا طالع کدام کس مساعدت نماید۔ خواندن شعرش مزہ دارد کہ اگر جانہارا در جنب مہلہ اوبہ تواضع بگذرانند، مفت ہمت است و لطف سخنش ناخن بہ دلہامی زند کہ نقد روا نہا در کف تنگش آن ضرورہ فطرت۔ اگرچہ تقدس ذات این نشہ سنج معنی از ان رفیع تراست کہ در سلک مرزوان مذکور گرد لیکن چون زبانش بہ فکر شعر گلشنانی دارد، لہذا قلم گستاخی رقم سرے درین وادی کشید۔ امرای عالیشان بہ تمنای ملازمت تدبیر با بکاری برزند و صحبتش میسر نمی آید۔ روز پنجشنبہ

در سجدِ جہان نما، اکثرے از مترصدانِ سعادتِ حضور در اینجا کامیاب مقصد می شوند۔ در دہلی کہنہ اقامتِ شریف است لیکن چون طبیعتِ رنگین بہ منزلات مایل است و تبدیل مکان ہمیشہ منظورِ نظر، بطریقِ ندرت صحبتِ والا کسے را دست می دہد۔ از اینجا کہ با ارادت کیشان صمیم گوشہ خاطر پیست، بمقتضای نوازش، چون معنی بیگانہ، بیک ناگاہ درود فرمودہ، کلبہ محقر منتظران را نورانی می فرماید، اگرچہ اشفاقِ عمیم ایشان بہ نسبت بہر ضعیف و شریف یکسان است و بمقتضای عنایت توجہ مخصوص بہ حالِ ارادت اشمال است، فقیر اکثرے استفادہ فیوضات نمودہ۔ یکبار غریب خانہ ہم بہ نزولِ مقدم ضیا توأم، بیت الشرف تجلیات گردیدہ۔

معنی یاب خال

از چیدہ ہای پادشاہی است۔ رنگینی طبعش بمتابہ ایست کہ اگر بہار در یوزہ گری نماید می تواند گلشنِ امکان را زیادہ ازین رنگین کند و شوخی سخنش بہ مرتبہ ای کہ اگر نکست گل نکتہ آموز سبب روحی شود، بیشتر از بیشتر شام آرا تواند گشت۔ در تخیلِ غزال معنی ید بہیضا دارد و در ادای لطف سخن اندیشیہ رسا۔ غزل بہ سامانِ تمام می گوید و ادا ہای طرفہ بکار می برد کہ سماع بہ وجد می آید۔ سوم ماہ صفر کہ عرسِ میرزا بیدل مرحوم است، جمع شعرای دہلی بر مزار ایشان مجتمع می شوند و دیوانِ میرزا را در میان گذاشتہ افتتاحِ شعر خوانی از آنجا می کنند و بعد ازین بتدریج مسوداتِ اشعار خود را بہ عرفد آورده از حضور مجلس متوقع تحسین می شوند۔ اول کسی کہ شروع بہ غزل خوانی می کند ہمین عزیز است و در حقیقت تقدیر متحسن ارباب معنی شعرش از ابتداتانہا ناخن زن دلماست و از اندیشہ تعرض نکتہ گیران بہ آ۔

مطلعے بآئین یادگارے درین تذکرہ ثبت می شود و آن اینست :

بگلشن چشم شملایت چوئی آشام می گردد

دکانِ حسنِ خوبان تخته چون بادام می گردد

حزین

مہمانِ دیار ہندوستان بہشت نشان است و بہ علو طبیعت و تقدسِ فطرت، ممتاز

سخنورانِ زمان۔ اصلش از ولایتِ ایران است۔ بمقتضای وارستگیها و آوارگیها در عالمِ سیاحت به لباسِ اربابِ فقر سرے به دلی کشیده۔ مقدّمش همه جا محترم است و قدیم موزونی لزومش در همه محافل مغنّم۔ بر جاوہ استقامت و انزوای مقیم است و به کمال استغنا در مہمانسرای توکل مقیم۔ اربابِ استعداد، به سرانجام مایحتاج تحصیل سعادت می کنند و اغنیای مغنیہ به تقدیمِ حسنِ خدمت ذخیرہ منت بدمه خود می گیرند۔ معاشش در نہایت پاکیزگی و رنگینی است و کاشانہ اش که بیت الشرفِ اخلاص منشان است، در کمالِ موزونی و کیفیت آفرینی۔

در احیانِ سه پہر صحنِ آن مکان به صفای رفت و رُوب و آبپاشی چون پیشگاه آئینہ جلوہ پیرایِ نظر با می گردد۔ چوکی مفروش می شود۔ نکتہ سنجان و موزونانِ مقرر یکہ جزو لای تجزای این صحبت اند، در خدمت شریفش حاضر شدہ عندلیب آسا بہ زمزمہ غزلخوانی تر زبان می شوند و از بہارِ صحبتش گلہای استفادہ دامن دامن می بزند۔ طبیعت رنگینش در نہایت شوخی و رسائی است و حرکات لطیفش در کمالِ رعنائی و خوش ادائی۔ شعورش سر مشقِ اربابِ کمال است و سخنش ہنگامہ وزوز بزم و جد و حال شممہ از تباہیِ افکار چمن بہارش بہ صیافتِ ساموہ منتظران، گل افشانِ جریدہ شوق می گردد و آن اینست :

شعلہ شمعِ مسلّ ز دل آید بیرون
آہ دل سوختگان متصل آید بیرون
این گہر نیست کہ نشمرده بہ خاک افشانم
اشکِ گلزنک بصد خونِ دل آید بیرون

سراج الدین علی خان آرزو

به تحریر کلام بہارانتاش اوراقِ گل منت پذیر و از نوای شعرا و بلبل بہار چاشنی گیر۔ رنگینی گفتگویش ساموہ را نرگسردان می کند و بہارِ روزمرہ اش فضای بزم را چمنستانِ مسودہ شعورش پہلو بہ کاغذ زری زند و نازکیہای خیالش خون از رگ اندیشہ می چکاند۔ سفینہ اش ہیکلِ بازوی عشاق است و جریدہ اش حاملِ اربابِ وفاق۔ فروغِ انجمنِ موزونان است و چشم و چراغِ محفل

نکتہ سنجان: جمع سخنورانِ دہلی شیفتہٴ صحبت اند و تمام عمدہ ہای دارالخلافہ آرزومندِ موصلات چون در ضمن کمالش شیوہٴ منادمت مضمراست، با اربابِ دول صحبتش گہراست و در جمع مجامع رنگین برنگِ ہلال انگشت نما در برے کہ ورودِ مقدمش می شود نوای تہنیت بلند می گردد و بہ محفلے کہ رنگِ افروز گشت صدایِ مرجبا بہ ہوامی پیچیدہ حصولِ صحبتش بہ مشتاقان اتفاق است۔

روزِ عرسِ میرزا بیدل مرحوم بہ نسبتِ شاگردیش بزمِ آرایِ گرد و علمے را از صافی خانہٴ افکار زلہ چین منت می گرداند۔ مطلعے بہ تزیینِ این گلدستہٴ یاد آوری، جلوہٴ تحریری یابد:

ز بس بردند با خود در لحد ہم رنجِ مخوری
سزد لوحِ مزار میکشان ازیشتم انگوری

مرزا افضل ثابت

نشہٴ کلامش دماغِ آرایِ اربابِ وجد و حال و نتیجہٴ فکرش سر مشقِ اہلِ کمال۔ افکارِ چین طرازش برنگِ نسیم بہار شور افزایِ دیوانگان است و کلبہای خیالش ہنگامہ پیرایِ جنونِ طینتان۔ بر عایتِ انواع و اقسامِ وقایقِ سخن آشنا و بہ تمہیدِ متانتِ خیال از اہلِ معاصر خود مستثنی۔ جمع نکتہٴ سنجان بہ اعترافِ استادیش تر زبان اند و بہ بہارِ کمالاتِ معنویت آمالش گل افشان۔ بہ مقصدنایِ عنایِ ذاتی و نجابتِ فطرت رجوع بہ اہلِ دنیا نیست و بہ رسائی نشہٴ فقر بازگشت بہ اغنیاء نہ، بہ کلبہ بی نیازی مندر نشین توکل است و بہ ذرہ بے احتیاجی سامان طرازِ عرضِ تجمل شکوہٴ ہمتش پای استقامت بہ دامن درویشی پیچیدہ و خاطر استغنا مظاہریش خود را از رسومِ ابتذال کشیدہ۔ غیر از فکرِ شعر و تالیف کتبِ صوفیہ استفانے بہ امور دیگر نیست۔

نسخہٴ مفیدے در علمِ تصوف از ہمہ کتابہا انتخاب نمودہ۔ چون عمر شہ لیفش بہ اتمام آن و نا کردہ اوقات برنے از تلامذہ اش در تہمیم آن معروف است۔ اربابِ کمال ہوارہ در خدمتش حاضر گشتہ تمتعِ دانی برمی داشتند و این معنی را وسیلہٴ سعادت می انگاشتند۔ دیوانِ مردف ترتیب دادہ و منت بر اہلِ روزگار گذاشتہ۔ مطلعِ دیوانش چہرہٴ افروزِ بیاض است نسیم کلامِ شگفتگی پیاپی نرہت طرازِ این ریاض:

گشود چو صبح وصال تو شمع جان مرا
 بر به مشہد پروانہ استخوان مرا
 رنگین ز صفحہ چو برخواست نام چہرہ کشود
 جداشتن ز تو پیدا کند نشان مرا

ابراہیم علی خاں راقم

از لبش گوش خرد گلچین است، سخنش، نام خدا، رنگین است نسبت نسبت دورانش
 بہ حاجی شفیع خان عالمگیری می رسد و سخنش چون عالمگیر است، خراج از اہل سخن می گیرد۔
 فکرش چون طراز یک عالم بہار است و سخنش بہ مقتضای رنگینیا گوہر نثار۔ بدیہہ گوئیہایش بر تامل شعرا
 تفوق می کند و بذلہ سنجیہایش گوی مسابقت از اقران می رباید۔ باوصف کم بضاعتیہا اسباب معاش
 خانہ اش از ہجوم مستعدان رشک گلشن است و شکوہ روزگار کہ دلہا خون کزہ اوست، اصلا بہ
 زبانش نیست۔ ہموارہ تثر زبان شکر منعم حقیقی بودہ۔ بادوستان، سرخوش ہنگامہ اختلاط است و
 شیرازہ بند مجموعہ ارتباط نمونہ از بہار طبعش بہ مشتاقان چشمکے می زند و بہ تقریب یاد آوریہا
 بزم بکسی را بہ خیال آن رنگین خیال می آراید:

بکسی گشت، کسے می خواہم نفسے ہم نفسے می خواہم
 نالہ دل چقدر زہرہ درست آہ! فریاد رے می خواہم

میر شمس الدین مفتون

نکتہ فکرش باوصف سادگیہا دماغ آرای بزم یقین است و بی تکلفیہای گفتگویش
 سرشکن ارباب تعین۔ بقدر معاش از زمانہ قانع است و باندازہ احتیاج از اہل روزگار
 منتلف مشق سخنش بطور قردار است و ربط کلامش بہ طرز قدیم آشنا شعریہ دستاویز یاد آوری
 رقم زدہ کلک انتخاب می گردد و آن اینست:

در جہان کار بہ تعجیل نگیرد صورت بہ چہل روز سرشتند گل آدم را

مرزا عبدالخالق و راسته

با وجود منصب مناسب و مداخل معتد به، دارستگهای درویشان از مزاج بهار امتزاجش محسوس می‌گردد. خانه در نهایت تقطیع و تزئین بنا کرده و با وصف مرتبت (کذا) مکان رعایت جمیع مراتب کرده. چنانچه تفصیلات ازین رباعی که ریخته کلک رنگین اوست، تراوش می‌کند:

این خانه که چون خلد بهار آئین است

مانند مکان دیده نور آگین است

فواره حوض و نهر و گل در نظر است

این تازه رباعی چقدر رنگین است

دور وسط این کاشانه آئینه کلان نصب کرده و در اطرافش این رباعی بقلم چنین

این آینه حلب نسب نور نژاد

ردم نموده:

چون هر به روی صبح آغوش کشاد

جا کرد چو در چشم و دلش صورت دوست

حیرت زده شد پشت به دیوار استاد

از فرشتهای ملون و پرده باری رنگین و ظریفهای شیشه که به ترتیب در طاقها چیده تماشا

خانه ارباب نظر است. همیشه شعرای رنگین خیال بزنگ پرزادان معنی در آن شیشه خانه ورود

نموده، با گفتگوهای بامزه زنگ از دلها برمی دارند و از تواضعات رسمی که

قبوه و حقه و معجون و عطریات باشد، متمتع می‌شوند. سفاین متعدد از افکار قدما و نازک خیالان

حال پیش او گذاشته به شعر خوانی مشغول می‌شوند و داد معاشرت می‌دهند.

بافقیع عجب التفات و طرز اختلاط داشت. هرگاه که وارد می‌شدیم بوجهی آمد و صحبت‌های

مستوی نگاه می‌داشت و زمینهای اختراعی خود در میان آورده به فقیر تکلیف می‌کرد. مطلع از

مخترعات بهار طبعش زنگ افروز چمنستان یاد آوری می‌گردد و آن اینست:

رقیب آخر نماید بر شاهم جور و بر ما هم
شاهای کلر خان بندید بر قتلش کمر با هم

گرامی

از شعری کشمیرِ جنت نظیر است؛ و با وصفِ مولویت از مایدهٔ سخنوری چاشنی گیرِ سفینهٔ اشعارِ خود ہمہ وقت در بغلِ نگاه داشته، بہ حضورِ سخنِ فہمان بہ شد و مدِّ تمام بہ آہنگِ طربِ پیشگانِ کشمیر می خواند و بہ اعتقادِ خودش ہمہ دیوانِ خود را منتخب می داند و بہ دعوائی تازہ گوئیہا قسے رگ گردن بلند می کند کہ مشاعرہ را بہ سرحدِ مناظرہ می رساند۔ نظر با کابریت او اکثرے از موزونان بہ فضای امن آبادِ سکوت می خرامند و بہ تحسینِ تکلفِ تقنینِ خود را می دزدند۔ مطلعے کہ خوش آیندہ فقیر بود درین بیاض ثبت گشت :

در چین تا نسادہ امی پارا
رنگ بر رؤنساند گلہارا

مرزا ابوالحسن آگاہ

از رفقای عظیم اللہ خان است؛ و با جمیع شعراء بمقتضای رنگینی طبیعت مختلط و ہمزبان۔ روز عرس، قاری دیوانِ میرزا بیدل است و ہموارہ در فکرِ سخنِ مشتغل۔ از آنجا کہ جوانِ رنگین دلچسپ بدل نزدیکیست و با ہمہ این فرقہ بمقتضای مناسبتِ طبیعی جوششِ خاصے دارد و مربوطِ اختلاطہاست؛ خالی از انبساطِ طبیعت نیست؛ و عاری از پیرایہ رنگینی نہ۔ برخے از سخنانش ادایے دارد۔ مطلعے کہ بہ گوش خوردہ بود چہرہ آرای صفحہ تسوید است :

غم و درد تو از آن روز کہ مہمانِ من است
دل نمک سود کباب است کہ بر خوانِ من است

حلیما

از عرب زادہ ہاست و طورِ کلامش بہ طورِ اسحق اطعمہ آشنا خیالش از مایدۂ تان و فرنی با آب و تاب است و مطبخِ طبعش ہتیا از سامانِ آش و کباب۔ از چاشنی سخنش گرسنہ چشمان را

تسکینے بہم می رسد و بہ حلاوت گفتگوی طعامہای اقسامش تہی دستان رازلہ فراہم می رسد۔
 تلاشہای نمکین دارد و فکرہای شیرین۔ از خوان کلام ہر سخنور ریزہ چین است و از مایدہ نغمہای
 اقسام سخنوری بہرہ آگین۔ قریب پنجابہ ہزار بیت از متقدمین و متأخرین بیاد دارد و در محفل بہ
 طنطنہ و طنین خود سامعہ را گرمی کند۔ مطلعے از افکارش بہ نمکچینی منتظران تواضع کردہ می شود:

چون مگس بر خوان ہر کس می رود
 بی تکلف سخت مہرم پیشہ است



ذکر مرثیہ خوانان پسر لطف علی خاں جاوید خاں

از جسامت ترکیبش و از صناعتِ ہدیش کمالِ معنوی معلوم کرده نمی شود و خیلے بد تراش
و بداندام بنظر می آید لیکن در مرثیہ و منقبت گفتن شان و شکوہی دارد کہ محشم وقت باید گفت و
مولانا حسن کاشی اعتبار باید نمود۔ منقبت در ریختہ بہ طمطراق تمام و ساز و سامانِ مالا کلام می گوید
و بنای مرثیہ بہ عجب سوز و گداز می گذارد۔ معدنِ اندہہ است و کانِ الم۔ مخزنِ مصیبت است و
گنجینہٴ غم۔ میرا ہتمام عاشور خانہٴ جاوید خان است و بہ مراعاتِ زایران و تعزیرہ داران می پردازد۔
حرکاتش بر حسنِ معنی دلیل است گو حسن صورت نباشد۔

مسکین و حزیں و غمگین

ہر سہ برادر اند و در مرثیہ گفتن بہارت تمام دارند و در ہمہ شہر کلام آہنا شہرت دارد و در
واقع ہر سہ کس بسیار خوب مرثیہ می گویند و الفاظِ الم آور و مضامین حسرت آگین ایجاد می کنند۔
نوا سنجانِ مرثیہ را بہ خدمتِ اینہا طرفہ رجوعیست۔ مسودہٴ اشعارِ ایشان بہ تلاش بدست می آرند و در
امثال و اقران افتخار می کنند۔ طرزہای عجیب و تلاشہای غریب در فکر این عزیزان بنظر می آید۔
چون حق تعزیرہ را در کلام خود ادای کنند و خلوص و محبتِ طیبین و ظاہرین بر ہمگنان ظاہر است،
صلہ معتد بہ کہ بہ معاش وفا کند، از مکانہای معین معین دارند و فکرے غیر از فکرِ منقبت بہ خاطر نمی

رسانند۔ اعلیٰ از استماعِ مرثیہ ہائیشان^۲ بہ اربابِ تعازی می رسد کہ از روضۃ الشہداء متصور نیست
 و از وقایعِ مقتلِ ممکن نہ۔ قدر دانانِ مراتبِ الم و چاشنی گیرانِ مایہ غم امتیاز می کنند۔

ماند ایم نسیم و نشناسیم صبا
 ہر کہ آرد خبرِ دوست دل از ما ببرد

میر عبد اللہ

از تعزیه دارانِ جناب حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام است و مرثیہ ہای ندیم
 و حزن راقصی بہ آہنگہای حزن می خواند کہ بے اختیار شور از نہادِ سامعان بر می خیزد و از کثرت
 نوحہ و فریاد گوشِ فلک کرمی گردد۔ نشیدِ رقت تمہیدش در تجریدِ شیون و خلعے تمام دارد و صدای
 جان گزایش در متالم نمودن اثرِ مالا کلام۔ مصرعہ اش تمام نشدہ است کہ فقرہ مستزادِ گریہِ خلایق
 موزون است و بتیش بہ اہتمام نرسیدہ کہ بندِ ترجیعِ نوحہ با وجود تکرار سہان تازہ مضمون۔
 استادانِ موسیقی متفق اللفظ اند کہ باین خوبی مرثیہ خوانے قدم بہ عالم ایجاد نگذاشتہ و باین مواد
 نشید و باین سامان آہنگ سرے از کارخانہ تکوین بیرون نکشیدہ۔

در ماہ محرم مقدس ہمہ جا واجب الاحترام است۔ نوبتِ نبوت در تعزیه خانہ ہای مردم
 عمدہ وارد می شود و بہ تقدیم مراسم عزای پردازد و خلایق در اماکن موعودہ بر یکدیگر سبقت جست
 ہجوم می نمایند و بہ استماعِ افغانش ذخیرہِ ثوابتِ اخروی بر می دارند۔ برای خود از کثرتِ اعوان و
 انصار انبوسے دارد و از مرافقتِ جوانانِ شکیل صاحبِ جمال شکوہے۔ سوای عاشورہ ہم خانہ اش
 موردِ امارد است و اکثرے برای تحصیل و تحقیقِ مراتبِ مرثیہ خوانی آمد و رفت دارند و کلاہنت و
 قوال ہم وارد و واقع می شوند۔ نظر بہ کمالِ خود خالی از تعین نیست و بیشتر زبان بہ تعریفِ خودش
 ناطق است۔ برخے باین وضعش مطعون می دارند لیکن در کار خود یکہ و استاد است۔

شیخ سلطان

با وجودیکہ اصلش از پورب است لیکن در ادای تلفظ مثل نصمائی ہندوستان^۳ است و مرثیہ

را خیلے بآب و تاب می خوانند۔ صدایش خار اگداز است و نشیدش قیامت طراز۔ ہر چندیکہ بہ فنون مراتب موسیقی آشنائیت لیکن در سادگی پر کاربہا دارد۔ با وجود طرح ابتذال ناخن بہ دلہای زند۔ صدای او و گریہ خلایق با ہم عہد بستہ اند کہ از ہم جدا نباشند۔ بہ ہر عاشور خانہ کہ وارد می شود مردم را محزون میکند و صورت ماتم می کشد۔ حق تعالی جزای خیر دہاد۔

میر البوتراب

طرز مرثیہ خواندنش درد آمیز است و اسلوب ادایش رقت انگیز۔ چون در فن موسیقی مہارت دارد بسیار بجزہ می خواند و ارباب تعزیه را بہ اضطراب می آورد۔ قدوش در ہمہ اماکن مہترکہ واجب التعظیم است و ورودش لازم التکریم۔

مرزا ابراہیم

حزینہای صوتش جان رانی گدازد و نالہ پای درد آلودش زہرہ سامعان را آب می کند۔ مواد رقت و سامان درد از طرز مرثیہ خواندنش بہ جوش می آید و طبایع از فرط اضطراب مرتعش و بیہوش می گردد و قارش در عزا خانہ ہا باید دید و اعتبارش در کاشانہ ہای مصیبت نشانہ۔

میر درویش حسین

از تعزیه داران جناب فاس آل عبا است و در تقدیم مراسم شیون بی ہمتا۔ آہنگہای جریبہ انتخابش پیش ہمہ کس مسلم الثبوت است و ایراد را دخلے نیست۔ میر عبداللہ باین ہمہ کمال و تعین زبان را بہ تعریفش کلفشاں می کند و بعد از خود حساب می نماید و در استنباط آہنگ با میر مذکور ہمعنان است و در مقام صوت و صدا با ہم دست و گریبان۔ با سماع مرثیہ اش خلایق خیلے بہ رقت می آیند و شور و شغب از حد بلند می شود۔ از ملتزمان جاوید خان است و مشمول عنایت آن ذی شان

جانی حجام

صدای مرثیہ درد آلودش نشتر بہ دلہای زند و نوای حزین ماتم اندوش رگ قیصال

سامعان می کشاید۔ طرز خواندنش ناخن زن خاطر با است و اسلوب نشیانش خوزیز دہا۔
 پر زور یہا می اثر صوت حزینش بر سینه تعزیرہ کیشان الف می کشد و سخت گیر یہا می صدای اندوہ گنیش
 حوصلہ شیون پیشگان را حجامت می کند ہر کہ یک مرتبہ بہ استماع مرثیہ اش پرداخت تا بقیۃ العمر
 محتاج بہ فصد نیست و بہ جوشش خون آشناند۔

سابقاً معشوق امیرے بود و طرفہ حسن و جمالے داشت و طرفہ جاہ و جلالے۔ دست گاہ لکھ
 رو پیہ بہم رسانیدہ بود۔ چون سرے بہ نامی و نوش دارد ہمہ در باخت۔ حالانکہ در انتقام است
 لیکن چون خوش صحبت است و رنگینہا دارد امر ازادہ با مراعات می کند و ہمیشہ در محافل تجرع
 و رقص تکلیف می نمایند۔ خیال و جنگلہ را خوب می خواند و بہ خوشی اوقات می گذراند۔

صاحب طبع مستقیم محمد ندیم

در موزون کردن الفاظ رقت ناک و استعارات غم اندوہ سینہ چاک طرفہ دستے دارد
 و در مرثیہ ہا تضمین غریبے می کند۔ خصوصاً در تضمین مسدس و حسی کہ :

دوستان شرح پریشانی من گوش کنید

قصہ بے سرو سامانی من گوش کنید

ید بیضا دارد۔ از ہر لفظ مرثیہ اش دردمی بارد و ہر کلمہ اش خون از دیدہ می چکاند۔ ضامینے
 در ریختہ می آرد کہ فارسان مضار فارسی زمین گیر می شوند۔ شعرش چون ناشی از درد و اندوہ است
 بہ مجروشیدن طبایع را مقارن غم و الم می گرداند و بے اینکہ بہ آہنگے درست نمایند بہ رقت می
 آرد۔ در سخنش تاثیر عجبے است و در کلامش تصرف طرفہ۔



ذکر از باب طرب نعمت خان بین نواز

در ہندوستان وجودش از نعمتہای عظمیٰ است و در اختراع لغات و ایجاد شعبات
بید طولی دارد و بانایکان پیشین پہلومی زند و موجد خیالہای رنگین است۔ در چندین زبان تصانیف
دارد۔ بالفعل میر جمیع معنیان دہلی است و بمقتضای حمیت ذاتی غیر از پادشاہ بہ بیکس سرفروشی آورد۔
در عہد محمد معزالدین طرفہ ساز و برگے داشت۔ در عرسہای بزرگان حاضر می شود و خود ہم یازد ہم
می کند۔ رؤساء و اعیان شہر ہر ماہے در روز یازد ہم بہ خانہ اش ہجوم می کنند۔ ہنشا بہ کثرت می شود
کہ جا بہم نمی رسد۔ لہذا از صبح مردم سبقت می کنند و این صحبت تا سفیدہ صبح می کشد و ختم را گہس
بر سجاس می شود۔

در نواختن بین مہارستے دارد کہ شاید در عرصہ وجود بہتر ازین خلق نشدہ باشد۔

مطرب این بزیم از بس راہ دلہامی زند

دست بر طنبور و ناخن بر دلِ مامی زند

زہے بین نازنینے کہ تا بردوشش نشست ہوش از دماغ چون صدا از تار بر جست۔
کہ وہاے بیشش در نظر باریک بین چون سبواہی بادہ مستی خیز و تار ہایش ہنشا بہ رگ گردن جان
مستان را شور انگیز۔ مضراب ناخوش تا بہ ساز آشنا شود نالہ ہا چون صدای تار از دلہا جستہ اند
شعلہ صدا تا از حنجرہ بلند شود قابلہا بسان کدوتھی گردیدہ۔ شور تحسینہا بہ ہوامی پیچد و نغمہ دیگر
طرح می گردد و آہنگ آفرین بہ فلک می رسد و غلغلہ در بزیم ناہید می افگند۔ آشنایان عالم آب

برادر مجمع امکان کدوے بہ ازین بنظر نرسیده و مشتاقانِ نغمہ را آہنگے بہ از آہنگِ نعمت خان
بہ گوشِ نخورده۔

عالم آب است می گویم بہ آوازِ بلند
آشنای بادہ را باید کدو برداشتن

برادرش در تمسیدِ آلاتِ طرفِ دستے دارد و تا چہار چہار ساعت بہ چندین رنگ بہ نغماتِ
مختلف و آہنگہای شتی مترنم می شود و بہ قوتِ استعداد، اعادہ بہ اصل آہنگ می نماید۔ ہوش در
تصنیع او، از کلہ مغنیان می پرد، و این قسم صنعت و قدرت مقدور، بچکس نیست، خواندنش
بکیفیت است۔

برادرزادہ اش در نواختن سہ تار عجیب مہارتے دارد و طرزے تازہ ایجاد کردہ۔
تلاشہاییکہ از سازہای عمدہ بہ ظہور می آید از سہ تار بہ تقدیم می رسانند۔ از اعجبوہ روزگار است۔
مکرراً اتفاقِ ملاقاتہاش و صحبتہای مستوفی دست بہم داد۔ مشاراً الیہ بسیار رعایتِ خاطر منطور می
داشت و بعد از انتشار (کذا) کثرت ہم تا صبح بیک و تیرہ سرگرم ترنم می بود و فرمایشہا را قبول
می کرد و بہ الشراحِ خاطر مترنم می گردید۔

تاج خان

از قوالان است۔ نیزنگی نغماتش از عالم بخودی پیغام می داد و بسانِ فی کوچہ دارے راہ
از خود می کشاد، رنگینی نغمہ اش از آہنگِ بلبل رنگین تر و نوازش از ورقِ گل نازک تر۔ سامو در
وجد بے اختیار بود و فضولہای شوق مدعی تکرار۔ آہنگش چون خامہ بہزاد ہزار نیزنگ در بفسل و
الفاظِ صوتش با وجودِ تفصیل چندین شعبات ہمان فقرہ مجمل طبیعت قسمے احتفاظ حاصل می کرد کہ
غیر از نغمہ اش بہ ہیچ چیز ملتفت نمی گردید و بہ ماکولات و مشروبات نمی پرداخت۔ عمدتاً چندین مرتبہ بہ
امتحان رسید۔ چون مذاقش بہ چاشنی فقر و درد آشنا بود اکثرے در عین ترنم گریہ می کرد۔ غرضکہ
دیش گیر بود و اثرش در دلہا رسا۔

ہفتم ہر ماہ بہ خانہ اش مجمع می بود و اکثرے از فقرا و مشایخ کہ قدر دانِ سماع بودند،

تشریف می آوردند و جمیع قوالان معتبر حاضر می شدند و بنوبت نغمه آزمائی می کردند. به اعتقاد فقیر بر جمیع حاضرین ترجیح داشت. پسرانش جانی و غلام رسول از شرب این باده روحانی حظ وافر دارند و خلعت الصدق پدرانند و با سمد گیر اتحاد به مرتبه تمام دارند که اصلاً فرقی محسوس خیال نمی شود. چون با اینها ربط بود اکثری از صحبتها احتیاط برداشت.

باقر طنبورچی

تاریخ طنبورش رگ جان است که تا به تحریک آید دلها را ریشه می گیرد نغمه اش سوپان که دلها می گران جانان. بجز استماع خراشیده می شود حزین صدای سازش اکثری سامعان را به رقت می آرد و خودش را به وجد کاسه طنبورش از ساغر باده در چشمستان خوشنما و گردن سازش در نظر بارنگین از گردن مینا تلاتهای برجسته اش را صداهای آفرین متیا و اداهای پرداخته بے ساخته را پیام تحسین در هوای رسد. خزر طنبورش را اگر بر خزر عیسی ترجیح دهند می سنزد و نغمه اش را اگر شعبه لحن داودی تصور نمایند می زبید. در سرکار پادشاهی منتظم است و در امثال و اقران خود محترم.

حسن خان ربابی

قامتش درین فن بسان چنگ خمیده و در پختگی عمر صبح پیر میما از جیب عمرش دمیده. از غایت ضعف سرش چون تار رباب ریشه ناک و همواره در غم معیشت معین سینه اش چاک بیچاره در چنگ فلاکت گرفتار است مگر رباب الارباب به داد او رسد. در مستعدان این فن رباب نوازی مسلم الثبوت است و کمال مهارت دارد. از مشاهیر دہلی است.

غلام محمد سازنگی نواز

ترزبانی سازش سامعه نواز است و حزین آهنگ و خراشش فاراگداز. کمانچه اش در هر کشش تیرهای متواتر به جانهای رساند و مضرابش متصل ناخن به دلها می زند. مشقش در نهایت پختگی و صافی است و نوای سازش مستعان را احتیاط وافی. ارباب این فن مستثنی می دانند و به توقیرش می پردازند.

بیشتر با مشایخ مربوط است و به خیال خودش فقر دارد. صحبتش با همه اشخاص گیر است و تعریفش همه جا پذیرا۔

رحیم سین و تان سین

از نایب تان سین اند۔ رسائی استعداد ایشان بر صحت نسب گواهی می دهد؛ در واقع مخدوم زاده جمیع مغنیان اند۔ رسائی حنجره های ایشان غلغله در بزم ناهید می افکند و قدرت نغمات شان گره بر روی هوای زنده صدا بمرتبه اتنی تابع گلو که هر قدر به مدوشد پردازند زورش کمی آن ندارد و آهنگ بآئین موافق که هر چند به ترفیع صوت پردازند خارج آهنگ صورت نبندد۔ در عالم کبیت العجوبه روزگار اند و در عرصه دهر پد مبارز سپه سالار۔ آمد آمد نشیدش تعلیم حرام به سیل بهاران می کند و معاودت آهنگش به مرکز اصول یاد از تلاطم امواج دریای می دهد۔ یک مرتبه بحسب اتفاق اینها و حسین خان ڈھولک نواز که نادر العصر بود و حسن خان ربابی و گھانسی رام یکجا و جی که بنیظیر وقت خود اند، به هیئت مجموعی مجتمع بودند و هنگام ابرسم بود طرف صحبت روداد و در جنب نغمات ایشان اصلا شور و رعده مسموع نمی شد و در عمارتیکه طرح صحبت بود چینی به تخمیل می رسید که صدای اینها سقف را شکافته بر می جهد۔ مدتی مزه این صحبت متمکن خاطر بود :

یادایا میکہ عیش را یگانے داشتہم

قاسم و علی

از تلامذہ نعمت خان اند و کتاب این نعمت از ایشان کرده زلزله وانی برداشته اند۔ آثار حسن رشادت از جبین اینها لایح و نکیت قبول از شمایم صد ایشان فایح کبیت به نغمینی تمام می خوانند و سامعان را ممنون می سازند۔ در پیشگاه نعل سبحانی در امثال خود امتیاز دارند و امراء بیشتر توقیری کنند۔ چون عنفوان جوانی است و نغمه و صوت در کمال مناسبت مقبول جهور اند و دلها اثر نغمه اینها مترتب می شود۔ یک مرتبه اتفاق شنیدن شد۔ اشتیاقها مایل است لیکن بی استعدادیها حائل۔

معین الدین قوال

استادِ زمانہ است و در فنونِ قوالی بیجا، تنزیحِ لغاتش چون گلاب، گاشنِ کشمیر خارج از دایرہ شمار و توجیحِ سیلِ آہنگش چون دورِ تسلسلِ روزگار متعذرا لائحہ صار۔ آہنگش برنگِ خامہ بہر زاد نغمہ را بر صفو ہوا تصویر می کشد، غزالِ برجستہ صد را بہ دامِ نفس در تسخیر می آرد۔ تر ویدِ غنا و البستہ گلوی اوست و تجدیدِ نوا شیفۃِ آرزوی اور قصہ مختصر صافی بہ ازین سامعہ را در عالم امکان نیست۔ خدا گوش شنوا نصیب گرداند۔

برہانی قوال

مطلق عنانہای تفرش در عالم موسیقی شنیدنی است و آہنگِ لغاتش برای ضیافتِ سامعہ دوستان تمنا کردنی۔ مشقتش از پختگی آن طرف ناز رسدہ و در ہمین فن صبحِ پیری از مطلعِ عمرش دیدہ۔

باشاہ کمال کہ سردقتر اربابِ وجد و حال اند، طرفہ ربطی است۔ روز شنبہ مجلس انعقاد دستاویز عجیبہ جهتِ تواجد بہ دستِ متصوفہ می آید۔

یک مرتبہ این صحبت دست بہم دادہ بود و در محفل ہمین چہلڈب طہاڑی وارد شدہ بود کہ در جنبِ صولتِ صدائیش آوازہ کرنامی انفعال می کشید و بہ شدتِ آہنگِ خارجِ آہنگش موبراعضنای حاضران قیام می نمود و بہ بابِ حال مواجد بودند و نزوف نمی کردند۔

برہانی امیرخانی

آہنگش باعتدال است و صدائش متوسط۔ بہ مذاقِ امیرخان ترنئے دار و در ادای لغات خیلے تمکین بہ کاری برد و سامعان را منتظر می دارد۔

رحیم خان جہانی

از منتسبانِ سرکار امیرخان است۔ خیال را بجزہ می خواند و تلاشہا بہ کاری برد۔ شنیدنی

است۔

شجاعت خان

نسبتش بہ کلاونتہای عمدہ اعلیٰ حضرت می رسد۔ در کبیت دعوی دارد لیکن اثر وی^ہ در دہلی نیست۔ وضعش متصدیانہ است و دستار را بہ ترتیب و تقطیع می بندد و التزام سرپیچ دارد۔ چشمش ہمیشہ بہ سرمہ آشنا است لیکن ما بے بصران اورا منظور نمی دانیم۔

ابراہیم خان کلاونت

یک مرتبہ در مجمع اتفاق شنیدن شد۔ سامعہ آنقدر محفوظ نگردید کہ اعادہ صحبت بخاطر بگذرد مثل میز بود لیکن برنہ ہندوستان زاہا معترف بودند۔

در وقتے از شاہیر دہلی بودند۔ الحال چون دہلی کہنہ اعتبار سے نہ داشتند۔ قدامت را بہ صحبت اینہا شغفے بود لیکن جوانان این عصر اعتبار کمال آنہا نمی کردند۔ احترامشان در امثال و اقربان بہمان وتیرہ بود۔

بولے خان کلاونت

از ملازمان پادشاہی است و در جرگہ ناظران شاہی اعتبار دارد و خواندش قدامت

است۔

گھانسی رام پکھاوجی

در فن خود مہارت مالا کلام دارد۔ اگر سازش را بجای چرم از گلبرگ ترتیب دہند، بجاست کہ حرکات دستش چون برگ گل بر روی ہوا خرام دارد۔ گردش انا ملہا در کمال نازکی چون طپش نسیم

در نہایت آرمیدگی است و جنبش اصابع از فرط ملایمی بزرگ اندیشہ ذوی العقول در عین
ہمواری و سنجیدگی۔

حسین خان ڈھولک نواز

نادرہ روزگار و اعجوبہ اعصار است۔ رتبہ نواختن ڈھولک را بہ درجہ اقصی رسانیدہ
کہ زیادہ ازین متصور نیست۔ اہل ہند متفق اند کہ بہ ازین ڈھولک نواز از سر زمین دہلی
نشوونما نکرده۔ در مجمعے بآئین تفاخر نقل می کرد کہ اگر تاشش ماہ در یک مجمع صحبتہا امتداد
کشد می توان ڈھولک را در ہر رگ بہ طریق شتی نواخت کہ شایبہ ابتذال در آن نباشد و
حاضرین تصدیق این معنی می کردند۔ در واقع ید بیضا داشت۔ اگر قرص آفتاب و ماہتاب
را بجای چنبرہ اش استعمال نمایند می سزد و اگر انابل اورا کہ در سرعت سیر گرداز شوخی نگاہ
می برد، بہ جواہر گرانبایہ تر صیغ نمایند می سزد۔ بی اندیشہ بہ تشخیص می پرداخت کہ تبدیل گت
می کرد و بانابل رجوع تفہیم می کرد و رنگ دیگر بر روی کار می آورد۔ زبانہا صرف تحسین بود و
بیانہا وقف آفرین۔

تہنہا کہ از جملہ تلامذہ اوست بہ لیاقت خلفیت امتیاز دار و از طرز متدل ترکناز است۔
ہر چندیکہ باونمی رسد چون بہتر از و در دہلی نیست نعم البدل می انگارند۔

شہباز و ہمدھی نواز

پدرش در سرکار اعظم خان توکر بود و ہمین ساز را می نواخت۔ بالفعل در تمام دہلی نظرش
نیست۔ صنایعے بکار می برد کہ از پکھاوج و ڈھولک امکان ندارد و بہ تبعیت خوانندہ ہر راگے
کہ و قتش باشد در ساز خودی نواز دچنانکہ آہنگش مفہوم مستمان می شود۔ اگرچہ بیشتر طبیعت در
قبول این امر انکار محض داشت لیکن بعد از حصول صحبت اصحت روایت بہ تصدیق انجامید۔

آقدا نام درویش سبوحہ نواز شاہ نواز

اعمی مادر زاد است۔ در نواختن سبوحہ قسمے تصرفات بکار می برد کہ از ناصیہ پکھاوجی و

ڈھولک نواز عرقِ خجالت می چکد، و شیشہ حوصلہ از چاکدستیہ پایش تن بہ شکستن می دید معاشران
 بہ توقیر تمام سواری بہ تکیہ اش فرستادہ می طلبند و صحبتہا می دارند و سازنے اختراع کردہ کہ
 جامع چندین ساز است۔ ہم صدای ڈھولک دارد و ہم پچھاوج و در ضمنش صدای طنبور برمی آید
 ہر چندیکہ بھندارد لیکن بصیرت دارد۔

نابینای دیگر بنظر آمد کہ شکم را موافق قانون و اصول ڈھولک و پچھاوج می نواخت و
 تلاشہای نازک بہ ظہور می رسانید۔ اکثرے از طوائف بہ دستگیری ساز شکمش رقص می کردند
 و فتورے در ارکان اصول راہ نمی یافت۔ شکمش از کثرت ضرب چون بختش سیاہ شدہ بود۔

تقی

از عمدہ ہائی بھگت بازان است و سرخیل جمع شعبہ طرازان ہندوستان۔ از
 منظور ان جناب سلطانی است و باریاب سرای خلوتخانہ فاقانی۔ امرای عظیم الشان بہ کمال توقیر
 دعوت می کنند و خواہان صحبتش می باشند۔ سامان بھگت از اقمشہ و اسلو، مناسب رسم ہر دیار و
 ہر فرقہ، در کارخانہ اش موجود و مہتیا و اسباب ہزار رنگ تماشا بفرخو رصنعت او در کیسہ استعدادش
 آمادہ و پیدا۔ اما در متعدد چون گلہای زنگارنگ در گلشن کارگاہش حاضر و سبز ان عنبر ملیحی برنگ
 ریاحین نورس در چین زار اکھاڑہ اش مستعد۔ یک طرف فرقہ نوخطان بہ صید دل نظارگیان دام
 گرفتاری در زیر سبزہ پنهان می کنند و بیک سمت جرگہ خوش نگاہان بہ تیر غمزہ دلدوز تماشاگیان
 را بچیری فرمایند۔ صیغانش یکسر خمیرمایہ سفیدہ صبح فطرت و لیسانش یکقلم نمک مایہ نعمت خاز
 قدرت۔ خانہ اش جلوہ گاہ پر نیخانہ است و کاشانہ اش رشک آئینہ خانہ بیچ و تاب میان نازک
 کمران، برگ گل رابتاب می آرد و سلسلہ زلف مشک مویان نبض سنبل را در اضطراب ہی قدان
 از خرام نازنین در اندازہ نشخرد لہاوسہ چشمان با یامی چشم سمنگو چون پیام جانہا۔ ہر جا مردے از حلا
 مردی عاقل می شود چشم آرزویش روشن است و ہر کجا طفلے ملایم واقع شود، خانہ تنالیش
 رشک گلشن۔ قبلہ حیزان ہر صنف است کہ نسبت کمال را بدو منستی می گردانند و رب النوع
 مخنثان ہر نوع است کہ بہ اضافت بیعت ادکلاہ تغاخر می افزازند۔ سخن مختصر، رئیس المثنین

عطائی عدیم المثال شاہ دانیال المعروف بہ سرخی

طوطی ناطقہ اش باوجود نواسخی بسان بلبل ہزار داستان بہ چندین زبان آشنا است و در نقالی و لطیفہ گوئی بہ اسلوب نڈمادر عالم مصاحبت بے ہمتا۔ از کثرت مشق و فرط اختلاط بہ ارباب موسیقی، در کبت و خیال و غیر اقسام این فن مہارت خاصی دارد۔ چنانچہ ماہران این پیشہ تو قیرش می کنند و چون درین حالت خود را بہ فقیری منسوب می کنند و آبا و اجداد خود را مشایخ می گیرند، رعایت حرمتش واجب می دانند۔ خواندنش خیلے بہ بختگی و رنگینی است۔ در حقیقت باب مجلس اکابر است، و در نشیدہای قدما نشید صوفی فریب ماہر باہزار عالم یک نمونہ دارد و باین تقریب ساز و برگ معیشت فراہم می آرد۔

در جمیع محافل دخیل است و در ہمہ مجامع دلیل، با امر ازادہ ہای شہر مربوط است و چون مرد متحمل و خوشگواست عقد صحبتش در ہمہ جا منوط بہر جا کہ وارد شد و طرفے از جلب منفعت متصور گردید از منتہان است و شہید طعامہای الوان۔ در جنب اشتہائی صافش جوع البقر انفعال می کشد و بملاحظہ خوردنش طبایع از کیا معنی می گردد۔ در اکل طعام طرفہ مکتے دارد و در خواہش حقہ عجب اضطرابے۔ خوابیدنش خالی از دہشتے نیست و صبح برخاستن و تنخج در متوضی کردن ہم بے وحشتے نہ۔ با اینہمہ نظر بہ رنگینی و صحبت داریش مراعاتہا بہ عمل می آید و طبیعتہا مجوز مفارقت نمی گردد۔ قابل مجلس است و لایق محفل۔

ذکر خواصی و الوٹھا

از نقالان معتبر دہلی اند و در سرکار پادشاہی منسلک و منتظم۔ در انشای مضامین رنگین نشاط آور مستثنی اند و در گذارش نقول تازہ ایجاد بے ہمتا۔ خواندن خیال و رقص ہم عالمے دارد۔ در مفلکہ اجتماع طوائف باشد نشہ رنگینی اینہا و وبالاست و دماغ تقریر شان اوج گرا۔ سبزہ و مزہ ہم از نو نہالان ہمین چمن اند و نو باوگان ہمین گلشن۔ در رقصہا قیامت طرانہ

و در ادب سراپا اعجاز در شوخی و شنگی باب اختلاط، و برای مناومت قابل ارتباط. کاکلہای
رسایشان چون عمر دراز خوشناتر و دنباله چشم سیایشان از بند نگاه ہم رساتر. قد ایشان موزون و
گفتگوایشان ہمہ خوش مضمون۔

بہ ہر طرف کہ نگہ می کنم تماشا ایست
خدا کند کہ فلک فرصتے دہد مارا

ذکر باری نقال

قلم را از پر طوطی ایجاد باید کرد تا تعریف سبزہ خطش، کہ بیکلم خط نسخ بر صفحہ ریاحین می کشد
شروع نماید و زنگار را بجای مرکب استعمال باید نمود تا سطرے از کیفیتهای حسن سبزش بہ تحریر
تواند رسید۔

حسن سبز، آفت جان بود، نمی دانستم

دام در سبزہ نہان بود، نمی دانستم

شکوہ حسن نہ بمرتبه ایکہ نگاہ بے محابا مقابلش تواند گردید، و صفای رنگ نہ بدرجہ ایکہ نظر
در حوالی آن جا تواند گرفت۔ اندازہ خرامش بزنگ شاخ گل از نسیم بہار در خم و خم و عشوہ نکاشش
لسان جلوہ پریزادان خیال در رسم۔ ہر سیکہ دو چارش شد چون پری زدہ مدہوش است و ہر کہ
در کنارش راہ یافت تا بقیۃ العمر حسرت آغوش۔ سبزہ بہار در جنب سبزہ حسنش چون سوی خمیر کند،
است و گلدستہ چمن در مقابل طلعتش زمین گیر۔

خونی حسن و خوبی آواز ببرد ہر یکے بہ تنہا دل

چون شود جمع ہر دو در یکجا کار صاحب دلان شود مشکل

ہمگی طایفہ اش موزون است و نقالانش سراپا خوش مضمون۔ دوسہ نونہال دیگر ہم درین

چمن استعداد کشیدن اند۔ فلک حاسد فرصت نظارہ کرامت فرماید۔

ذکر معشوقہ ابوالحسن خان پسر شریف خان

خمیر بایہ فطرتش ناشی از تمکین است و مزاج سراپا ابہتہاج چون صحن گلشن رنگین۔

ادای هر خرفش منقّی به خاطر بائی گذاشت و بهار تبسمش به طرح یک گلشن بهمت می گماشت تکلم
سنجیده اش از عالم تمانت و وقار و روزمره صافش جہلے مستنبط از حسن گفتار خواندنش در نہایت
خوبی و دلربائی و رقصش در کمال خوش آیندگی و رعنائی.

ورودش در کاشانه میان محمد ماه غفرک اتفاق بود ارباب محفل آن همه احتفاظ برداشتند
که تا حال هر گاه ذکرش بر می آید در حسرت تجدید صحبت او ز مزه سنج تأسف می شوند کتب و یک
خیال در سوره مسموع گردیده که اگر همه عمر اعاده اش نمایند طبیعت راسیری ممکن نیست و استغنا
منتصور نہ صحبتش چون تجلی برقی بود که تکرار صورت نیست.

ذکر جفا قوال

زیب مجامع ارباب وجد و حال و شمع محفل صوفیہ تواجد اشتمال نصوص قرآنی که مشتعل بروحیت
وجود است به آہنگهای حزین می خواند و متصوف را لبان مرغ نیم بسمل مضطرب می گرداند اقوال مشایخ
سلف آنقدر مستحضر که اگر به ترتیب کتاب سلوک پردازد گنجایش دارد و اشعار شعرای صوفیہ آنهمه از
بر که اگر به قید تعیین آرد سفینہ مجسم کہ منتخب و مستنبط جمیع دواوین قدیم باشد می تواند ساخت
وجد و حال فقرا و فروغ نغمه های اوست و اضطراب دلها متعلق ساز و نوای او و ممدوح جمیع
مشایخ کبر است و محبوبی همگی فقرا.

در خانقاه شاه باسط که برادر زاده مصمصام الدولہ اند و خود را در فقر و محسوب می کنند در ہر ہفتہ
روز یکشنبہ صحبت خاصے منعقد می گردد و فقرا و اغنیاء و ارباب تا شاہ ہجوم می کنند و ہمہ روز سماع
مستوفی دست بہم می دهند و از کثرت اشخاص حسین خانہ ایشان مثل پر نیانہ می شود چون جفا از
ملازمان ایشان است بلکه از تربیت یافتگان ہموارہ ملتزم این انجمن فیض نشان است و اکثر
به تصانیف ایشان کہ در فن قوالی طرفہ مہارت دارند رطب اللسان خصوصیات این محافل وجدانی
است نہ بیانی - مصرعہ :

قلم اینبار رسید و سر بشکت

ذکر رحیم خاں و دولت خاں و گیان خاں و ہدو

اولاً دلیل کمال اینہا اینست کہ از اخلاف کولہ و سوادہ اند کہ شہرت خوانندگی ایشان از فرط وضوح محتاج بیان نیست و در واقع این ہر چہاں برادر در خواندن خیال نظیر ندارند و باین نازکی و باین پرواز می خوانند کہ طبیعت سامع بے اختیار بلند می شود و بہ اعتبار کمال تعین دارند، خصوص دولت خاں کہ نازک مزاجیہای معشوقانہ او قیامت می کند۔

بیت و پنجم ہر ماہ در خانہ اینہا مجمع است۔ جمیع قوالان و ارباب غنا مجتمع گردیدہ داد خوش نوائی می دهند و چون آن ہنگامہ محضر ارباب کمال است، سند بختگی حاصل می کنند، بعد فراغ دیگران نوبت باینہا می رسد۔ خیال انتظار کش باید گردید تا دولت خاں زبان را بہ زمزمہ آشنا گرداند۔ چون صدایش باریک است و کثرت خلایق مردم بہ تلاش تقرب او طرفہ سعیہا بکاری بزند تا سامعہ تند نباشد احتمال شنیدن نیست۔ بیشتر مردم بہ تبعیت اشخاص محفل، لفظ تحسین استعمال می کنند و محروم نمانند۔

و رحیم خاں کہ در سادگی پرکاری دارد، شش در کمال بختگی و خوش ادائی است و آہنگش در نہایت خاطر فریبی و دلربائی۔ امر او بہ اشتیاق و بہ تلاش آنہا را منتظم سرکار خود باری کہند و دست بدست می برند و حرکات ناملاہم اینہا کہ از افراط دادن شراب سرزومی شود، متحمل می شوند۔ چون چشم سیاہ مست خوبان ہمہ روز مخمور می باشند و غیر از گفتگوی مینا و جام حرفہ ندارند۔ گیان خاں و ہدو کہ برادران خورداند، اینہا نیز در عالم خود تلاشہا دارند و از اہل مجلس زلہ آفرین بر می دارند۔ جمیع مشاہیر دہلی درین ہنگامہ حاضر می شوند و عرص کمال می دهند۔ مجمع خاطر خواہے است و صحبت دلچسپے۔

الہ بندی

امردیست مخطط مشتمل بر تناسب اعضا۔ ترکیبش شبہا بسیار خوب می نماید۔ پدرش از مشاہیر قوالان بود۔ خودش ہم خیال را بزمہ می خواند و رنگینی بکاری برد۔ منظور نظر با است و مقصود ^{ظاہر} _{مقصود}

ربی

یک امر وسیع نامیست بگوش در نهایت نازکی پہلو بہ صدای تاریکی زند و از شرط تناسب متمیز نمی شود تا قوت متمیزه درست نباشد فرق از صدای تار سازش کردن متعذر است و بہ خیالهای مروجہ دہلی کہ متصف بہ سدا رنگ است، زبانش آشناست و ناطقہ اش باین سلوب مرغوب زمزمہ پیرا۔

امر و ہنگامہ پیرامیاں ہینگا

رنگش چینی است و لباسش یاسینی۔ در پیشگاہ قلعہ دار الخلافہ ہر روز بزم آراست و بہ مدعای تماشا بیان ہنگامہ پیرا۔ بہ ملاحظہ رقص او، اشخاص معتبرہ تمہید سیر چوک می کنند و بہ مشاہدہ حسن او، تقریب اتباع نفایس و نوادر بر روی کاری آزند۔ و بے تکلف مشتریان خود بلا شایبہ شصت، در اطراف مجمع او سوار اسپان بادیا گشتہ صنع الہی رامعاینہ می نمایند۔ حلقہ اخیال و ہجوم خیول در جوانب این سیرگاہ متعذرا لاخصار است، و کثرت خلایق از قایمین و قاعدین در دور این تماشا کردہ خارج از دایرہ شمارہ امور ضروری ابتیاعی را مردم موقوف کردہ مشغول تفریح می شوند و وجہ خرید و نقد فرصت را از کف دادہ خاین و خاسر بہ خانہ می روند۔

ادابای خرامش خانہ بر انداز عالمی است و التفاتہای مخصوصش تاراج کن مردے، صباحت رنگش از ملاحظت باج می گیرد و سبزہ خطش از سبزان چین خراج۔ از سفید پوشیہا بہ مشابہ خوشنما است کہ گویا در عین شام صبح دمیدہ یا گل چاندنی است کہ در فضای چین بے اختیار بالیدہ تا غروب آفتاب جلوہ گرہا کردہ مبلغ معتدلاً بہ تحصیل می نماید و راہ خانہ می گیرد و ہر خرید کہ اعزہ تکلیف می نمایند بہ خانہ کسے اقدام نمی نماید۔ ہر کہ شیفتہ او باشد می باید بہ خانہ اشش برود و احتفاظ وافی بردارد۔

سلطانہ

امروست بمرزنگ، در سن دوازده سالگی۔ در رقص طرفہ ادا ہا و شوخیہا دارد و

سحر کار یہاں خواندش عالی را مفتون و خلقے را مجنون کرده۔ درین عمر قسے تحصیل علم موسیقی کرده کہ مزیدی بر آن متصور نباشد۔ در غنچگی پہلو بہ گلہای شگفتہ می زند و با وجودیکہ پر تو چراغے بیش نیست دعوی ہمسری آفتاب دارد۔ سامعہ از کم وسعتہای خود در حسرت است و باصرہ از کم ظرفیہای نگاہ در خجلت۔

شبے صاحبے از صاحبان ما بزم آرا بود۔ صحبت مستوفی دست داد و ہمہ شب بہ عشرت و انبساط گذشت۔ خار خار حسرت اعادہ صحبتش در دلہای یاران باقی است۔ شوق تحریکے می خواہد در گاہی نام زنگولہ نوازے ہمراہش بود، مراحل امردی را قطع کرده۔ چون تعینے از مزاجش محسوس نمی گردید تا بل بہ تفتیش پرداخت۔ معلوم گردید کہ در نواختن زنگولہ و رقص نظیر ندارد۔ ہر چند یکہ ہیتش مقتضی حرکات رقص نبود لیکن طبیعت برین آمد کہ عیارش بہ محک امتحان رسد، مامور کردند۔ در واقع استغنا و تعینش بجا بود۔ بجز تہیہ رقص حیرتہا دست داد و ہمہ تن چشم گردید۔ گاہے در عین رقص صدا از یک زنگ برمی آورد، گاہے از دو و گاہے از ہمہ۔ غرض طرفہ قدرتی و عجب شقے داشت۔ شور تحسینہا بر صدای زنگولہ اش چربید و صدای بہ بہ آفرینہا اصول را معطل کرد۔ وہمین قسم مورچنگ نوازے در ہمین طایفہ معاینہ گردید کہ ہمتا نہ داشت و برگ کاه را در بان گرفتہ مثل بلبل داستان سر شروع بہ نوا سنجی کرد و بہ ہزار زبان گویا گردید۔ بے تکلف از نوای او چیچہ بلبل داستان سر ہیچ فرق کردہ نمی شد۔ منطق الطیر مجسم بہ مشاہدہ رسید۔

سرس روپ

بہ مشاہدہ حرکات دلفریب چشم تمنا روشن و بہ اندیشہ خرامش صفو خاطر بار شک گلشن۔ نسایم آہنگش بہار آفرین و شایم نغمہ اش عطر آگین۔ رقصش در نہایت رنگینی و محبوبی و خواندش در اقصای مرتبہ دلچسپی و مرغوبی۔ منتخب ارباب جاہ و جلال است و مستحسن اصحاب وجد و حال۔ شعشہ حسنش نظر را خیرہ می کند و تصور لمعہ جلوہ اش عقل را تیرہ۔ دریافت صحبتش بے وسیلہ تعارف متعذر است و نیل ملاقاتش بے تقدیم تواضعات مناسب متعسر۔ تعالی شانہ یہ خاطر خواہے بہ ارباب ذوق نصیب گرداند و دست شوق بہ دامان تمنا رساند۔

نورِ حلیقہ خوش ادائی خمریہ روشتائی، نوربائی

از ڈومنی ہای دہلی است۔ رفعتِ شانِش بمرتبہ ایکہ امراد بہ دیدنش التجار دارند و برنخے
 بہ خانہ اش می روند۔ خانہ اش چون خانہ اربابِ دول سامانِ ہزار رنگ تجلی دربار و
 کوکبہ سواری بزرگ سواری عمدہ ہا پر از چاوش و چویدارہ بیشتر سواریش سواری نیل
 است۔ در خانہ عمدہ ہاکہ وارد می شود یک رقم جو اہر رونما تو وضع می کنند و مبلغی معتد بہ
 بخانہ اش می فرستند کہ قبولِ دعوت می کند۔ رخصتانہ را از ہمین قیاس باید کرد۔ مزہ صحبتش
 بہ مذاقیکہ آشنا شد باعث خانہ خرابی است و نشہ آشنائیش بہ ہر دماغیکہ سرایت کرد، چون
 گرد باد در کشاکش بیابانی۔ عالمے بضاعتہا را در سر این کار کرد و خلقے سرمایہ ہا را بہ غارت این
 ستمگر داد۔ صحبتش تا کیسہ رُست، گیر است، و انفتش تا نقد باقی است، پذیرا۔ تمکینش با تمکین
 گوہر ہم تر از دوا آب و رنگش با آب و رنگ گلشن ہم پہلو۔ سخن ہم بے نظیر است و نکتہ دان خوش
 تقریر۔ صفای روز مزہ اش سامعہ را در بوسے بہار غوطہ می دہد و ادای محاورہ اش زبانہا از
 گلبرگ می تراشد۔

مصاحبے باین رنگینی اگر نصیب شود مفتِ آرزو است و سہدے باین شوخی اگر
 دست دہد ہر چہ باشد ہمہ از ذمہ مراعات مجلس و ادب بمرتبہ ایکہ چندین ادیب می باید تعلیم
 گیرند و پاسِ خاطر جمیع حضارِ محفل بمشاہدہ ایکہ صاحبانِ تہذیبِ اخلاق می باید تلقین پذیرند۔
 خواندش خالی از مزہ نیست۔ مستحسنِ اربابِ موسیقی است۔ جنگلہ را کہ بالفعل راجع الوقتِ دہلی
 است، خوب مشق کردہ، بموافقتِ جمعے از نسوان کہ ہر یک بیگم و خانم نام دارد، بزم آرامی شود
 و برای رعایت ہر کدام سفارشہا می کند۔ چون خاطرش ہمہ جاعزیز است ہر چہ می گوید متعلق بہ
 قبول می شود۔ الحاصل دیدنی است نہ شنیدنی۔ فقیر یک مرتبہ استفادہ صحبتش کردہ۔

چمنی

از شاہیر دہلی است و پادشاہ رس و بمقتضای کسب کمالِ موسیقی کہ پہلو بہ صاحب کمالان

عصری زندہ ہمہ جامع و محترم و صحبتش بدون بدل لایق از ممتنعات۔ سوای این، کمال خوش صحبت و خوش روزمرہ است و سخن در نہایت پختگی می گوید۔ چون از بہار جوانیش تباہشیر صبح پیری گل کردہ، غیر از نیکہ کسے صرف بہ شنیدن سرود شوقے داشته باشد، میل نمی کنند پادشاہ ہم گاہے گاہے یاد می فرمایند و التفات می کنند۔

نغمہ اش طایر ہوش را بہ پرواز و دواعی سر می دهد و آہنگش آب رفتہ آرزو را باز بہ جوی می آرد۔ در ترانہ سخی زبانش از مقررین گوی سبقت برده۔ اکثرے معاصران او اعتراف بہ کمالش دارند۔

خالی از اہلیت نیست۔ مراعات آشنائی می کند۔ یک شبے در خانہ اش اتفاق صحبت افتاد تا صبح صحبتہا کوک بود۔

ادبیکم

در دہلی مشہور و معروف اند کہ پایجامہ نمی پوشند و بدن اسفل را بہ رنگ آمیز بہای خامہ نقاش بہ اسلوب قطع پایجامہ رنگین می کنند۔ بے شایبہ تفاوت گل و برگ کہ در تھان کمناب بندرومی می باشد، بقلم می کشند و در محافل امرامی روند۔ ہرگز امتیاز از پایجامہ و این رنگ کردہ نمی شود تا پردہ از کارش نیفتد ہم بچکس بہ کتہ صنعت آنها نمی رسد۔ چون خالی از ندرت و غرابت نیست، مرغوب دلہا اند۔

پہنائی فیل سوار

از مشاہیر رقاصان و رئیس طایفہ داران است۔ چو بہاران نوکراند۔ با امرابائین ہمچنان ارتباط است۔ رقعہ ہا در سفارش می نویسند و اینہا قبول می کنند۔ سابق با اعتماد الدولہ ربط خلصے بود و ایشان بہ خانہ او می رفتند۔ یک مرتبہ بہ رسم نواضع، آلات و ادوات تجرّع کہ عبارت از گلابی و پیالہ ہا وغیرہ باشد، گذرانیدہ بود۔ چون ہمہ اش ترصیع داشت ہفتاد ہزار روپیہ قیمت گشت۔ قبس من ہذا علی التمول۔

خوشحالی رام جتی

از ملازمان سرکارِ اعتماد الدولہ است۔ طرفہ شانے دارد و عجب تعینے۔ در مجلسے کہ قص
می کرد و اکثرے از اعیانِ شہر مجتمع بودند، بیچکس را در نظرش وقعتے نبود و از فرط استغنا بہ، بیچ
التفاتے و خطابے نمی کرد و خواندنش بسیار رنگین و حرکاتش در نہایت تمکین بود۔

آسا پورا

از رام جتی ہا است و از شہرت کمال در ہمہ محافل محترم است و پیش جمیع نغمہ سنجان
مکرم۔ کبیت خوانیش بقاعدہ کلاوتہای قدیم در نہایت مضبوطی و زیر و بمش بقانون استادان
باقصی غایت مربوطی۔ نغمہ اش در ہمہ حال سر سبز و آہنگش در ہمہ جا رو سپید۔ بسبب رسائی سن اند
از دلہای معاشران یکسو است لیکن بہ چشم قدر دان نغمہ باید دید کہ چقدر در نظر آہا وقعتے دارد
حرمت طلب است و مستحق حرمت، خوابان عزت است و شالیستہ عزت۔

چک مک وھانی

در بہار جوانیہا طرہ شوخی داشت۔ مطبوع جمہور بود۔ پادشاہ جم جاہ فریفتگی داشتند
چک مک خطاب دادہ بودند۔ الحال کہ قدم در شیب گذاشتہ، اعتبارش رو بہ نشیب است۔
در آہنگش سامعہ پرور و شور نغمہ اش جنون آور۔ مبلغا صرف تو اضعش می کردند تا شبے میسری
آمد و زربہ سبیل را ہش می نمودند تا راہ مدعا و امی شد۔ حالہم حصول صحبتش بے تو اضع مستونی
متغذراست و رابطہ ہای آشنائیش بے سماجتہای رسا متعسر۔

کالی گنگا

از معتبرہ رقاصان است و از فرقہ احترام کیشان۔ سیہ نامیش چون غالب گلرخان زیب
افزا است و چون سواد دیدہ سیہ چشمان مردمک آرا۔ تمکینش بمرتبہ ایکہ سخن بہ ہزار پیچ و تاب

به زبان آشنائی گردد و خرامش بتدریجی که تا قدم به دایره مجلس گذارد، اضطراب به دلها را می یابد.
خواندنش سر مشق نغمه سنجان است و در قصش دستور العمل چابک خرامان خالی از تعین نیست و می سوزد.
ساجتنباهی طلبد و می کند.

زینت و بهی

خوش ادایبهایش در تهیج مواد باه و خیل و نازک اندامیهایش همچان شهوت را کفیل نغمه
اش پیام حلاوت می رساند و آنگش منته بر سامو می گذارد. نغمات را گش با صافی چهره او هم رنگ و
آنگش به صفای رنگ او هم سنگ. طبایع لطیف را نظر بملاحظه لطفش میل طبیعی و امزجه نظیف را
نگاه به مشاهده نظافتش خواهش فطری. قصش غیر از خرامش بیش نیست و به دل نزدیک تر است و
تعینش در قبول هم آغوشیها بجان است و خوش آینه تر. هر شب رولیف آغوش حریفی است و
هر روز همدوش ظریفی. و از هجوم استدعا سر رشته قبول صحبت گم است، کاش از سوراخ سر بدر می
آورد، و از کثرت تکالیف قافی و قتش تنگ است، کاش چیزی دیگر می بود. خانه اش بدوش یاران
است و دعوی خانه بدوشی او را مسلم، و کاشانه اش در بغل معاشران است و ادعای بغل گیری با و
مناسب و مغتنم.

می کشندش چو قدح دست بدست
می برندش چو سبودوش بدوشش

گلاب

از خواندنش رایحه گلاب به مشام می خورد و از ملاحظه حرکات رنگینش کیفیت شاد
دست می دهد. پختگیهای و صنعش مطبوع و حاضر جوابش پیش همه کس منظور و مسموع. نکته منہم
است و سخندان، خوش نغمه است و مسلم نغمه سنجان.

محو کدام آینه سیما شود کس
آینه خانه البت دو عالم ز روی دست

رمضانی

خیالش چون صبح عید رمضان، زنگ از دل‌های بر در و نغمه اش در سوادِ خاطر معاشران
اشرا دارد. در محفلی که وارد می شود حکم عیدگاه بهم می رساند و به مجمع که ورودش واقع می گردد رسم
تهنیت بعمل می آید. و اله صحبت قدر دان است و شایق ادایم نکته دان بنش مانع گرم اختلاطی
است، هوس پیش پامی خورد و کولتتش باعث خودداری، پهلو از تکلف خالی می کند.

رحمان بابی

از دهنهای زاده با است. سیاهی رنگش بمنزله تصویر سیاه قلمی منظور صاحب نظران و
رسانی آهنگش بمنزله بشارت فضا و باعث تحریک رگ جان. غالب روی استعداد است و سرمه چشم
ایجاد اتحاد و چون شام کشمیر در نظر با خوشنما و سیاهی لونش چون سیاهی آب حیات در مردکها
روح افزا. سکناش شوخی آمیز و حرکاتش فتنه انگیز. به هر محفل که وارد می شود، خود را از تکلف
می دزد و از دستبرد هوس محفوظ بدر می جهد. می گویند نامه اش سر بسته است و مهرش ناشکسته؛
خطش نه کرده مانی، نه نقش بهزاد است
که این سیاه قلم کار چوب استاد است

پنابانی

از تلامذه مخصوص نعمت خان است و باین زبان او غزل خوان. اگر قلم زهره به تحریر
و صفش مختصر شود، می سزد که سر سبزی بهار آهنگ و البته صدای اوست و تریاق مار گزیده های
فراق ساز و نوای او. استقامت اوج گرایه های نغمه اش بمرتبه ای که تا نفس بلند شد در صین
نشید نغمه صدایش بسان تار شعاعی آفتاب به آسمان می پیوندد و قدرت موشگافیه های انداز
تصرفاتش بمنزله ای که تا فهم سلیم ادراک نماید، گره بر تار هواجی بندد. آهنگ رسایش بسان اندیشه
ذوی العقول نلک پیما و نغمه بلندش برنگ فکر منجم اوج گرا. تقریر پذیرش سند معاشرت

پیشگان و تمیید گفتگویش دستور العمل عشرت طرازان۔ در ضمن ہر سخن لطیفہ رنگینے مضمون و در ادای ہر حرف طبیعت خاصے مدغم و مستتر۔ حسن ادائیش از حسن دیگران چسپان تر است و لطف مقالش از غنچ و دلال این و آن خوش آئینہ تر، سامعہ کہ آشنای آہنگش گردید از مسموعات دیگر مستعفی است و ذائقہ کہ متلذذ بہ نغمای نغماتش گشت از چاشنی نوای دیگران منزوی۔ مقدس در ہمہ جا اعزاز اکتساب است و خواندنش در ہمہ حال عشرت اقتساب۔

طوطی شاخسار خوش نوای کمال بانی

عافی مشقش در موسیقی چون نامش باقصی عنایت کمال است و تربیش در رقص خوش ادائی بہ کمال عظمت و جلال۔ مدتے در محل بادشاہ بزم آرا بود و در حلقہ نوای سنجی سخن سرا۔ درین و لاکہ از سانحہ نادر شاہی مزاج پادشاہ دین پناہ از استماع ساز و نوا انحراف و رزیدہ و نغمہ ارباب لغتہ یک قلم متروک و موقوف گردیدہ، باین تقریب صحبتش میسر آمد، والا از ممتنعات عقلی بود، خواندنش موافق ضوابط کلاوت بچی با است۔ بسیار بہ رنگینی و حزینی می خواند، و سامع را بہ دایرہ تواجد می نشانند۔

بیشتر خیال نعمت خان کہ منسوب بہ پادشاہ غازی است، استعمال می نماید و ابواب انبساط بر روی مشتاقان می کشاید۔ بمثابة مشاق کہ اگر تکلیف صحبت روز و شب نمایند، چون بلبلس بہار غزلخوان است، و برنگ قطعہ چمن از ترزبانی خود گل نشان۔ عالی از تمکین و ادانیت۔ از شوخیہا آشنا است و باعتبار آداب و آئین در امثال و اقران مستثنی۔ ہر کہ طلبید خط مستونی برداشت و رقم الفش بر لوح خاطر نگاشت۔

سر مشق رنگینی و سچتہ ادائی، او ما بانی

رنگینی حرکات و پذیرش برنگ نسیم بہار چمن آرای انبساط و بہار آہنگی نفیات بے نظیرش گلدستہ بند ریاضین نرہت و نشاط۔ بدیہہ گوئیہایش در عالم بدایت چون فکر سیر لبریز شوخی و رنگینی، و نقایہایش بسان نقل شراب در نہایت خوش مزگی و نمکینی جرکات و

سکناش ہمہ موزون و مرغوب، خرام و ادائش ہمہ خوش اندام و خوش اسلوب۔ در عالم کبت کشتی گیر و در فضای خیال چون خیال نظیری بے نظیر۔ طبیعتش الفت پیرا است و مزاجش بہ وفا آشنا۔

نورس کنور کہ نہالِ نوخیز ہمین چین است و بہ موزونی قدر شکِ سر و گلشن، معشوقہ صاحبی میان محمد ماہ است کہ سندی معاشرت پیشگان اند و سر آمد جمیع بزم آریان۔ اکثرے بہ دولتخانہ ایشان صحبتہا منعقد می گشت و احتفاظ وافی محصل می گردید۔

پنا و تنو

سابقاً مقدم این طایفہ۔ باعتبار حسن سرشار و کمالِ وجاہت و حسن غنا و تناسبِ جوارح و اعضاء منظور جناب پادشاهی بود و مورد عنایات نامتناہی، اکنون بزم آرای مشتاقان است و رنگ افزوز جہت تکلیف آرزو مندان خرامش ہمینکہ بہ حرکات رقص آشنا گردید، شور تحسین پیشتر از نغمہ بلندی گرد و صدائش ہر گاہ کہ بہ اوج کشید از غلغل آفرین فضای ہواتنگ می نماید، رنگینی روزمرہ ہائیش سامعہ را بہ گلگشت بہاری برد و قسمہای شیرینش کہ در حقیقت جزو محاورہ است، افسون بخودی بہ گوش دلہا می خواند، خواندن خیال بہ نزاکت و انداز نیست کہ حوصلہ سامعہ بہ فریادی آید و بے اختیار باہوکنان بہ دایرہ وجد و حال می آرد۔ گرسنہ چشمانِ راگ را از مایہ صحبتش سیرے نیست و نا دیدگانِ حسن را از دام اختلاطش رہائی نہ۔

علی الخصوص تنو کہ بہ زور سر بنچہ غنچ و دلالِ لسانِ طشہ خود جانہا را تاب می دہد و بہ اعانت سامانِ حسن و جمال کہ شوخہا فقرہ مستزاد اوست و قسمہای رنگین بند تر جمیع او، نظم دلہا را بہ بندی رساند۔ بہ ادای کافر ماجرا بیہای نگاہش قلم چون قلم نرگس حیرت ایجاد و بہ گزارشش کرشمہ سنجیہا لیش نال خامہ بزنگ نی لبریز فریاد یکی از آسار لیش گلدستہ بند رنگینی و میرزانی میان محمد ماہ اند کہ یاد الفتہا و انعقاد صحبتہا لیش دو دازد ماغ زندگی برمی آورد و در عین خوشی بیمزہ می دارد۔ فرد:

رفتم و زلفت حسرت از دل

چون آینه ایم جلوہ بسمل

بارے اگر وصال نباشد خیالے است، و اگر خورشید نباشد ہلالے۔ وصف العیش
نصف العیش۔

تمت تمام شد کارم نظام شد

ہر کہ خواند دعا طمع دار ایم

زانکہ من بندہ گنہ گار ایم

تحریر بستیم شعبان ۱۱۸۵ ہجری

اردو ترجمہ

جبے نواب درگاہ قلی خاں بہادر سالار جنگ موتمن الدولہ نواب نظام الملک آصف جاہ کے ساتھ جہاں آباد گئے تھے۔ وہاں کی جو خصوصیات انھیں نظر آئیں، انھیں لکھ لیا۔ چونکہ کیفیت سے خالی نہیں ہیں، اس لیے انھیں بیان کیا جاتا ہے۔

ذکر قدم شریف

آنحضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شفاعت بخشنے والے قدم کی برکت سے گلشن میں رونق ہے۔ (قدم شریف کی درگاہ کے) آستانے کی گرداں باب بعیرت کی آنکھ کا سرمہ اور اس کے راستے کا غبار اہل دانش و بینش کی دولت ہے۔ گناہگاروں کی پیشانیاں اس آستاناں پر کثرت سجد سے آئینہ دار امتیاز اور حاجت مندوں کی آنکھیں اس چوکھٹ کی خاک کی در یوزہ گرمی سے سرمہ طراز ہیں۔ وہ بارگاہ، جس کی ڈیوڑھی مہتابے میں ساتویں آسمان کے برابر ہے، واجب التعظیم ہے اور ایسا، ہر شخص ہمیشہ سرگرم مجاہد تسلیم رہتا ہے۔ فرد :-

”جس زمین پر تیرے پاؤں کا نشان ہوتا ہے، صاحب نظر مدتوں اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ جمعات کے دن اس درگاہ کا صحن زائرین کے ہجوم سے ایسا بھجھ جاتا ہے کہ بڑی مشکل سے لوگ طوائف گاہ (قدم مبارک) تک پہنچ پاتے ہیں۔ بیچ الاوں کے مہینے میں جس سے شام

تک ایسا ہی ہجوم رہتا ہے۔ دُور دُور کے شہروں سے فقیر اور زائرین زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اور دامن آرزو کو مُراد کے پھولوں سے بھرتے ہیں۔ دارالشفاء سے قدم مبارک کو دھونے سے تشنہ لبوں کو جو کچھ شربتِ آبی (پانی) نصیب ہوتا ہے، اُسے تندرستی کے لیے پیتے ہیں۔ اور برکت کے لیے دور دراز کے مقامات پر رہنے والوں کے لیے لے جاتے ہیں۔ آخرت میں جزائے خیر کے لیے سعادت مند لوگ اس درگاہ کے نواح میں بڑی بڑی قیمتیں دے کر زمین خریدتے ہیں۔ اور اپنے آخری گھر (قبر یا مقبرے) کی بنیاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُس (درگاہ قدم شریف) کے اطراف میں بہت مقبرے ہیں اور غریبوں کی قبروں کی تو گنتی ممکن نہیں عرس مبارک کے دنوں میں یہ مقام زائرین سے ایسا بھر جاتا ہے کہ اگر علی الصبح وہاں نہ پہنچیں تو بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ملتی۔ دولت مند لوگ نذر کے طور پر کھانے پینے کا جو سامان بھجوتے ہیں وہ فقیروں اور مسکینوں کے کام آتا ہے اور کئی دن کے لیے اُن کے پاس ذخیرہ ہو جاتا ہے۔

سبحان اللہ عجیب مکانِ فیضِ نشان ہے کہ اس کے در و دیوار سے کرامت و اعجاز کا نور برستا ہے۔ دروازہ رخصت کے سامنے جو حوض ہے وہ ماہِ المعینِ کرامت اور عین الحیاتِ سرچشمہٗ رافت ہے۔ پیاسے لوگ دل بھر کر اس کے آبِ شیریں سے سیراب ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ کا انتقال ہوا، تو اُس کی وصیت کے مطابق قدمِ معجزِ بشیم کو اُس کے سینے (قبر) پر نصب کر دیا۔

قدمِ گاہِ امامِ مفتی رضی اللہ عنہما

بادشاہی قلعے سے تین کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ زائرین سعادتِ اُخروی حاصل کرنے کے لیے ہفتے کے روزِ جوق در جوق زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اور اعتقاد کے گوشہٗ دستار پر مجرا و تسلیم کے پھول سجاتے ہیں (عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں) آپ کے در کی خاک بیماروں کے لیے ذریعہٗ شفا ہے اور آپ کے رحمت کے چشمے کا میٹھا پانی حاجت مندوں کی آبرو ہے۔ اکثر لوگ دل کی مراد پوری کرنے کے لیے منتِ انتہی ہیں اور مراد پاتے ہیں۔ بارہ محرم حضرت امام حسین کی زیارت کا دن ہے۔ ماتم گزار دلِ محزون اور چشمِ گریاں کے ساتھ، اُس مکان

خُلد آستان میں ماتم کے لیے جمع ہوتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جو اُس دن، اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہو۔ عوام و خواص کی سواریاں اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ سڑکیں چیونٹی کی آنکھ کی طرح تنگ ہو جاتی ہیں۔ اہل حرفہ بہت خوبصورتی سے دکانیں سجاتے اور خوب نفع کماتے ہیں۔ چوکی خانہ ارباب ایمان کے لیے مخصوص جگہ ہے، وہاں منقبت خواں بلند آواز سے ماتمی قصیدے پڑھتے ہیں اور اُس معجز انتساب آستانے سے نجات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں، مصرع :-

اگر عاقبت میں بھلا چاہتا ہے تو اُس کی زیارت کر

درگاہ ملائک بارگاہِ حضرت قطب الاقطاب

لال قلعے سے سات کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کا مزار مبارک بغیر چھت کی مسجد کے صحن میں رونق افروز ہے۔ (زینتِ ترتیب یافتہ) تمام ہندوستان کے زائرین اس کا طواف کرتے ہیں اور تمام ضرورت مندوں کا مرجع و مقصد ہے۔ اس کے اردو دیوار کی صفائی اور پاکیزگی جنت کی یاد دلاتے ہیں۔ اُس کی بابرکت فضا خدا کی رحمت کا احساس دلاتی ہے۔

صبح کے وقت مزار مبارک کے چاروں طرف مُست کر دینے والا نور برستا ہے جس سے زائرین کے دلوں پر عجیب طرح کا کیفیت طاری ہو جاتا ہے۔ صبح کے اداے فریضہ (نماز وغیرہ) کے بعد اربابِ تمنا اس کا (مزار مبارک کا) طواف کرتے ہیں اور مردوں کے پھولوں سے دامن بھر کر انتہائی انبساط و سرور کے عالم میں واپس جاتے ہیں۔ اگرچہ اُس کی (مزار مبارک کی) زیارت روز کی جاتی ہے لیکن جموات کے دن خاص طور سے عجیب و غریب ہجوم ہوتا ہے۔ صاحبِ استعداد لوگ رات کو دہلی سے روانہ ہو جاتے ہیں، پہلے زیارت سے فارغ ہوتے ہیں اور پھر آپ کے قدموں کی برکت سے ہر طرف جو سبزہ زار اور چشمے ہیں، اُن کی سیر اور خاص طور سے حوضِ شمس کی سیر سے، جو متبرک چشموں میں ہے، طرح طرح کے فیض اٹھاتے ہیں، آپ کے مزارِ فایض الانوار کے چاروں طرف بہت سے مردانِ خدا کے مزار ہیں۔ چنانچہ آج بھی (یہاں) اہل یقین پر وجودِ مال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اربابِ ذوق لذتِ درد سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس سوادِ بہشت نشاں کے گرد بہت سی متبرک عمارتیں ہیں۔ خاص طور سے مسجد اولیا، جسے حضرت قطب العارفین خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے تعمیر فرمایا تھا۔ جو کوئی یہاں نماز پڑھتا ہے عبادت کے لطف سے آگاہ ہوتا ہے۔ غرض کہ یہاں اتنے اولیائے کرام کی قبریں ہیں کہ (اس مقام پر) بہشت بریں کو بھی رشک آتا ہے۔ ملفوظات میں لکھا ہے کہ یہاں کی عید گاہ میں اکثر خواجہ خضر تشریف لاتے ہیں۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی قبر بھی آپ کے مزار مبارک کے پاس ہے۔ اور بہادر شاہ (اول) کو ان کی خوش نصیبی سے اس رحمت و کرامت کے دامن میں پناہ مل گئی (بہادر شاہ اول کی قبر آپ کے مزار مبارک کے قریب ہے۔ ربیع الاول کی سولہ تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ زیارت کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور دو روز تک (یہاں کی) سیر کرتے ہیں۔ تو اس ہر وقت مزار مبارک کے سامنے کچھ فاصلے پر کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر بندگی پیش کرتے ہیں۔ شاہ شہید محمد فرخ سیر نے درگاہ کے ایک طرف سنگ مرمر کی تراشی ہوئی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اس (دیوار) کی جالی بہت ہی نازک اور سنگ مرمر بہت چمکدار اور لطیف ہے۔ قطعاً: ”وہ بادشاہ جس نے دنیا میں فقرا کا علم بلند کیا۔ دونوں جہاں ترک کر کے گوشہ عزلت میں جا بیٹھا“ جس طرح قطب تار سے قبلے (سمت) کی شناخت ہوتی ہے اسی طرح حضرت قطب الدین راہ خدا میں رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ معشوق الہی

آپ کا مزار مبارک پرانی دہلی سے آدھے کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آفریں ہے اس روضے پر، جس کے صحن میں سلاطین پناہ حاصل کریں اور بڑے بڑے بادشاہوں کی دلی آرزو ہو کہ اُس آستان پر جبہ سائی کریں۔ اُس کے در و دیوار سراپا انوار سے فیض برستا ہے اور اُس کی خاک پاک سے سعادت کا چشمہ اُبلتا ہے۔ اُس آستان کا (لوگوں کو دور رکھنے والا) عظمت و جلال اچھے اچھے متکبروں کا زہرہ آب کر دیتا ہے۔ اس عظیم شان عمارت کا رعب اور شان و شوکت بڑے بڑے مغروروں کے سروں کو سجدے پر مائل کر دیتا ہے۔ اُس مرقدِ فردوس آئین سے ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کے بیان سے ناطق عاجز ہے۔ اس

چمنستانِ جنت آگین میں ایسے ایسے رنگ نظر آتے ہیں کہ انھیں بیان کرنا قلم کے بس میں نہیں۔ ہر بدھ کو عوام و خواص زیارت کرتے ہیں اور قوال پورے ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر قوال سے کرتے ہیں۔ خاص طور سے صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو (یہاں) زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ دلی والے بہت سچ و صبح کر یہاں آتے ہیں اور زیارت کے بعد ان باغوں کی سیر کرتے ہیں جو روضہ مبارک کے نواح میں واقع ہیں۔ اہل حرفہ جا بجا دکائیں سجاتے ہیں۔ اور تماشائیوں کی پسندیدہ اور مطلوبہ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں مطرب نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ ان کی آواز سامعہ پر گراں گزرنے لگتی ہے۔ ہر گوشہ و کنار میں نقال اور رقاص دادِ خوش ادائی دیتے ہیں عرس مبارک ربیع الثانی کی چودہ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ (زائرین) اس آستانِ جنت نشاں کو بوسہ دے کر فخر حاصل کرتے ہیں (دگرگاہ کے) چاروں طرف اتنے خیمے لگتے ہیں کہ جگہ باقی نہیں رہتی۔ قوال تمام رات باری باری قوالی کرتے ہیں۔ اور مشائخ و صوفیائے کرام کے لیے وجد و حال کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

بواہیروں کی محفلیں بھی بہت دیر تک چلتی ہیں اور عجیب انداز کا شور و شغب ہوتا ہے۔ اس فرقے کے لوگ اور تمام زائرین رات بھر جاگتے ہیں اور بیشتر لوگ مرقد منور کے اطراف میں مراقبہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتے ہیں۔ اس رات کی صبح عجیب فیض آگین ہوتی ہے اور فجر کی نماز میں عجیب لطف و سرور میسر ہوتا ہے۔

آپ کے مزار مبارک کے پانچویں حضرت امیر خسرو عالیہ الرحمۃ آسودہ میں۔ دونوں کے درمیان چند ذرع (تقریباً ایک ہاتھ کے برابر) سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ان کے عرس مبارک میں بھی خاص کیفیت ہوتی ہے۔ اور سماع ہوتا ہے۔ اس روضے کے اطراف میں مجاوروں کے گھر ہیں۔ (یہ مکانات) اپنی جگہ ایک بستی ہے۔ ان (مجاوروں) کی گزر بسر نذر وں اور اس آندنی پر ہے جو انھیں وکیل کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ کیسے خوش نصیب ہیں یہ سعادت مند کہ اس خطہ پاک کے قریب ان کے رہنے کے مکان میں اور ہر وقت زیارت کے فیوض سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی اس بزرگوار کا مزار چر انوار پرائی دہلی سے تین کروہ کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کا سوادِ روضہ، روضہ رضواں کی طرح انتہائی دلکشا اور ان کے مرقد کی فضا خیابانِ بہشت کی طرح نہایت خوش ادا۔ اس سرزمین سے ان کی کمالوں کی کرنیں آفتاب کی روشنی کی طرح درخشاں ہیں۔ اور ان کے کرامات کی روشنی اس خطہء دلنشیں میں فالوس میں روشن شمع کی طرح منور ہے۔ آپ کی کرامت کی شعاع سے حاجتمندوں کا چراغ جلتا ہے اور مصیبت زدوں کے دل آپ کی ہولے توجہ سے رشکِ گلشن ہیں۔ حقیقت میں چراغِ دہلی ہیں بلکہ تمام ہندوستان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے مزارِ مبارک کی زیارت اتوار کو ہوتی ہے۔ دیوالی کے مہینے میں خاص طور سے زبردست ہجوم ہوتا ہے۔ اس مہینے کے ہر اتوار کو دلی والے زیارت کی سعادت حاصل کرنے جاتے ہیں۔ اس درگاہ کے قریب ایک چشمہ ہے وہاں خیمے اور قناتیں لگا کر غسل کرتے ہیں اور اکثر لوگ پرانے امراض سے مکمل شفا پاتے ہیں۔ مسلمان اور ہندو دونوں یکساں زیارت کرتے ہیں۔ صبح سے شام تک زائرین کے قافلے لگاتار پہنچتے رہتے ہیں۔ ہر درخت اور ہر دیوار کے سائے میں فرش بچھا کر دادِ عیش و خوش دلی دیتے ہیں۔ عجیب و غریب سیر و تفریح اور طرہ تماشائے۔ ہر جگہ راگ و رنگ اور ہر گوشہ و کنار میں صدائے پچھاوج و مورچنگ۔ عرسِ مبارک بھی شان و شوکت سے ہوتا ہے۔

بادشاہِ جم جاہ محمد شاہ نے مزارِ مبارک کے چاروں طرف پختہ احاطہ بنوایا ہے۔ اس کا صحن اتنا وسیع ہے کہ کسی اور درگاہ کا صحن وسعت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ **تَسْبِيحُ اللّٰهِ رَوْحُهُمْ وَ اَوْصَلَ اِلَيْنَا نُحُومُهُمُ۔ اللّٰهُ تَعَالٰی اُنْ كِي رُوْح كُو پَاك كِرے اور اُن كِي بَرَكَاتِ هِم تَاك بَهِیجے۔**

شاہ ترکمان

حضرت شاہ ترکمان بیابانی علیہ الرضوان عجیب و غریب کرامات کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس پر لوگوں کو اتفاق ہے کہ دلی شہر کی بنیاد رکھی جانے سے پہلے جس زمانے میں یہاں

جنگل تھا اور جس جگہ حضرت کا مزار ہے وہیں رہتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ حضرت قطب الاقطاب کے معاصر تھے۔ خدا ہی حقیقتِ حال سے واقف ہے۔ آپ کا مزار مبارک شاہجہاں آباد میں ہے۔ رجب کے مہینے کی تیس تاریخ کو عرس ہوتا ہے خادم اور معتقد حضرات شان و شوکت سے عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔

چراغوں اور قندیلوں کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ آسمان جگمگا اٹھتا ہے اور پھولوں کا ایسا انبار لگتا ہے کہ خوشبو سے فضا معطر ہو جاتی ہے۔ آپ کے مزار مبارک سے دل کو سکون ملتا ہے اور آپ کا روضہ مبارک فردوسِ بریں کی طرح ہے۔ اُس (روضہ مبارک) کے صحن کی خوشبو مشامِ جان کو معطر کرتی ہے۔ اور اُس کی شمیمِ فضا نکبتِ حقیقت سے زماغ کو روشن کرتی ہے۔ (اس علاقے کے) سب لوگ آپ سے خاص اعتقاد رکھتے ہیں۔ مشکلات میں لوگ آپ ہی کے روضے سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق مراد پاتے ہیں۔

حضرت باقی باللہ

آپ کا مزار مبارک ایسا مقام ہے جس سے لوگ مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اُس کی زیارت اہل ایمان کے لیے لازمی ہے۔ اس کی نسیمِ فضا گلشنِ اتحاد اور اُس کی شمیمِ ہوا خلد آباد ہے۔ اس کے در و دیوار سے بیخودی اور سرشاری برستا ہے۔ اور اُس کی سرزمینِ منین آگین سے عبرت سُکتی ہے۔

انتہائی گرمی کے زلزلے میں جب دلی میں ہوا سے آگ برستی ہے اور زمین تپتی ہے تو آپ کے مزار مبارک کا صحن بالکل یخ رہتا ہے۔ صحن میں جہاں کہیں قدم رکھیں تو پیر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اور باہر سورج کی گرمی سے پیر جل جاتے ہیں۔ آپ کی عجیب و غریب کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ شہر کے لوگ بڑی کوشش سے آپ کے مزار مبارک کے قریب جگہ حاصل کر کے مدفون ہوتے ہیں (کیوں کہ یہ عقیدہ ہے) کہ اُن کے قریب مدفون ہونے کی وجہ سے جہنم کی گرمی سے بچے رہیں گے۔ اور اللہ مضمحلہ اللہ ان کی خواب گاہ کو منور کرے۔

حضرت شاہ حسن رسول نما

آپ کا مزار مبارک آئینہ جہاں نما ہے اور آپ کی قبر خطہ بہشت کی طرح دلکش ہے۔ جو (شخص) پورے اعتقاد کے ساتھ زیارت کرتا ہے، وہ (حضرت رسول نما) کی روح پر فتوح کے فیض سے آنحضرت کے جمال کا دیدار کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ آپ سے توسل کرے تو اس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور مراد پوری ہو جاتی ہے۔ شعبان کے مہینے کی اکیس تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ (روضہ مبارک) سجایا جاتا ہے اور عرس کے دن تمام نقال صبح سے شام تک مچر کرتے ہیں۔ اور زائرین کو خوب محفوظ کر کے اپنے گھر واپس جاتے ہیں۔

شاہ بازید اللہ ہو

آپ کے مشرب کی پاکیزگی درود یوار سے جلوہ افروز ہے اور تربت بہشت طینت سے آپ کی کرامتوں کا نور ہویدا ہے۔ عرس کے دن شاندار مجلس منعقد ہوتی ہے اور زائرین کو خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔

مزار بیدل رحمۃ اللہ

پرانی دلی میں آپ کی تربت موزوں ایک چھوٹے سے احاطے میں اس طرح واقع ہے جیسے خوبصورت الفاظ میں معنی خاص موزوں ہوتے ہیں۔ صفر کے مہینے کی تیسری تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ ان کے شاگرد اور شہر کے تمام شاعر آپ کی روح سے استفادے کے لیے حاضر ہو کر کلیات بیدل جسے بیدل نے اپنے دست مبارک سے لکھا تھا، بیچ میں رکھ کر شعر خوانی کرتے ہیں۔ (کلیات کے) پہلے صفحے پر یہ رباعی لکھی ہوئی ہے۔

”اے کہ تیرا آئینہ طبع صحیح راستے کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے کسبِ نوائد میں تقصیر نہ کر۔“

ہمارا مجموعہ فکر (کلیات) صلا سے عام دیتا ہے۔ اس کا مطالعہ کرا اور ہماری۔ ر سے پنا

حصہ لے لے۔

اس کے بعد (شاعر) اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اپنا کلام اہل محفل کو سناتے ہیں۔ عجیب و غریب لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور حاضرین محفل کو خاص مسرت میسر آتی ہے۔ ان کے (مرزا بیدل) بھتیجے محمد سعید معنی بیگانہ کی طرح مرزا سے نسبت معنوی نہیں رکھتے۔ حاضرین محفل کی تواضع اور محفل میں شمع و چراغ روشن کر کے گویا اپنے دماغ کو جلاتے ہیں۔ مرزا (بیدل) نے جرّی بوٹیوں سے جو معجونیں اور گولیاں اختراع کی تھیں وہ ساری دلی میں مشہور ہیں۔ انھیں فروخت کر کے (محمد سعید) گزارا کرتے ہیں۔ طاب ثراہ و جعل الجنة مثواہ

عرس خلد منزل

تیس محرم الحرام کو عرس مذکور منعقد ہوتا ہے۔ ان کی قبر حضرت قطب الاقطاب (حضرت قطب الدین بختیار کاکی) کے قریب ہے۔ خلد منزل کی بیوی مہر پر و زحیا خاں ناظر کے زیر اہتمام ایک ہینے پہلے طرح طرح کی ہئیت و اشکال کی چراغاں بندی کی تیاری شروع کرتی ہیں۔ شاہی کاریگر اور فنکار عجیب و غریب ہنر اور طرفہ فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس انداز سے سرچراغاں کرتے ہیں کہ چنار کے درخت کی طرح سر و شمشاد شرم سے جلنے لگتے ہیں۔ درختوں کے جھنڈ کی روشنی اس طرح جلوہ افروز ہوتی ہے کہ اس کا (درختوں کے جھنڈ کا) ہر درخت گل آفتاب کو گل کرتا ہے۔ دو گھڑی رات گزرنے کے بعد بھی چاند در پچھڑے مطلع سے باہر نہیں آتا۔ اور سورج اپنی بے قدری کے احساس صبح سے پہلے آسمان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ روشنی کے برج آسمان کے برجوں کو نور کا پیغام بھیجتے ہیں۔ ہر گوشہ و کنار روشن اور منور بننے لگے وادی طور کی بنیاد رکھتے ہیں عشاق ہر گوشہ و کنار میں اپنے محبوبوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں عیاش لوگ خواہشات نفسانی کے پورے ہونے پر رقص کرتے ہیں۔ مے خوار محاسب سے بے خوف، بدمست اور شہموت طلب مزاحمت کے خیال سے بے نیاز شاہ پرستی میں مصروف رہتے ہیں۔ اردوں اور نو خطوں کا وہ ہجوم کہ زاہدوں کی توبہ ٹوٹ جائے اور بے مثال جذبے کے ساتھ

وہ آہو پیسٹر جو نیکی اور پارسائی کی بنیادیں ہلا دیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ خوب صورت چہرے اور جہاں تک دکھائی دے گی سوؤں کے جال نظر آتے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر عیش و عشرت کے سامان فراہم ہوتے ہیں کہ ایک عالم کی مراد پوری ہو جائے۔ خباثت کے اسباب اس درجہ موجود ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے بدکار جسمانی لذت حاصل کر سکیں۔ یہاں حالت تو یہ ہے کہ ذرا ہوش میں آئے تو کسی امر نے آنکھ ماری ابھی اُس کے حُسن نے آنکھیں روشن کیں کہ کسی بے شرم عورت کا پیغام پہنچا۔ نوابوں اور امرا و رؤسا سے کوچے اور بازار لبریز اور گوشہ و کنار امیروں اور فقروں سے شور انگیز رہتے ہیں۔ مطرب اور قوال مکھیوں سے زیادہ اور محتاج وسائل مچھروں سے افزود تر۔

قصہ مختصر اس طرح اس شہر کے کمین و شریف ذہنی اور جسمانی لذتیں حاصل کرتے ہیں ایسے ہنگاموں کی طرف سے آنکھیں پھیر لینا ہی عین مصلحت ہے۔ اور ان ہنگاموں کی طرف آنکھیں نہ کھولنا محض بصیرت ہے۔

ذکر مشرف

اُس رستم زماں کی قبر معشوق الہی کے (روضے کے) قریب اُس باغ میں ہے، جس کی آب و ہوا کا نزہت کدہ طراوت و تازگی روضہ رضواں سے حاصل کرتا ہے۔ اُس کے اطراف کے پائیں میں نہایت نظر فریب اور کمال دیدہ زیب نہر بہتی ہے۔ بہت زیادہ باغ ہونے کی وجہ سے وہاں کی آب و ہوا اور فضا خوشبو پسند کرنے والوں کے دماغ کی تروتازگی پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے اور عیش و عشرت کرنے والے بہت سے لوگ برسات کے موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں آکر بزم آرائی کرتے ہیں اور یہاں کی ہوا و فضا سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہاں کی کیاریاں ہمیشہ رنگا رنگ پھولوں سے بھری ہوتی ہیں اور اُس کی عمارتیں نسیم بہار اور نسیم گلزار سے لبریز رہتی ہیں۔ اگر زاہد خشتک دماغ بھی وہاں کی سیر کرے تو تر دماغی سے نشے کی کیفیت میں گرفتار ہو جائے اور پاگل ہو جائے۔ اگر بے خبر اور کم عقل محتسب وہاں پہنچے تو وہاں کی نشہ آور فضا سے مست و سرشار ہو جائے۔ وہاں کی ہوا کی تازگی سے

شراب پینے کو دل چاہتا ہے۔ اور اس مقام کی رنگینی سے بے اختیار موسیقی سننے کی خواہش ہوتی ہے۔

اُن کے (میر مشرف کے) صاحبزادے میر کلو عجیب طمطراق اور شان و شوکت سے عرس کرتے ہیں۔ بہت خوبصورت اور دلکش انداز میں چراغاں کرتے ہیں۔ کیاریوں کے دونوں طرف کھپچیاں باندھ کر چھوٹے چھوٹے جھروکے بنا کر اُن میں شمعیں روشن کرتے ہیں نہر خاصی وسیع ہے، اس کے کنارے پر بہت خوبصورت اور دلنشیں انداز میں برج اور ننگے بنا کر اُن میں روشنی کرتے ہیں۔ بادشاہ کے دربار کے تمام اعلیٰ عہدے داروں اور اربابِ نشاط کو مدعو کر کے صلاے عام دی جاتی ہے۔ چوں کہ (میر کلو) خود جوان ہیں اور تمام رنگین مزاج امیر زادوں سے واقف ہیں۔ اُن کی خاطر سب لوگ عیش و عشرت کے سامان اور اپنی محبوباؤں کو ساتھ لے کر یہاں آتے ہیں۔ ہر درخت کے نیچے اور نہر پودے کے سائے میں اور ہر خیابان کے کنارے رنگ رنگ کے گلِ رعنا کی طرح خیمے کھڑے کرتے ہیں۔ اور عے نوشی میں مصروف ہوتے ہیں۔ تمام رات ہر جگہ رقص اور ہر طرف موسیقی کی محفل گرم ہوتی ہے۔ طرح طرح کے کھلنے اور ضرورت کا سب سامان مہانوں کے مرتبے کے مطابق ہر جگہ پہنچتا ہے۔ رات شبِ برات کی طرح مطلع الانوار اور صبحِ عید کی صبح کی طرح ہزاروں رنگ کی خوشی و مسرت سے لبریز۔ واپسی کے وقت بھی عجیب و غریب تماشا اور سیر و تفریح ہوتی ہے۔ نہر کے کنارے دل بادل کے خیمے کی طرح مہمان خانے اور خیمے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رنگین محفل منعقد ہوتی ہے۔ ہر جگہ مسند اور فرش بچھا کر ضیافت کے لوازم فراہم کیے جاتے ہیں۔ رقاص چھوٹے بڑے کا خیال کیے بغیر رقص کرتے ہیں۔ اور نقال اور نوال میزبان اور مہمان میں تخصیص کیے بغیر نغمہ پردازی کرتے ہیں۔ فقرا و مشائخ و جہ میں آجاتے ہیں جس پر دولت مند اور صاحبِ ثروت لوگوں کو ہنسی آجاتی ہے۔ غرض بے تکلفی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ خواہشات و مرغوباتِ نفسانی کیے جس چیز کی آرزو کرو موجود ہے۔ لیکن فنِ عملی و مایعنی درکار۔ کذا۔

ذکر چوک سعد اللہ خاں

اُس کا (چوک کا) ہنگامہ قلعہ کے دروازے کے سامنے ہے اور اُس کا مجمع جلو خانے کے

سامنے ہے۔ سبحان اللہ ایسی کثرت سے رنگارنگ چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں نگاہ گم ہو جاتی ہے اور نظر نئی نئی چیزوں کی بہتات اور اپنی پسند کی چیزوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے ہر طرف خوش رو اور اپنے رقص سے قیامت ڈھاتے ہیں اور ہر طرف قصہ گو کے شور و غل سے حشر بپا ہوتا ہے۔ واعظ، اربابِ علم کی طرح اکثر جگہوں پر منبروں کے انداز کی لکڑی کی کرسیاں بچھائے، مہینے اور دنوں کی مناسبت سے، مثلاً رمضان المبارک میں روزے کے فضائل پر حجۃ الحرام کے مہینے میں حج و عمرہ کی رسوم و قربانی وغیرہ کے طریقوں اور محرم کے مہینے میں کربلا کے واقعات پر فصاحت کے ساتھ تقریریں کر کے انھیں عوام کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ ایسی حالت کر دیتے ہیں کہ مجمع رونے لگتا ہے۔ اس طرح سے خوب رو پیہ کھاتے ہیں۔ بازاری لوگوں کو اس طرح کے مجموعوں سے بہت دلچسپی ہوتی ہے اور خام طلب لوگ پست ذوقی کی وجہ سے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اکثر دو گھنٹی رات گزرنے تک یہ وعظ و تذکرہ جاری رہتا ہے۔ نجومی اور رمال بھی بیوقوف بنانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ الگ مجمع لگائے لوگوں کے دلوں میں چھپے راز بتاتے ہیں۔ لوگ اپنے خوش نصیبیوں اور بدقسمتیوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ ان کے وعدوں اور پیشین گوئیوں سے خوش ہو کر لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق انھیں رقم دیتے ہیں۔ حکمت کا پیشہ کرنے والے جعل ساز چوک کے کھلے میدان میں جگہ جگہ چھڑکاؤ کر کے رنگ برنگ کے فرش بچھاتے ہیں۔ فرش پر رنگین تھیلیاں دکان پر سجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تھیلیوں میں (دوا تو کیا ہوگی) سٹرک کی دھول ہوتی ہے۔ خود بیش بہا لباس پہنے اور پگڑھی پر سر سبز لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ایسی تقریریں اور اداسے دلنشیں کے ساتھ دواؤں کے خواص اور ان کے فائدے بیان کرتے ہیں کہ بیوقوف لوگ (دواؤں خریدنے میں) ایک دوسرے پر اس طرح سبقت لے جاتے ہیں کہ دکان میں خاک بھی نہیں بچتی۔ دواؤں میں سفوف، ملین دواؤں، شربت، معجونیں، قرص، جُوب اور لیپ، سب موجود۔ گاہک جو دوا مانگے، حاضر۔ خاص طور سے جب حلق کے علاج، عضو تناسل کی مضبوطی، امساک اور آتشک و خیارک و سوزاک کا ذکر ہو۔ کم مرتبہ لوگ اپنے کپڑے بلکہ جان تک گروی رکھ کر طے اور لیپ خریدتے ہیں۔ استاد (کذا) دوا فروش اپنی تقریر کی خوش ادائیگی کے زور پر رقم وصول کر کے

ایک کو کیر خر کا نسخہ دیتا ہے اور دوسرے کو قصبہ الفیل کے اجزا اور یہ قرمباق (عورت کی ناچار کمائی کھانے والے) خوشی خوشی اپنے گھر جاتے ہیں۔ مختلف دھاتوں کے جن گرما گرم کشتوں کی خواہش کروا حاضر ہیں۔ اکثر جگہوں پر آگ جل رہی ہے اور ان نو دھاتوں کا دھواں نو آسمانوں تک پہنچتا ہے۔

کیکڑے اور سانڈے، جو لپ کے جزو اعظم ہیں، اکثر جگہوں پر دھاگوں سے بندھے ہوئے خواہش مندوں کے لیے حاضر ہیں۔ نقالوں اور بادہ فروشوں کی جگہیں مقرر اور بہت محفوظ ہیں۔ یہ لوگ اپنے وقت پر حاضر ہو کر کمائی کرتے ہیں۔ اطراف اور اکناف مردوں اور نوحطوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی نگاہ اٹھتی ہے کسی چکنے رخسار سے پھسل جاتی ہے۔ جہاں کہیں بھی ذرا ہاتھ پھیلاؤ، (معلوم ہوتا ہے) کہ کسی حسین کی گردن میں ہے۔

اسلو فروش ہر قسم کے اسلحے نیام سے نکال کر ان کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں تاکہ ان کے خریدار پیدا ہوں۔ کپڑا فروش مختلف رنگوں کے کپڑے ہاتھوں میں لیے ہو ہیں اس طرح لہراتے ہیں کہ صفحہ ہوا شفق رنگ ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ خریدار کی نظر کسی رنگ پر مائل ہو۔ عیش و عشرت کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں پاس پاس ہی بکتی ہیں۔ اتنے قریب ہیں کہ ہاتھ بڑھانا ایسا ہے جیسے لغتہ حوالہ دین کرنا۔ ولایتی اور ہندوستانی میوے ایک دوسرے کے قریب فروخت ہوتے ہیں۔ ذرا رخ بدلیے اور ان کے کھانے کا مزہ لیجے۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کا بازار تو ہوش گم کر دیتا ہے۔ باز، جڑ، کبوتر، بلبل اور تمام پرندوں کی اتنی بہتانت ہے کہ جب تک کسی نے ”منطق الطیر“ نہ پڑھی ہو اور آصف و سلیمان کی صحبت نہ اٹھائی ہو، ان پرندوں کو نہیں پہچان سکتا۔ کتنے ہی دشت و بیابان ویران کر کے ہر روز قسم قسم کے جانور یہاں لائے جاتے ہیں۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے شوقین اور خاص طور سے اکثر نوخیز جوان اور شورانگیز ام دشکار کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اور تجربہ کار صیاد اس مرغزار میں گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ نفسِ غصہ اور پنجرہ بشری (انسانی جسم) سے زیادہ رنگین اور خوبصورت پنجرے خواہش مندوں کے ہاتھوں فروخت کیے جاتے۔ غرض یہ ہے کہ انسانی ضرورت اور لذتِ نفسانی کی چیزیں یہاں فراہم ہیں۔ چوں کہ یہ جگہ (چوک سعد اللہ خاں) قلعے کے سلسلے ہے اور اُمر اور رُسا کی آمد و رفت کا راستہ ہے، (اس لیے)

یہاں ہمیشہ محشر سا بپا رہتا ہے۔

چاندنی چوک

تمام چوکوں سے زیادہ رنگین اور تمام بازاروں سے زیادہ سراپا تزیین۔ با مذاق لوگوں کی سیرگاہ اور مسرت و انبساط کے طالبوں کا تماشاکدہ ہے۔ اس کے راستوں پر نفیس کپڑے اور ہر طرح کا سامان خریداروں کے لیے حاضر رہتا ہے۔ اس کے ہر گوشے میں نوادر روزگار اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور اُس کے ہر کونے میں دنیا کی نفیس چیزیں (گاہکوں کے) دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس کا راستہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح اور وسعتِ آغوشِ رحمت کی طرح کشادہ۔ اس کی نہر ارا المعین بہشت کی طرح صاف اور شیریں پانی سے لبریز۔ ہر دکان لعل و گہر سے بھری ہوئی۔ جیسے بدخشاں ہو اور ہر کارخانے میں لالی و مروارید کا وہ انبار جیسے ابر نیساں ہو۔ اس کے راستے کے ایک طرف پورے ستغنا اور بے نیازی سے بیٹھے، دلالوں کی زبان پر بھروسہ کر کے گاہکوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں اور ایک طرف تاجر لوگ کپڑے اور ضرورت کا سامان دکانوں میں سجائے چیخ چیخ کر گاہکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے، وہ چینتے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے عطروں کی خوشبو عطاروں کی فضول گفتگو اور دلالوں کی وساطت کے بغیر اربابِ خواہش کے مشامِ جاں کو پیغام پہنچاتی ہے اور ہر چیز ایسی لطیف اور خوبصورت ہے کہ لوگوں میں اس کے خریدنے کی خواہش پیدا کرنے کے لیے بچنے والے کو (چیزوں کی) تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حسیوں کے ابروئے خم دار کی شکل کی تلواریں دیکھیے تو نگاہِ تماشائے کج ہو جائے۔

سانپ کی زبان کے انداز کی طرح طرح کی کٹاروں کو نہ دیکھنا ہی عین مصلحت ہے۔ چینی کے برتنوں کی دکانوں پر ایسے ایسے انواع و اقسام کی چیزیں ہیں کہ آدمی حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور حوصلے کا شیشہ خانہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مختلف انداز کے شیشے کے رنگارنگ اور مطلقاً حقے (ظروف) ایسی خوبصورتی اور سلیقے سے دکانوں پر سجائے گئے ہیں کہ فلکِ حقہ باز (بازیگر) نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ رنگین اور دل پسند صراحیاں اور پیالے دکانوں کے

سامنے اس طرح رکھے جاتے ہیں اگر زائد ہر سال انھیں دیکھ لے تو اس میں بھی شراب پینے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ کاندھوں اور ہاتھوں پر ایسے کپڑے ڈالے پھرتے ہیں جو دکانوں پر رکھے کپڑوں کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں پھر بھی ان میں ایسی خوبی اور لطافت ہے کہ شاید امرا کے گوشہ خانوں میں بھی ایسا کپڑا نہ ہو۔ اس سے قطع نظر یہاں کی فصلے شام میں وہ زنگارنگ جلوے ہوتے ہیں کہ شفق بھی خون ہو جاتی ہے اور آنکھوں کو ایسی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ کہ شاید سیر چمن سے بھی نہ ہو۔

چوک کے عین میدان میں جو قہوہ خانے واقع ہیں، ان میں ہر روز سخن و رجم ہو کر دادِ سخن و بذلہ سنجی دیتے ہیں۔ اپنے بلند مرتبے کے باوجود امراے عالیشان اس چوک کی سیر کیے آتے ہیں۔ یہاں ہر روز عجیب و غریب اشیا اور نوادرات اتنے نظر آتے ہیں کہ اگر ناریون کا خزانہ مل جائے، تب بھی کافی نہ ہو۔

ایک نوجوان امیر زادے کو اس چوک کی سیر کا شوق پیدا ہوا۔ اس کی مال نے اپنی بے استعدادی کی معذرت کرتے ہوئے، باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے میں سے ایک لاکھ روپیہ اُسے دیتے ہوئے کہا کہ اس رقم سے ہر چند تم اس چوک کے نفاس و نوادریں نہیں خرید سکتے، لیکن چوں کہ تم چوک کی سیر کو جانا چاہتے ہو، اس حقیر رقم سے اپنی پسند کی کچھ ضروریات خرید لینا۔

ذکر حافظ شاہ سعد اللہ

آپ کی بلند مرتبہ بزرگی اور اعلیٰ درجے کے اوصاف حمیدہ تفسیر اور تحریر کے دائرے سے باہر ہیں۔ اور آپ کے کمال کی تفصیل بیان کرنا اور آپ کے مرتبے کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کی ولایت کے مدارج پر لوگوں کو اتفاق ہے۔ کچھ لوگ تو آپ کی قطبیت کے قائل ہیں۔ بصیر ظاہر کے بدلے خدا نے آپ کو بصیرتِ کرامت سے نوازا ہے اور ان کی ہدایت اتنا پیشانی کو انوارِ ارشاد سے سجایا ہے۔ اکثر طالبانِ سلوک آپ کے جلے قیام جو مسکنِ معنویت ہے، پر جا کر کتابِ کمال کرتے ہیں اور نصفیہ و تزکیہ نفس میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ کی صحبت میں اکثر خاموشی رہتی ہے۔ اکثر مراقبے میں رہتے ہیں۔ نقشبندی سلسلہ عالیہ سے آپ کا تعلق

ہے۔ اس لیے سماع پسند نہیں کرتے۔ خدا سب کو آپ کی صحبت فیض منقبت کی برکتوں سے نوازے۔

ذکر شاہ غلام محمد داؤد پورہ

آپ کے فقریں وہ شان و شکوہ ہے کہ دولت مندوں کا رعب و دبدبہ لرزہ بہ اندام پہناتا ہے۔ مادی آسائشوں کی کثرت کے باوجود اُن کے مضبوط قدم توکل کے دائرے میں جمے ہوئے ہیں۔ فقر و فاقے کے افراط کے باوجود اُن کی وضع ایسی ہے، جیسے انھیں سب نعمتیں حاصل ہیں۔ بہت سے فقرا و صلیحا اور بہت سے محتاج اور ضعیف لوگ ہمیشہ آپ کی مسلسل نعمتوں (درگاہ) کے آس پاس صبح سے شام تک حاضر رہتے ہیں اور فتوح کے طور پر آیا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ منصف المزاج ہونے کی وجہ سے آپ سب کو برابر کھانا تقسیم کرتے ہیں اور ایک شخص کو بھی محروم نہیں رہنے دیتے۔ رات کو ایک گھڑی گزرنے پر کھچڑی پکتی ہے اور آپ سب کے ساتھ مل کر تناول فرماتے ہیں۔ اور زندان خانے کے ملازمین کو مناسب حصہ ملتا ہے۔ آپ کے آستان گرامی پر ہمیشہ رہنے کے خواہش مند قوالوں کو فیض حاصل ہوتا ہے اور جو نذریں حاصل ہوتی ہیں، اُن میں قوال شریک غالب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ (اس آستانے پر ہمیشہ اس طرح) رہتے ہیں جیسے انسان کے ساتھ سایہ تمام دن وجود حال کا ہنگامہ گرم رکھتے ہیں۔ یہ دلچسپ مقام کیفیت سے خالی نہیں ہے۔ کینوں اور شریفوں، غریبوں اور امیروں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔ سرکار پادشاہی اور امرا کی طرف سے روزانہ اخراجات کے لیے بہت اصرار ہوا، مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ بزرگان زمانہ میں ہیں۔ فتوت و جواں مردی میں یگانہ روزگار ہیں۔

شاہ محمد امیر

نقشبندی مشائخ میں ہیں اور شہر میں رہتے ہیں۔ آپ کے کمالات اور بابرکات حالات کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ قلم آپ کے اوصاف ولایت اتصاف کی تحریر سے عاجز ہے۔ آپ کے اوقات بابرکات کسب و کمال میں گزرتے ہیں اور آپ کا مزاج ہدایت امتزاج وجود حال میں مصروف رہتا ہے۔ آپ کی چشم معنی میں قیلولہ کے وقت کے علاوہ کبھی خواب آشنا نہیں ہوتی۔

آپ کے اوقاتِ روز و شب مختلف کاموں میں منقسم ہیں۔ کچھ وقت طاعت و عبادت کے لیے، کچھ اذکار و اشغال کے لیے۔ آپ کی روزمرہ کی زندگی کو دیکھنے والوں میں سے کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے اپنے مقررہ امور کی پابندی سے انحراف کیا ہو۔

ایک گھڑی رات گزرنے پر زنان خانے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اپنے پسرانِ ارادت بنیان کی تلقین و تعلیم میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور سنتِ نبوی کے موافق آپ کچھ دیر آرام فرماتے ہیں۔ اس کے بعد تہجد کی نماز کے لیے باہر تشریف لاتے ہیں اور ایک گھڑی دن چڑھے تک سکوت میں رہتے ہیں۔ آپ کے اوقاتِ شریف مصروف رہتے ہیں اور پیشانی مبارک تجلی و نور سے لبریز رہتی ہے۔ آپ کی چوکھٹ مرجعِ اہل توران ہے اور آپ کا آستانہ کشمیر پوں کی طواف گاہ ہے۔ اعتماد الدولہ اور ان کے ساتھ کے دوسرے امرا خود کو آپ کے حلقہٴ ارادت میں محسوب کرتے ہیں۔

ہمارے نواب صاحب نے بھی آپ کی صحبتِ کثیر البرکت سے بارہا فیض اٹھایا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں خاصی نذریں پیش کی ہیں۔ انہی دنوں آپ کے طاہر رُوح پر فتوح نے عالمِ علوی کی سیر کے لیے پرواز کی ہے۔ اُن کے صاحبزادگان سجادہ نشین ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ۔ اے میرے پروردگار مجھے معاف کر اور میرے اوپر رحم فرما۔

شاہ پانصدہتی

توران کے رہنے والے ہیں۔ بھاری بھرم جسم ہے، پر شکوہ پیشانی اور عظیم نشانِ چہرہ ہے۔ مغلیہ فیروں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ امرائے توران سے لنگر کے لیے بڑی بڑی رمتیں حاصل کرتے ہیں۔ گدھے پر سواری کرتے ہیں۔ جس کی بہت شہرت ہے۔ آپ یہ سواری بہت پسند فرماتے ہیں۔ ہر رات کسی نہ کسی کے گھر جہان ہوتے ہیں اور ہر روز لوگوں کے گروہ کے ساتھ خراماں رہتے ہیں۔ آپ کے ہمراہیوں میں ایک صلوٰۃ خواں دعا کرنے والے، درویش اپنے بہت بڑے علم کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ عجیب انداز سے بانداہتے ہیں اُن کی اس عجیب و غریب پگڑی کی وجہ سے انھیں زنان خانے میں بلا کر پگڑی کو وسیلہ

تفریح بنایا جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ یہ ہمیں آثار کی ہو۔

ذکر میر سید محمد

چہرے سے حسب نسب کی بزرگی نمایاں ہے۔ پیشانی آفتاب کی روشنی کی طرح تاباں ہے۔ فقر و عرفان کی عظمت اور شکوہ عیوق اور کیوان ستاروں کی طرح بلند ہیں۔ آپ کی شجاعانہ وضع کے دبدبے سے زائریں کا پتہ پائی ہو جاتا ہے۔ آواز میں ایسا رعب اور دبدبہ ہے کہ مخاطبین کا جگر خون ہو جاتا ہے۔ آپ کی مبارک محفل کے انداز سے جلال و جبروت ظاہر ہے۔ اور درو دیوار تجلی آثار سے کمال فقر و فنا پیدا ہے۔ استقامت وضع میں عدیم البدل اور سلاطین و امراء کے سامنے حق گوئی میں ضرب المثل ہیں۔ خلد مکاں کے زمانے میں، منصب ترک کر کے نزہت آباد گوشت فقر میں بادشاہی کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اور بڑے استغنا اور شان و شکوہ کے ساتھ آپ کے اوقاتِ بابرکات گزرتے ہیں۔ اس دوران میں سلاطین اور امراءے کبار نے بڑی عاجزی و خاکساری کے ساتھ جاگیر کی قبولیت کی درخواست کی، لیکن منصب فقر کی بے نیازی کی وجہ سے آپ نے شرف قبولیت نہیں بخشا۔ فتوحات اور نذروں کی قبولیت کا بھی یہی عالم ہے، ہاں غریبوں سے قبول فرمالتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے اور رشتہ دار اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں ان کی آرزو ہے کہ آپ کا حکم پورا کر کے ثواب دارین حاصل کریں، لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی (آپ کبھی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے) آپ کی باتیں بہت رنگین اور گفتگو بہت شیریں ہیں۔ گفتگو میں لطیفے بیان کرتے ہیں۔ اور مختلف طبقوں کے لوگوں کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ دلی کے سب رہنے والے ان کے کمال کے معترف ہیں۔ اور عوام و خواص دونوں ان کے خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ آپ کے باکرامت حال پر مولوی نظامی کے یہ اشعار صادق آتے ہیں۔

عہد جوانی تک تیرا در چھوڑ کر
کسی اور آستان پر نہیں گیا۔ تو نے
سب کو میرے در پر بھیجا، میں نے
کسی چیز کی خواہش نہیں کی، تو
نے خود ہی سب کچھ دیا۔

اس اراقم الحروف، فقیر نے آپ سے کسبِ سعادت کیا ہے اور سہمت و استقامت

کی بھیک مانگی ہے۔ بیت :-

جو لوگ ایک نظر دیکھ کر مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں،

کیا ممکن ہے کہ وہ ہم پر بھی ایک نظر ڈالیں۔

ایک دفعہ نواب صاعب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، آپ کی بے توجہی، بے

اعتنائی اور نصیحتوں سے بد مزہ ہو کر واپس آ گئے۔

ذکر مجنوں نانک شاہی

کمزوری اور لاغری میں اپنے نام کی طرح ہیں۔ اور آپ کے فقر کی خوش و صنعی کی شہرت

خاص و عام میں ہے۔ آپ کی پیشانی سے کرامت اور آپ کی گفتگو سے علاماتِ برکات ظاہر

ہوتی ہیں۔ دریا کے کنارے آپ کا بہت خوبصورت اور دلنشین تکیہ (جاے قیام) ہے۔ مقررہ

اوقات پر آپ خلوتِ گاہ سے باہر آتے ہیں اور ملاقات کے خواہش مندوں سے ملتے ہیں۔ اکثر

ہندو اور مسلمان شرفِ نیاز حاصل کرنے کے لیے اس تفریح گاہ پر آتے ہیں اور نہایت توقیر و تکریم

کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ محفل میں جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، آپ کے پرستار

دونوں طرف مور بیکھی جھلتے ہیں۔ اور طرح طرح کے بھول، انواع و اقسام کے میوے اور شیرینی

آپ کے سامنے چُن دیتے ہیں، آپ (حاضرین میں سے) ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا دے دیتے ہیں۔ ایسے

رعب کے ساتھ بیٹھے ہیں کہ حاضرین میں طاقتِ گویائی باقی نہیں رہتی۔ اور خود بے ضرورت ایک

لفظ نہیں بولتے۔ آپ کے بیٹھنے کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ شغلِ باطنی میں مصروف ہیں۔ بغیر کسی

کوشش کے مختلف المزاج حاضرین کو اطمینان و جمعیتِ خاطر حاصل ہو جاتا ہے اور ہر شخص خاموش

رہنا چاہتا ہے۔ ہاں، قوال برابر قوالی کرتے رہتے ہیں۔ دولت مند ہندو آپ کی بہت خدمت

کرتے ہیں اور بڑی بڑی رقمیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اپنے غلط عقیدے کی وجہ

سے انھیں اس عہد کا گرو نانک سمجھتے ہیں۔

اُس جگہ کے خدام بہت خوش حال نظر آتے ہیں۔ (ان میں سے) اکثر لوگ عیش و آرام کی

زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو ضرورت مند اُن کے وقت کے مطابق آتے ہیں اپنی قسمت کا پاتے ہیں۔ چونکہ آپ کا مسکن دریا کے کنارے ہے اور اُس کے نیچے کشتیاں تیار رہتی ہیں، اس لیے ہر روز عجیب و غریب ہجوم اور بہت دلچسپ تفریح ہوتی ہے۔ بے شمار ایلی منشان (عورتیں) میاں سوار وہاں آتی ہیں، رختوں کے سارے میں سواری چھوڑ کر تفریح کرتی ہیں اور مجنوں (مجنوں ناک شاہی) سے تنہا ملاقات کرتی ہیں۔ اپنی پوشیدہ تمنائیں بتاتی ہیں اور دل کی مرادوں کے حصول کی گزارش کرتی ہیں۔ زبانِ حال سے یہ شعر پڑھتی ہیں۔

ایک رات کو مجنوں نے لیلی سے کہا کہ اے معشوق بے پروا تیرے عاشق تو (بہت سے) ہوں گے، لیکن مجنوں جیسا کوئی نہیں ہوگا۔

برسات میں آپ کے تکیے کے آس پاس عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ نشاط طلبوں کو عجیب و غریب مسرت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ دسویں محرم کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے علم کو غسل دیا جاتا ہے تو یہاں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ اس مقام پر طرفہ رونق ہوتی ہے۔ صالح کل کے ماننے والوں کے لیے یہ مقام چھوڑنے کے قابل نہیں ہے۔ اور یہ بزرگ اس لائق ہیں کہ اُن کی صحبت میں رہا جائے۔

قدوہ اصفیای معارف آگاہ شاہ عزیز اللہ

آپ کا مزار مبارک پرانی دلی میں ایک معقول مقام پر ہے۔ ارادت مندوں نے اپنی عقیدت کی وجہ سے چھوٹی سی خوبصورت عمارت بنا دی ہے اور اس کے چاروں طرف ایک احاطہ تعمیر کر دیا ہے۔ اس مقام کی ٹھنڈی ہوائیں فردوس بریں کی ہواؤں سے باج اور اُس کی کیاریوں کے پھولوں کی خوشبو باغِ ارم سے خراج لیتی ہے۔ گوشہ نشینوں کے لیے عشرت گاہ اور خلوت طلبوں کے لیے تماشا کدہ ہے۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ وہاں اُن کے خلیفاؤں میں کوئی نہ کوئی مشغولِ عبادت نہ ہو، اس جگہ پہنچتے ہی بیخودی سی طاری ہو جاتی ہے اور آپ کے طور

طریق دیکھ کر آدمی ہوش و حواس گم کر دیتا ہے۔ آپ کے زمانہ حیات میں ایک گنہگار تھا جب بھی وہ اپنے مہربے مغز کو گھر سے باہر نکالتا، کوئے چوچیں مار مار کر اس کے سر کو مجروح اور چھلنی کر دیا کرتے تھے۔ شہر کے تمام لوگوں سے اور تمام مزاروں سے التبا کرتا۔ کسی در سے اس کے جرم کی معافی نہیں ہوتی۔ اس عہد کے بڑے لوگوں نے بتایا کہ اگر اس آستانہ کرامت نشانہ پر جاؤ گے تو نجات مل جائے گی، اس لیے بابرکت توجہاتِ عالیہ سے مدد کے خواستگار ہو۔ بیچارے نے جیسے ہی اس خانقاہِ فلک نما سے رجوع کیا، فوراً اُس کے دل کی تمنا پوری ہو گئی۔ آپ کی عجیب و غریب کرامات بے حد بے شمار ہیں۔ آج بھی لوگ آپ کے مزارِ مبارک سے مدد و استغانت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ عرس کے دن خاص سماع ہوتا ہے۔ بوڑھے اور جوانوں کو آستانہ پر وجد آتا ہے۔ (آپ کا آستانہ) نیک لوگوں کی طواف گاہ اور زیارت گاہ ہے۔

ذکر سلطان شمس الدین غاری

آپ کا مزارِ مبارک درگاہِ قطب الاقطاب کے قریب ایک غار میں ہے۔ اگرچہ بادشاہوں میں تھے لیکن اربابِ فوق اور مواجید کی صحبتوں میں رہ کر ولایت کے انتہائی مدارج تک پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ کے کمالات کی تفصیل ریاض الاولیاء جو تذکرہ ہے، سے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے روضے کے چمن زار کی ہوا نمونہ بے روضہ رضواں کا اور وہاں کی سر زمین فیض آگینِ خلکس ہے خلد بریں کے شگفتگی عنوان کا۔ برسات کے موسم میں خود رو سبزہ و گل سے (یہ مقام) رشک گلشنِ کسٹمیہ اور اعتدال ہوا اور کیفیتِ فضا سے دلچسپ و دلپذیر ہو جاتا ہے۔ زیارت کے دوران زائرین کی تفریح ہو جاتی ہے اور اثنائے طواف میں رنگین کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے۔ **اللہم ارزقنا واعف عنا۔**

مقدمۃ الجیش معمرکہ وجد و حال شاہ کمال

عالم فقہ میں بہت رنگین اور شہادے واقع ہوئے ہیں۔ لباس کی خوبصورتی اور خرقہ پوشی میں آپ بے نظیر ہیں۔ آپ کا لباس نفیس اور باریک کپڑے سے تیار ہوتا ہے۔ اور غذا میں

بھی عجیب و غریب تکلف اور نفاست سے کام لیا جاتا ہے۔ تناسبِ اعضا اور اعتدالِ قویٰ کی وجہ سے لوگ انھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ وجد و حال و سماع کے بہت زیادہ شائق ہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیہ اور استعاراتِ مشائخ کو رنگین گفتگو اور دلنشین اداؤں میں بیان کرتے ہیں۔ اکثر محفلوں اور عرسوں میں تشریف لاتے ہیں۔ آپ کی حرکاتِ تواجدِ نشاں اور سکناات ہاے بے تکلفانہ سے لوگ بہت مزہ لیتے ہیں۔ اور فارسی اور ریختہ کے اشعار ایسے مناسب انداز میں پڑھتے ہیں کہ عجیب لطف ملتا ہے۔ جب وہ شعر پڑھتے ہیں تو سننے والے کو حلاوت اور بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ شعر گوئی میں اسمِ بامسمیٰ ہیں۔ آپ کی صحبتِ غنیمت اور آپ کی محفلِ پُراز کیفیت ہے۔

شاہ غلام محمد

داراشکوہ کے طویلے کے پاس آپ کی خانقاہ ہے۔ ہر منگل کو مجلسِ سماع منعقد ہوتی ہے۔ تمام شہر کے قوال اور دوسرے اربابِ فوق حاضر ہوتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ آپ کی پیشانی مبارک سے روحانی کمالات کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ گفتگو کے دوران جب آپ کے مُنہ سے ہلکتے ہوئے بھول جھڑتے ہیں۔ اُن سے فضائلِ انسانی کی علامتیں اور خصوصیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بیشتر اوقات خاموش رہتے ہیں اور اکثر مراقبے میں رہتے ہیں۔ (چوں کہ) آپ کو سماع کا بہت شوق ہے۔ تاجِ خاں قوال کے گھر پر ہر مہینے کی پانچ تاریخ کو محفل ہوتی ہے۔ (تاجِ خاں کو) آپ سے خاص عقیدت ہے۔ آپ (اس محفل میں) رونق افزا ہوتے ہیں۔ جو معتقد زیارت کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، (اُن پر) بہت کرم فرماتے ہیں۔ اور رنگین و دلچسپ گفتگو سے انھیں محفوظ فرماتے ہیں۔ طالبوں کے لیے آپ کی صحبت اہم اور ہدایت حاصل کرنے کے خواہش مندوں کے لیے آپ کی خدمت مغنم ہے۔

ذکر شاہِ رحمت اللہ

شہر کے مشائخ کے پیشوا ہیں اور اتنے مشہور ہیں کہ ساری دنیا میں اُن کا چرچا ہے۔

حکومت کے اعلیٰ عہدے داروں میں سے بیشتر کو اُن سے عقیدت ہے اور اُن کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ اور تمام لوگ اُن کے بلند مرتبہ سلسلے سے ارادت رکھنے کی وجہ سے (اُس در سے) وابستہ ہیں۔ (آپ کی محفل میں) ہمیشہ حلقہ ذکر اور محفل کرامت میں سماع رہتا ہے۔ آپ کی چار بیویاں ہیں۔ باری باری ایک ایک رات ہر بیوی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن آپ کے طور طریق سے جو انوں کی طاقت محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ روحانی کیفیت سے لبریز ہیں۔ لیکن مے فروش کی محبت میں ہمیشہ ڈوبے رہتے ہیں۔ غالباً یہ بنا بر مصلحت اور ظاہر ابرائے حکمت ہوگا۔ ضرورت مندوں کی سفارشات میں آپ کا قلم فیض رقم بے اختیار اور وزیر اعظم کے عہدے کے لیے بھی آپ کی انگلیاں (انامل و جد شواہل) درکار ہیں۔ معجزوں سے لبریز آپ کا وجود واجب التعظیم اور آپ کے قدم مبارک قدم لازم التکریم ہیں۔

اعظم خاں سپر فدوی خاں

یہ خانجہاں بہادر عالم گیری کے بھتیجے ہیں۔ امرائے عظیم الشان میں ہیں۔ مزاج میں رنگینی اور موسیقی میں مہارت حاصل ہے، اس لیے ہندوستان کے موسیقار ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت امر و پسند ہے اور مزاج سادہ رویوں کی محبت میں گرفتار ہے اُن کی جاگیروں کی آمدنی اس فرقے پر خرچ ہوتی ہے۔ اور تمام دنیا کی دولت ان مردوں کے قدموں پر نثار۔ جہاں کہیں کسی امر و کی خبر ملتی ہے، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس پر اپنی رفاقت کی کند ڈالتے ہیں۔ اور جہاں کہیں سے کسی سادہ رو کا پیغام ملتا ہے اُسے اپنے احسان کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ اس گروہ کے بہت سے لڑکوں نے اُن کی حسن سستی سے مناصب مناسب پر امتیاز حاصل کیا ہے اور (اب بھی) اُن کے دوست ہیں۔ بعضے خانگی مراعات پر اکتفا کر کے مغل نشاط میں رونق افروز ہیں۔ (یہ امر و) بڑی شان و شوکت سے ناقابلِ بیان تہل کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ غرض جہاں کہیں کوئی سبزہ زنگ نظر آئے، وہ اعظم خاں سے منسوب ہے۔ اور جہاں کہیں کوئی نوخط نظر آئے، تو پتا چلتا ہے کہ اسی عظیم الشان سے وابستہ ہے۔ ان گلرخوں

کے حسن کے پر تو سے (اعظم خاں) بڑھاپے کو جوانی میں بدلے ہوئے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ عمر عزیز بہت کم باقی ہے۔ نفسانی لذتوں کے حصول میں عجلت سے کام لے رہے ہیں۔

مرزا منو اس زمانے کے امیر زادوں میں ہیں اور اس فنِ سحرِ کاری میں یگانہ روزگار ہیں، اکثر امیر زادے اس علم کے اہم نکات انہی سے سیکھتے ہیں، وہ ان (اعظم خاں) کی شاگردی پر منحصر کرتے ہیں۔ (مرزا منو) اس محفل کے منتظم اور اس بزمِ علمان کے مہتمم ہیں۔ ان کا گھر بہشتِ شاد ہے اور ان کا کاشانہ مجمع پر زیادہ ہے۔ ہر وہ نوخط رنگیں، جس کا اس محفل سے تعلق نہیں ہے، وہ مردِ باطل ہے اور جس سانولے سلونے کا اس مجلس سے ربط نہیں ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ ان کی مجلس میں حسین مردوں کی پرکھ ہوتی ہے اور ان کی محفل گھر خوں کی کسوٹی ہے۔ اگر حسن کے سونے چاندی کا سکھ ان کی محفل کی دارالضرب میں نہ ڈھلے تو کھرا نہیں ہوتا۔ کیا ہوا اگر وہ (حسین) سونا چاندی ہے۔ جب حسن کی چاندی اس محفل کی بھٹی میں نہ پگھلے، چاندی نہیں ہے۔ کیا ہوا اگر چاندی خالص ہے۔ رباعی :-

دوستو اب قمار خانے میں ایسے کچھ ہی رند باقی ہیں،
جو کم عیار لوگوں سے نہیں ملتے۔

رند بہت کم ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ بہت کم ہیں۔
(یہ رند) دو عالم کے نقد و ادھار (اس دنیا کے نقد
اور آخرت کے ادھار) پر ہنستے ہیں۔

ذکر لطیف خاں

ان کی صحبتوں کا لطف عشرت طرازوں کا دستور العمل ہے اور ان کی محفل کے طور طریق عیش پسندوں کے معمول ہیں۔ امیر زادوں میں ہیں۔ ان کی بہت مصروف بزمِ آرائی ان کی کوششیں مشغولیِ نعمہ سرائی رہتی ہیں۔ موسیقی میں اس درجے کی مہارت حاصل ہے کہ نعمت خاں اکثر ان کے گھر آتے ہیں۔ اور ان کے گانے کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کے گانے

میں ایسا مزہ ہے کہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداران اُن کی محفل میں باریابی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ خداداد قابلیت رکھنے میں بے نظیر اور رنگین گفتگو کرنے والے دوست ہیں۔ ہر وقت خم کی طرح نشہ سیہ مستی میں سرشار اور ساغر کی طرح ہر دم مینا کی خدمت میں سرگرم صہبا پرستی رہتے ہیں۔ محفلوں میں رنگین اشعار پڑھتے ہیں۔ اہل محفل کی تفریح طبع کے دوران بچپ قصے کہانیاں سنا کر نقل محفل کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ دوستوں کی دلجوئی کا یہ عالم ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ اُن کی محفل میں پہنچ جاتا ہے، خود کو اُن کا بہت پرانا دوست سمجھنے لگتا ہے۔ دوستوں کے دل رکھنے کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ اُن سے ملاقات ہوگی تو اُن پر تمام زندگی کا حق انتفات ہو گیا۔ مینا و جام کی طرح ہر ایک کی تواضع کرتے ہیں۔ اُن کا دل نواز رویہ ہر شخص پر نشے کی سی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ بات کلفت حقے اور شراب نوشی کے ظروف ہر ایک کے سامنے علیحدہ علیحدہ رکھے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کے سامنے الگ الگ گلابی اور گزک کا سامان اس طرح رکھا جاتا ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ موسیقار باری باری دہرِ خوش ادائی دیتے ہیں۔ اور حریفانِ خوش نوا اپنے اپنے مرتبے کے مطابق ترنم سرانی کرتے ہیں۔ اس (موسیقی) کے دوران لطیف گوئی بھی ہو جاتی ہے، بذلہ سنجی بھی ہوتی ہے اور بدیہہ گوئی بھی۔ دو گھنٹے دن بے محفل شروع ہوتی ہے۔ اور ایک گھڑی رات تک جاری رہتی ہے۔ جب نقرہ وقت آجاتا ہے تو (لطیف خاں) آرام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور لوگ اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اکثر نور بانی اور دوسری طوائفیں گانے والے، سازندے اور رقاص اس محفل میں شامل ہوتے تھے۔ تمام دولت بادشاہ کے قدموں میں پھیلا کر دی ہے اس لیے آج کل پہلا جیسا ہجوم نہیں ہوتا۔ ہاں مخصوص لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک گھڑی بات تک عیش کرتے ہیں۔ یہ شعرا اکثر اُن کی زبان پر ہوتا ہے یا دگر کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

مے نوشوں کی محفل میں دورِ صبح و شام نہیں ہوتا۔

یہاں جام گردش میں رہتے ہیں ابام نہیں۔

ذکر کیفیت بسنت

جس مہینے میں بسنت واقع ہوتی ہے، اُس مہینے کی پہلی تاریخ کو جناب رسالت

پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف پر طرفہ مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ اس دن صبح سے شہر کے تمام لوگ سچ دھج کر آتے ہیں۔ اُس بہارستان فیض کے راستوں پر دونوں طرف مختلف رنگوں کے فرش بچھا کر اپنی اپنی جگہ کی آرائش کر کے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اُس سعادت کدے کے آس پاس اور صحن میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور خوشی و انبساط حاصل کرتے ہیں۔ اور قوالوں، مجراؤں اور زائروں کے لیے چشم براہ رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ کب (قدیم شریف کے) صحن میں قوال اور موسیقار پورے تڑک و احتشام سے، قسم قسم کے گلدستوں اور طرح طرح کے پھولوں کو گل دانوں میں سجائے، پورے خضوع و خشوع کے ساتھ روح مقدس سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کی نیاز کے لیے بہت آہستہ آہستہ ہر قدم پر زمزمہ سنجی کرتے ہوئے آتے ہیں؛ ان لوگوں کے ساتھ کچھ لوگ گلاب، عرق بید مشک، عرق بہار اور دوسرے عطریات کے گلاب پاش ہاتھ میں لیے اس متبرک مقام کے زائرین پر خوشبوئیں چھڑکتے ہیں۔ خوبصورت مردوں کے ہاتھوں میں چین میں بنے ہوئے گلاب پاش دیکھ کر تماشائیوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اور عقل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ وہاں کے راستوں کی گرد خوشبوؤں کی کثرت سے عبیر خیز اور خوشبوؤں کی کثرت سے اس مقام فیض الانوار کے درو دیوار کی ہوا عطر انگیز ہے۔ یہ حالت دیکھ کر جنون بے اختیار ہو کر نالہ و فریاد کرتا ہے۔ ایسے منظر دیکھ کر طبیعت بگولے کی مضطرب ہو جاتی ہے۔ نوجوان اور نوجیز خوبصورت مطرب عجیب و غریب جلوؤں اور آداؤں کے ساتھ اُس شفاعت گاہ (قدم شریف) میں الگ الگ صفیں باندھے ساز و نوا کے ذریعے عقیدت و بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف معمر قوال، نیاز مندوں کا ایک، گروہ بنائے (کذا) خضوع و خشوع کے ساتھ اس آستانے پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ ہر طرح کے اربابِ طرب، ہر گوشہ و کنار میں کسی کی فرمائش کے بغیر اپنے فن، جس کو وہ عباد سمجھتے ہیں، کا اظہار کرنے کے لیے رقص و سرود کرتے ہیں، ثقہ اور سنجیدہ زائرین مسلسل درود شریف پڑھتے ہیں۔ صبح سے عصر کی نماز کے وقت تک گانے و لے باری باری مساعی حمیدہ کے ساتھ بندگی پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں اور قبول و تمنا کے پھول اپنے دامن میں بھر کر لے جاتے ہیں۔

دوسرے دن موسیقار اسی طرح ساز و نوا کے ساتھ حضرت قطب الاقطاب کی زیارت کو جاتے ہیں۔ عقیدت اور بندگی کا اظہار کر کے، واپسی میں حضرت چراغ دہلی کے طواف سے اُمید کی شمع روشن کرتے ہیں۔ چوں کہ حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شہر سے بہت قریب ہے اور فرطِ عقیدت کی وجہ سے لوگ اس کی زیارت کے بہت شائق ہیں، اس لیے تیسرے دن درگاہ حضرت چراغ دہلی میں مخصوص محفل منعقد ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجے کی محفلِ سماع منعقد ہوتی ہے۔ صوفیہ وجد و حال میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اور فقرا و مشائخِ خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس خیال سے کہ حضرت شاہ حسن رسول نما کا مزار عین شہر میں واقع ہے اور موسیقاروں کو آپ سے دلی تعلق ہے۔ وہاں زبردست مجمع ہوتا ہے۔ اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ زائرین کے لیے چلنے پھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ اس درگاہ فیض آگین کے آس پاس گانے والوں اور نقالوں کی اتنی کثرت ہوتی کہ بہت وسیع ہونے کے باوجود تیل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ پانچویں دن درگاہ حضرت شاہ ترکمان، جو سوادِ پیشِ گاہِ فلکِ اشتباہ ہے۔ اربابِ نشاط و حال اور حسینوں کے اجتماع کی وجہ سے رشکِ فردوسِ بریں اور رشکِ انجم و پروین ہو جاتی ہے۔ چونکہ اکثر اچھے قوال اس درگاہِ کرامت آثار کے قریب رہتے ہیں، اس لیے ہمسائیگی کا حق ادا کرنے کے لیے عام طور سے دوسری جگہوں کے مقابلے میں یہاں زیادہ نازکی اور عمدگی سے گلے ہیں۔ اور سننے والوں کو ممنون کرتے ہیں۔

چھٹے دن مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ اور امرا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مادی منفعت حاصل کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اس پہینے کی ساتویں رات کو رقاہ اکٹھا ہو کر احدی پورہ میں مدفون ایک عزیز کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔ قبر کو خالص شراب سے دھوتے ہیں اور ساری رات سانس لیے بغیر انگٹا (باری باری رقص و سرود میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ ایسی حرکتوں سے مرحوم کی روح کو راحت ملے گی۔ قوال بھی گروہ درگروہ آتے ہیں۔ رنگین محفل کا انعقاد ہوتا ہے۔ خوبصورت لوگ وہاں آتے ہیں۔ وہاں خلوت بھی نصیب ہوتی ہے اور عجیب و غریب

صحبت میسر آتی ہے۔ غرض چھ روز تک اس تقریب میں تماشا گیانِ عشرت پرست اور نظار گیانِ سبک سیر چابک دست دادِ انبساط دیتے ہیں اور ایک ہفتے میں ایک سال کیے لذتوں کا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں۔ کیا خوش حال ہیں یہ لوگ۔

ذکر یازدہم میرن

موصوف کی انکساری و وسعتِ افلاق، کثرتِ تواضع، مہانداری اور بزمِ آرائی کا یہ حال ہے کہ ہمسران سے حسد کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ اربابِ رقص و نشاط کے داروغہ ہیں اور اہلِ طرب کا ان کے پاس آنا جانا ہے، اس لیے مطعون ہیں۔ چوں کہ وزیر الممالک کو مے نوشی کا شوق اور اہلِ حسن و جمال اور عشوہ طرازوں کا ذوق ہے اس لیے وزیر الممالک کی نظر میں، حسنِ خدمات کی وجہ سے میرن معزز و محترم ہیں۔ انھیں حسینوں کی تلاش کا ملکہ حاصل ہے۔ ہر روز ایک نئے پری پیکر کو اپنے جادو سے تسخیر کرتے ہیں۔ (وزیر الممالک) دوسرے مصاحبوں کے مقابلے میں ان پر زیادہ مہربان ہیں۔ ان کا گھر گھر خوں کے کثرتِ جلوہ سے گلشنِ آباد ہے اور ان کا کاشانہ مہ جبینوں کی موجودگی کی وجہ سے آشیانہ پر زیادہ ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی حسین ہے، ان کی محفل کا خواہاں ہے جس کسی کو حسن کا نشہ ہے، ان کی بزمِ سراپا کیفیت کا شیفٹہ ہے۔ کلاوت بچوں میں سے خوبصورت مردوں کا ان کی محفل میں ہجوم رہتا ہے اور ہندو اور مسلمان نوظطلوں سے ان کی محفل بھری رہتی ہے۔ چوں کہ ہر مہینے کی گیارہویں کو مجلس ہوتی ہے بغیر بلئے رقص صبح ہی سے ان کی محفل میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اپنے دیدہ و دل پر احسان کرتے ہیں اور رقص و سرود میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قوال و نقال (انعام و اکرام کی) توقع کے بغیر اظہارِ بندگی کرتے ہیں۔ بہت سے خیمے لگائے جاتے ہیں، رنگین فرش بچھائے جاتے ہیں۔ اہلِ شہر کے لیے صلا سے عام ہوتی ہے منتخب روزگار اس محفل میں ہوتے ہیں۔ اس محفل میں دلربا حسینوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ انسان کم ہو جاتا ہے اور ندیدوں کی طرح لہجائی ہوئی نظروں سے دیکھنا رہتا ہے۔ ہر ایک کے لیے عیش و عشرت کا سامان مفت ہے۔ اس مقام کے تماشے کی کوئی قیمت نہیں۔ اپنے گھر پر بے انتہا دولت لٹانے پر بھی یہ صحبت

اور یہ تماشا نصیب نہیں ہو سکتا اور یہ کیفیت میسر نہیں آ سکتی۔

تمام رات شمع اور چراغ اتنی بڑی تعداد میں روشن ہوتے ہیں کہ پوری محفل نور علی نور اور پورا ماحول وادی طور بن جاتا ہے۔ اُس بزم گاہِ تجلی دستگاہ کے صحن میں اربابِ حرفہ کھانے پینے کی طرح طرح کی دکانیں رکائے تماشا میوں کے ہاتھ سامان فروخت کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ محفل تعلقات کو بہتر بنانے اور نئے تعلقات قائم کرنے کے لیے سجائی جاتی ہے، اس لیے مہمان داری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ ممتاز اور مخصوص لوگوں کو جہاں مدعو کیا جاتا ہے، وہ جگہیں خوبصورت فرشتوں اور رنگین ماحول کی وجہ سے ایک دوسرے سے رشک کرتی ہیں۔ کھانے پینے کے سامان اور پھولوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ جو حضرات نے نوشی کا شوق رکھتے ہیں، انہیں تردماغی کے لیے صہیا کشتی کی اجازت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی خدمت میں طرح طرح کے عطر پیش کیے جاتے ہیں بغرض (میرن) مہانداری میں بے بدل اور بزم آرائی میں بے مثل ہیں۔ اُن کے گھروالے امرا کے گھروں کی طرح دنیا بھر کے پری رخوں کی جلوہ گاہ ہے۔

ربیع الاول کی بارہویں کا ذکر

سرائے اعراب اعراب سرائے) بادشاہی قلعے سے تین کروہ کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں اہل عرب رہتے ہیں۔ یہ سب بادشاہ کے وظیفہ خوار ہیں، اس لیے یہاں کی رونق ہی الگ ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں اور خاص طور سے بارہویں تاریخ کو عجیب و غریب مجمع اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس سرائے کے وسط میں مسجد ہے اور مسجد میں ایک وسیع حوض ہے۔ اس کی فساد لکشا ہے۔ اسے مکرم خاں مرحوم نے تعمیر کرایا تھا، تقریباً دو ہزار عرب اس مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور تمام رات دردناک اور دلنشیں ترنم سے وہ قصیدے پڑھتے ہیں، جو عبادِ شاءوں نے آنحضرت کی مدت میں لکھے تھے۔ شعر:

جو بگ خدا پرستی کرتے ہیں وہ نور مہٹ کی آواز پر

بھی تھوم جاتے ہیں۔

ان قصیدوں پر صوفیہ کو وجد و حال آتا ہے۔ ہر طرف سے نماز و درود کی اور ہر سمت

سے تسبیح اور کلمہ پڑھنے کی آوازیں کانوں میں آتی ہیں۔ تمام رات یہ عمل جاری رہتا ہے، اور جیسے ہی صبح کے آثار نمودار ہوتے ہیں، ختم قرآن شریف میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ سب کے سب حافظ ہیں اور قرأت و تجوید کے قاعدوں سے واقف ہیں۔ اس لیے سننے والوں کو بہت مزہ آتا ہے۔ اور نمازِ سراپا حضورؐ کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ اور خاص طور سے نیک اور پارسا حضرات ہم خیالی کی وجہ سے اس محفل میں آکر آخرت کے بے ثواب کماتے ہیں اور روحانی مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لذتِ ذائقہ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ چوں کہ اہل عرب مہانوں کی تعظیم و تکریم میں ضرب المثل ہیں۔ وہ آنے والوں کو مرحبا کہہ کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس سرائے میں کھجوریں خوب ہوتی ہیں، کھجوروں سے استقبال کرتے ہیں۔ رات کو طرح طرح کے کھانوں سے تواضع کی جاتی ہے۔ قہوے کے بڑے بڑے پیالے، جن میں کبھی کبھی مٹھاس بھی ڈالی جاتی ہے، لگانا لوگوں کو پیش کیے جلتے ہیں۔ چونکہ قہوے سے متلی ہونے لگتی ہے، اس لیے مہان ردو قبول کی سخت اذیت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ خان صاحب کے ساتھ فقیر بھی، سر دفتر اشفاق کیشاں، سید حشمت خاں کے ہاں گیا تھا۔ اس شعر کے معنی اس جگہ پر صادق آتے ہیں۔ شعر:-

میں ایک روز ایک عربی کے گھر مہان گیا۔ اتنا قہوہ پیا
کہ میں قہوہ دان بن گیا۔

غرض ثقہ حضرات کے لیے یہ جگہ فال بھی ہے اور تماشا بھی۔ کچھ لوگ نمکین عربی مردوں کو دیکھنے آتے ہیں۔ حالاں کہ ان مردوں کا لباس خوبصورت ہوتا ہے اور نہ ضابطے کے مطابق۔ محبت کا جذبہ اور دلکش ادائیں بھی نظر نہیں آتیں۔ وہاں مخلصی کے لیے اس شعر پر عمل ہوتا ہے۔ شعر:-

حقیقت کے طالبوں کو اونٹ میں بھی وہی دکھائی
دیتا ہے جو چین اور چنگل کے حسینوں میں نظر آتا ہے۔

صبح کو جب گھر واپس آتے ہیں تو (راستے کی) ہوا و فضا سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کی قبروں اور عظیم الشان عمارتوں کے کھنڈر دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ شعر:-

یہ وہم و گمان کا گھر رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اپنے
بام و در کی کیفیت سے عبرت حاصل کر۔

اگرچہ سرور کائنات علیہ اکل التخیلات کا بارہویں ربیع الاول کو عرس بڑی دھوم
دھام سے ہوتا ہے۔ چراغاں بندی کی جاتی ہے اور سماع کی پر کیفیت محفلیں منعقد ہوتی ہیں،
خان زماں بہادر جو محمد شاہ بادشاہ کے اعلا امیروں میں ہیں، اُن کی بزم آرائی کے انداز مخصوص
ہیں۔ خان زماں کے طور طریق اور خوبیاں انگنت ہیں۔ اُن کے عظیم شان دیوان خانے کا اگلا
حصہ نیک بختوں کی پیشانی کی طرح کشادہ ہے۔ صحن میں آب حیات کا حوض ہے۔ اس
مقام پر یہ دلنشیں محفل سجائی جاتی ہے۔ محفل میں ایسے رنگین قالین بچھائے جاتے ہیں کہ
گلشن بھی اُس پر رشک کرتا ہے۔ اس پر سعادت مکان کے وسط میں آنحضرت کے آثار
شریف کا صندوق لاکر رکھا جاتا ہے۔ (صندوق کے) چاروں طرف زائرین بیٹھ جاتے ہیں اور
درد شریف پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ صندوق درمیان میں لاکر رکھا جاتا ہے۔ ہر طرف
کے لوگ باری باری اس صندوق کے قریب آنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اور اس دوران
درد و سلام پڑھتے جاتے ہیں۔ اور تبرکات سے آنکھیں روشن کر کے نجات کا پروانہ حاصل
کرتے ہیں۔

شام تک لوگ آثار مبارک کی زیارت کرتے رہتے ہیں اور سعادت حاصل کرتے ہیں۔
مغرب کی نماز کے بعد اس صندوق شفاعت کو اچھی طرح بند کر کے سماع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔
قوالانِ خوش لہجہ اور نغمہ طرازانِ رنگین زمزمہ اجازت کے منتظر رہتے ہیں، اربابِ محفل کی توجہ
پاتے ہی نغمہ سرا ہو جاتے ہیں۔ اور صوفیہ صافیہ وجد و حال میں تڑپنے لگتے ہیں۔ ہر طرف سے شور و
غوغا بلند ہوتا ہے۔ اور اہل حال نالہ و فریاد کرنے میں وجد کرنے والوں کی تعظیم میں اربابِ مجلس
کھڑے ہو جاتے ہیں، ہر طرف گھوم کر فیض اٹھاتے ہیں۔ اُس محفل میں اتنے لوگ ہوتے ہیں اور ایسا
ہجوم ہوتا ہے کہ محفل درہم برہم ہو جاتی ہے۔ سب لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے
کہ ہوش گنوا بیٹھے ہیں۔ اہل محفل خدا کے بنائے ہوئے کرشموں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن سے
لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شعر:-

میں نے جو کچھ دیکھا، اُس میں تیرا ہی جلوہ نظر آیا۔
شوخی سبزہ ہو یا پھولوں کی پاکیزگی۔

ذکر کیفیتِ کسل پورہ

کسل سنگھ بادشاہ کے ہزاری منصب داروں میں ہیں۔ ہم سروس میں اپنی دولت و ثروت پر فخر کرتے ہیں۔ کسل پورہ بڑی خوبصورتی اور تکلف کے ساتھ آباد کیا ہے۔ ہر طرح کی طوائفوں اور زنیوں کو لاکر آباد کیا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں اور نشہ آور اشیا کے فروخت کرنے والوں کو اپنی سرپرستی میں وہاں لاکر رکھا ہے۔ اگرچہ وہاں بہت بھڑکتی ہے، لیکن محتسب اس علاقے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا، اس کی کیا مجال کہ احتساب کرے۔ ہر راستے پر رنگ برنگے لباس پہنے عورتیں خود کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور ہر گلی کوچے کے موڑ پر دلال لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ کسل پورے کی ہوا شہوت انگیز اور فضا باہ انگیز ہے۔ خاص طور سے شام کو بہت مجمع اور عجیب ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہر گھر میں رقص ہوتا ہے اور ہر مکان میں سرود۔ اہل ہوس بغیر کسی مزاحمت اور مانعت کے وہاں آتے ہیں اور دامنِ شہوت کو خیارک اور سوزاک (جیسی بیماریوں سے) بھرتے ہیں۔ اور پھر باقی زندگی حسرت و یاس میں گزارتے ہیں۔ غرض عجب مقام اور طرف تماشا ہے۔

ذکر کیفیتِ ناگل

خواجہ بسنت اسد خانی کی سرائے کے قریب ایک احاطہ ہے بہت خوبصورت اور صاف ستھرا۔ اس میں ناگل نامی ایک صاحبِ کمال مدفون ہیں۔ ہر مہینے کی ستائیس تاریخ کو عاشق مزاج عورتیں خوب سچ دھج کر جوق در جوق زیارت کے لیے وہاں آتی ہیں، حقیقت میں اُن کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ جن مردوں سے اُن کا تعلق ہوتا ہے، اُن سے مل کر دادِ عیش دیتی ہیں۔ بہت سے مجرّم اور پردیسی لوگ خوب بن سنور کر، اس امید میں کہ شاید انھیں کوئی قبول کرے، اُس جلوہ گاہ میں خود کو پیش کرتے ہیں۔ مصرع :-

دیکھیے دوست کسے چاہے گا اور کس پر توجہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ اس مقام کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر پرولسی اس تفریح گاہ میں آجائے تو فوراً اُسے اپنا جوڑا مل جاتا تھا۔ اگرچہ یہ تماشگاہ بہت وسیع ہے پھر بھی تماشائی راتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ لوگ وہاں صبح آتے ہیں اور شام کو واپس جاتے ہیں۔ سڑک کے کنارے جو باغ ہیں، واپسی میں ان کی سیر کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ غرض عیش و عشرت کے سامان فراہم کیے ہیں اور خوب چیزیں اخراج کی ہیں۔ خدا تمام دوستوں کو نصیب کرے۔

ذکر ریتی مہابت خاں

اُس ریگستان میں، جس کا ذکر بہت طویل ہے، رنگین جوان اور سراپا تزیین پہلوان کشتی لڑنے اور قوت و پہلوانی کی نمائش کے لیے بہت بڑی تعداد میں یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ہر کوئی قوت و فن میں اپنی جوڑے سے کشتی کرتا ہے۔ ایسی عجیب و غریب حرکتیں عمل میں آتی ہیں، جن سے دیکھنے والوں کا دل بہلتا ہے۔ اور ارباب تماشا محفوظ ہوتے ہیں۔ ہر گوشہ و کنار میں مجمع لگتا ہے اور ہر طرف لوگ اکٹھا ہوتے ہیں۔ جس سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ان کھیلوں کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ اور لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں اور پھر مقررہ دن یعنی اتوار کو آکر مسعر کے آرائی کرتے ہیں۔ اس مقام کی سیر لطف سے خالی نہیں ہے۔ اکثر خوبصورت مرد آتے ہیں اور تماشائی ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ذکر سخن سازانِ محافل

صاحب کمالے و معنی طرازانِ مجامعِ شیریں مقالے

مرزا جانِ جاناں

آپ کی نزاکت مزاج بہار۔ امتزاج گلشنِ معذت کی آب و ہوا کی پرورد ہے اور

تعریف و توصیف سے بے نیاز ہے۔ اس امید میں کہ شاید کبھی اُن کی مدح میں اوراقِ گل کا تار پود کام آئے۔ بادِ صبا سرگرم چمن آرائی ہے۔ اس خیال سے کہ کسی قلم نگس کو اُن کی خوبیاں تحریر کرنے کا موقع ملے قوتِ نامیہ گلشنِ پیرانی میں مصروف ہے۔ جس منظر پر اُن کا کلام لکھا جائے اُس کے تارِ گل سے بنائے جائیں، تو مناسب ہوگا۔ اگر اُن کے افکار کے مسودات چشمِ بلب کے پردے پر تحریر کیے جائیں تو درست ہے۔ اُن کے روزِ مرہ کی پاکیزگی اور گفتگو کی دلاویزیِ نکہتِ گل کی طرح سامعین کے مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے۔ اُن کے کلام کی پاکیزگی جنوں طینت لوگوں کے لیے نسیمِ بہار کی طرح شورِ انگیز ہے۔ اداسے سخن میں وہ شوخی ہے کہ سننے والا جب نئی نئی تشبیہیں و استعارے سمجھ کر مفہوم سمجھ لیتا ہے تو دوسرے ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ اُن کے اندازِ نکلیم کا یہ عالم ہے کہ سننے والا جب اُن کی بات سمجھ لیتا ہے تو اس کے دل سے بے اختیار آہ و فغاں اٹھتی ہے۔ اُن کا کلام مستوں کی محفل کی گزک اور اُن کی فکر معنی پرستوں کے لیے صہبا ہے۔ (آپ کے کلام میں) درد کی چاشنیِ طبعی اور سوزِ عشقِ فطری ہے۔ علوم سے فارغ التحصیل ہو کر جذبہ شوق کے ہاتھوں مجبور ہو گئے اور محبتِ الہی میں علائقِ دنیا سے قطعِ تعلق کر کے فقر کا راستہ اختیار کر لیا۔ درویشی اور مرزائی کو جمع کر لیا ہے۔ دنیا آپ کی صحبت کی متمنی ہے۔ دیکھیں کسے نصیب ہوتی ہے۔ ایک جہاں اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشاق ہے۔ دیکھیے کس کی قسمت ساتھ دیتی ہے۔ شعر ایسے دلکش انداز سے پڑھتے ہیں کہ اگر اُس کے بدلے میں جان بھی پیش کر دیں تو مفت ہے۔ اُن کا لطفِ کلام اس طرح دل کو چھوٹا ہے کہ سننے والے کی جان کی نقدی اس صرافہ فطرت کی تھیلی میں پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ آپ کی ذاتِ مقدس اس سے کہیں بلند ہے کہ اُن کا ذکر شاعروں میں کیا جائے لیکن چوں کہ آپ فکرِ شعر فرماتے ہیں، اس لیے قلم نے یہ گستاخی کی۔

بڑے بڑے امرا خدمت میں حاضر ہونے کی تمنا میں تدبیریں کرتے ہیں، لیکن ملاقات میسر نہیں ہوتی۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے خواہشمند

اے مرزا جانجاناں کے فارسی کلام کا نام ہے خریطہ جواہر۔ اس لیے "خریطے" کی رعایت سے "کنف" اور "صرافہ فطرت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

جمعرات کے دن جامع مسجد میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آپ کی اقامت شریف پرانی دہلی میں ہے۔ چوں کہ آپ کی طبیعت رنگین سیر و تفریح کی طرف مائل ہے، اس لیے آپ اکثر مکان بدلتے رہتے ہیں۔ بہت مشکل سے کسی کو آپ کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔ چوں کہ آپ کو اپنے عقیدت مندوں کا بہت خیال رہتا ہے، اس لیے معنی بیگانہ کی طرح اچانک اپنے منتظروں کے کلیہ محقر میں پہنچ کر اُس کو نورانی بنا دیتے ہیں۔ اگرچہ ہر چھوٹے بڑے کے حال پر برابر کی شفقت فرماتے ہیں لیکن اپنے ارادت مندوں پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ راقم الحروف نے اکثر اُن کے فیوضات سے استفادہ کیا ہے۔ ایک بار میرا غریب خانہ بھی اُن کی قدموں کی برکت سے روشن ہو چکا ہے۔

معنی یاب خاں

بادشاہ کے منتخب اُمرا میں ہیں۔ رنگینی طبع کا یہ عالم ہے کہ اگر بہار کو بھیک میں یہ رنگینی مل جائے تو گلشنِ عالم کی رنگینی میں اور اضافہ ہو جائے۔ ان کے سخن کی شوخی کا یہ حال ہے کہ اگر نگہتِ گل کو سبک روی کا سبق سکھائے تو شامِ جان کو زیادہ معطر کرے۔ غزالِ معنی کی تسخیر میں یدِ بیضا حاصل ہے۔ اور ادائے لطفِ سخن میں اندیشہ رسا رکھتے ہیں۔ بہت اہتمام سے غزل کہتے ہیں۔ ایسے ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ سننے والے وجد میں آجاتے ہیں۔ ماہِ صفر کی تیسری تاریخ کو مرزا بیدل مرحوم کا عرس ہوتا ہے۔ دلی شہر کے تمام شاعر اُن کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ مرزا بیدل کا دیوان بیچ میں رکھ کر اس میں سے شعر خوانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے شعر کے مسودے درمیان میں رکھتے ہیں اور حاضرین سے تحسین کی توقع کرتے ہیں۔ یہی عزیز (معنی یاب خاں) غزل خوانی کی ابتدا کرتے ہیں۔ حقیقت میں پہلے اُن کے پڑھنے کو اربابِ سخن پسند کرتے ہیں۔ شروع سے آخر تک اُن کے اشعار دل کو چھوتے ہیں اور ہر طرح کی نکتہ چینی اور تعرض سے بلند ہوتے ہیں۔ یادگار کے طور پر اُن کا ایک مطلع اس تذکرے میں نقل کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہے: (شعر:)

جب تیری چشم شہلا گلشن میں مے آشامی کرتی ہے

تو خوبصورت لوگوں کے حُسن کی دکان بادام کی طرح
 بے رونق ہو جاتی ہے۔ (آنکھ کی رعایتِ لفظی کی
 وجہ سے بادام کہا ہے۔)

حزین

ہندوستانِ بہشت نشان کے مہان ہیں۔ طبیعت کی بلندی اور تقدسِ فطرت
 میں اپنے عہد کے سخنوروں میں ممتاز ہیں۔ ولایتِ ایران کے رہنے والے ہیں۔ وارستہ مزاجی
 اور آزادیِ طبیعت کی وجہ سے سیاحت کے لیے اربابِ فقر کے لباس میں دلی پہنچے۔
 جہاں جاتے ہیں، آپ کا احترام کیا جاتا ہے۔ اور ہر محفل میں آپ کی تشریف آوری مغتنم
 سمجھی جاتی ہے۔ آپ نے گوشہ گیری اختیار کر رکھی ہے اور کمالِ استغنا کے ساتھ مہان سرائے
 توکل میں مقیم ہیں۔ بعض اربابِ استعداد اُن کی ضرورتیں پوری کرنے کی سعادت حاصل کرتے
 ہیں اور بڑے بڑے دولت مند آپ کی خدمت کر کے خود پر احسان کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی
 بہت پاکیزہ اور صاف ستھری ہے۔ گھر میں مخلص احباب جمع رہتے ہیں یہ گھر کمالِ موزوں اور
 کیفیت آفریں ہے۔ سہ پہر کے وقت اُس مکان کے صحن میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا
 جاتا ہے تو یہ مقام آئینہ کی طرح جلوہ پیرا ہو جاتا ہے۔ چوکی پر فریش بچھایا جاتا ہے۔ پھر
 نکتہ سنج اور موزوں طبع جو اس محفل کا لازمی حصہ ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر، بلبل
 کی طرح زمزمہ غزل خوانی کرتے ہیں اور آپ کی بہارِ صحبت سے دامن بھر بھر کے استفادے
 کے بھول لے جاتے ہیں۔ آپ کی طبع رنگین بہت شوخ رسا ہے۔ آپ کی لطیف حرکتیں
 رعنائی اور خوش ادائیگی میں کمال رکھتی ہیں۔ اربابِ کمال آپ کے شعر کو نمونہ بنا کر مشقِ شعر
 کرتے ہیں۔ آپ کا کلام بزمِ وجد و حال میں باعثِ ہنگامہ ہے۔ آپ کے نتائجِ افکار میں سے
 کچھ اشعار منظرِ حضرات کے ساتھ کے لیے اس جریدہ شوق میں نقل کیے جاتے ہیں۔ اشعار:

سوختہ دلوں سے اس طرح لگاتا رہیں اُٹھتی ہیں
 جیسے شمع کے دل سے مسلسل شعلہ نکلتا ہے یہ موتی

نہیں ہیں کہ توجہ کیے بغیر انھیں زمین پر پھینک
دوں یہ اٹک گلزنگ ہیں جو خونِ دل کے ساتھ
باہر آرہے ہیں۔

سراج الدین خاں آرزو

اگر آپ کا کلام بہار آفریں پنکھڑیوں پر لکھا جائے، تو گل منت پذیر ہوگا۔ آپ
کے نوائے شعر سے بلبِ بہار سبق لیتی ہے۔ اُن کی گفتگو کی رنگینی سامو کو گل و گلزار کر دیتی
ہے اور اُن کے روز مرے کی بہارِ فضا سے بزم کو چمنستان بنا دیتی ہے۔ آپ کے اشعار کا
مسودہ سونے کے ورق سے لگا کھاتا ہے اور آپ کے خیال کی ناز کی فکر کی رگوں سے خون
پیکا دیتا ہے۔ آپ کے کلام کی بیاض عشاق کے بازو کا تعویذ ہے اور کلام کا مسودہ محبت کرنے
والوں کے لیے حایل ہے۔ شاعروں کی محفلوں کی روشنی ہے اور نکتہ سنجوں کی مجلسوں کے چشم و
چراغ ہیں۔ دہلی کے تمام سخنور آپ کی صحبت کے متمنی ہیں اور دار الخلافہ کے تمام امر ملاقات
کے آرزو مند ہیں۔ چوں کہ آپ کے کمالات میں مصاحبت کا فن مضمر ہے، اس لیے
اہلِ دُول سے اُن کی خوب صحبتیں رہتی ہیں۔ تمام محفلوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ جس محفل
میں وہ تشریف لاتے ہیں، تہنیتی کلمات بلند ہونے لگتے ہیں۔ اور جس محفل میں جلوہ افروز
ہوتے ہیں صدائے مرہا گو بنجنے لگتی ہے۔ اُن کے مشتاقوں کو اتفاق ہی سے اُن کی
صحبت نصیب ہوتی ہے۔

مرزا بیدل کے عرس کے دن اُن کے شاگرد ہونے کی وجہ سے، بزم آرا ہوتے ہیں۔
دنیا کو اپنے پاکیزہ خیالات سے ممنون احسان کرتے ہیں۔ اس یادگار گلدستے کی سجاوٹ کے
لیے اُن کا مطلع نقل کیا جاتا ہے۔ شعر:-

میکش قبر میں رنجِ مخموری لے گئے تھے، اس
لیے اُن کی لوحِ مزارِ یشمِ انگوری سے بنائی جلائے
تو بہتر ہے۔

مرزا افضل ثابت

آپ کے کلام کا نشہ اربابِ وجد و حال کے لیے دل و دماغ کی غذا ہے اور اُن کا نتیجہ فکرِ اہلِ کمال کے لیے نمونہٴ مشق۔ اُن کے افکارِ چمن طراز نسیم بہار کی طرح دیوانوں کو بھڑکاتے ہیں۔ آپ کے خیالوں کے پھول جنوں طینتوں کے لیے ہنگامہ پیرا ہیں۔ دقالتِ سخن کے انواع و اقسام سے آپ واقف ہیں۔ فکر کی متانت میں ہم عصروں میں مستثنیٰ ہیں۔ تمام شاعران کی استادی کے معترف ہیں اور کمالاتِ معنوی کے مداح ہیں۔ طبیعت میں استغنا اور فطرت میں شرافت ہونے کی وجہ سے اہلِ دنیا سے تعلق نہیں ہے اور فقر کی اس منزل پر ہیں کہ دولت مندوں سے نہیں ملتے اپنے گھر میں بے نیاز ہو کر مسند نشین توکل ہیں۔ بے احتیاجی کے اُس بلند مقام پر ہیں کہ جس پر تجمل کو رشک آئے۔ انھوں نے پائے استقامت کو درویشی کے دامن میں پیٹ لیا ہے اور مستغنی دل نے عام رسم و رواج سے خود کو الگ کر لیا ہے شعر گوئی اور تصوف پر کتابوں کی تالیف کے علاوہ اور کاموں پر التفات نہیں کرتے۔

انھوں نے تصوف کی تمام کتابوں سے انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کی ہے۔ چوں کہ ان کی زندگی نے اتنی وفا نہیں کی کہ یہ کام مکمل کرتے، اس لیے اُن کے کچھ شاگرد اس کام کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ ہمیشہ اربابِ کمال اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے اور اس طریقے کو وسیلہٴ سعادت سمجھتے انھوں نے ردیف دار اپنا دیوان مرتب کر کے اہلِ دنیا پر احسان کیا ہے۔ دیوان کا مطلع زبیرِ نظرِ بیاض کو رونق بخش رہا ہے۔ اُن کے کلام کی شگفتگی کی بادِ نسیم اس باغ میں نزہت طراز ہے۔ شعر:-

جب وصال کی صبح نمودار ہو اور میری زندگی کی
شمع گل ہو جائے تو میری ہڈیوں کو پروانوں کے
مشہد پر لے جانا۔

لے "اُن کی زندگی... تکمیل میں مصروف ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا اضافہ "مرقعِ دہلی" کی تصنیف کے بعد ہوا ہے۔

ابراہیم علی خاں راقم

گوشنِ خرد اُن کے لبوں کے گلچیس ہیں۔ اُن کی شاعری نامِ خدا رنگین ہے۔ اُن کے خاندان کا نسب حاجی شفیع خاں عالم گیری تک پہنچتا ہے۔ اور اُن کی شاعری عالم گیری کی طرح اہل سخن سے خراج لیتی ہے۔ ان کی فکر ایک عالمِ بہار کو جنم دیتی ہے اور اُن کی شاعری کی رنگینی موتی بکھیرتی ہے۔ ان کے فی البدیہہ اشعار دوسرے شعرا کے سوچے سمجھے اشعار سے بہتر ہوتے ہیں۔ ہم عسروں میں بذلہ سنجی میں کوئی ان کے مقابلے کا نہیں۔ اگرچہ غریبی کی وجہ سے اُن کے گھر میں سامان بہت کم ہے، پھر بھی شاعروں کے ہجوم کی وجہ سے گھر رشاکِ گلشن بنا رہتا ہے۔ اگرچہ زمانے نے اُن کا دل خون کیا ہے، لیکن اُن کے لب پر کبھی شکوہ روزگار نہیں ہوتا۔ ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ دوستوں سے دل کھول کر ملتے ہیں اور دوستوں کی محفل سجائے رہتے ہیں۔ آپ کی بہارِ طبع کا نمونہ مشتاقوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے اور بزمِ بے کسی کی یادگار کے طور پر اس رنگین خیال کے خیال سے سجا رہا ہے۔ شعر:-

بے کسی نے جان سے مار دیا ہے، کسے پکاروں۔ ایک
لمحے کے لیے کوئی ہم نفس آجائے۔ نالہ دل سے کس قدر
پتا پانی ہو رہا ہے، آہ! میں چاہتا ہوں کہ کوئی فریاد
سننے والی ملے۔

میر شمس الدین مفتون

اُن کی نکہتِ فکر اپنی سادگی کی وجہ سے بزمِ یقین کو معطر کرتی ہے۔ اور اُن کی بے تکلفی سنجیدہ حضرات کا مضحکہ اڑاتی ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق جو مل جاتا ہے۔ اُس پر قانع رہتے ہیں۔ اور اہل دنیا بہ قدر ضرورت اختلاط کرتے ہیں۔ قدما کے انداز میں شعر کہتے ہیں۔ اُن کا کلام قدیم طرز کا ہے۔ قلمِ انتخاب یادگار کے طور پر اُن کا ایک شعر نقل کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ (شعر:-)

دنیا میں عجلت سے کام تکمیل نہیں پاتا آدمی کو جس
مٹی سے بنایا گیا تھا، اُسے چالیس دن گوندھا گیا تھا۔

مرزا عبد الخالق وارستہ

مناسب منصب پر فائز ہیں، اچھی خاصی آمدنی ہے، اس کے باوجود مزاج بہار
استزاج میں آزاد منشی ہے۔ گھر بہت خوبصورت اور دلکش بنایا ہے اور گھر کے شاندار ہونے
کے ساتھ ساتھ اس میں ہر طرح کی رعایت رکھی ہے۔ مکان میں ہر طرح کا خیال رکھا گیا ہے۔
انہوں نے ایک رباعی کہی ہے، جس میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے (رباعی :-)

یہ گھر فردوس بریں کی طرح بہار آئین اور آنکھوں کی
طرح نور آگین ہے۔ اس میں فوارہ، حوض و نہر و گل نظر
آتے ہیں۔

یہ تازہ رباعی بھی کیسی رنگین ہے۔ گھر کے بیچوں بیچ ایک بڑا آئینہ نصب کیا گیا ہے، جس
کے اطراف میں یہ رباعی اپنے قلم سے لکھی ہے :-

حلب کا آئینہ، جو نور کے خاندان سے ہے۔ سورج
کی طرح صبح کے لیے آغوش کشادہ کرتا ہے

چوں کہ صورتِ دوست نے اُس (آئینہ) کے چشم و دل میں جگہ پیدا کر لی ہے اس لیے
حیرت میں ڈوبا ہوا دیوار سے مکر لگائے کھڑا ہے۔

طرح طرح کے رنگوں کے فرش، رنگین پردوں اور طاقوں میں سجے ہوئے شیشے کے
ظروف کی وجہ سے یہ گھر اربابِ نظر کے لیے تماشخانہ ہے۔ پریزادانِ معنی کی طرح ہمیشہ رنگین
خیال شاعر اُس شیشہ خانے میں آتے ہیں۔ اور بامزہ گفتگو سے دلوں کا رنج و غم دور کرتے ہیں۔
قہوہ، حقہ، معجون اور عطریات سے اُن کی تواضع ہوتی ہے۔ قدام اور نازک خیالانِ حال کے دیوان
اُن کے سامنے رکھ کر شعر خوانی ہوتی ہے اور دادِ صحبت دی جاتی ہے۔ فقیر پر بہت انفات کرتے
ہیں اور بہت شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں، وہاں غیر معمولی محبت

کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور بہت دیر تک ساتھ رہتے ہیں۔ (شاعری میں) اپنی اختراع کی ہوئی زمینیں
سنا کر فقیر کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اُن کے رنگین چمنوں کی بہارِ طبع کے مخترعات میں سے ایک مطلع
د آیا اور وہ یہ ہے۔

رقیب ہم پر بھی ظلم کرتا ہے اور تم پر بھی گلرِ خواہ تم مل
کر اس کے قتل کے لیے کمر کس لو۔

گرامی

کشمیرِ جنتِ نظر کے شاعروں میں ہیں۔ اور مولوی ہونے کے باوجود سخنوری کا ذوق رکھتے
ہیں۔ اپنے اشعار کی بیاض ہر وقت بغل میں دبائے رکھتے ہیں۔ سخنِ مہموں کے سامنے کشمیری
گوئیوں کے انداز میں بڑے شد و مد کے ساتھ گا کر پڑھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ان کا پورا دیوانے
لمتخب ہے۔ تازہ گوئی کے دعوے اس زور شور سے کرتے ہیں کہ مشاعرے کو مناظرے کی سرحد
میں پہنچا دیتے ہیں۔ اُن کی بزرگی کے پیشِ نظر اکثر شاعر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ تحسینِ تکلف
کے کلمات سے اپنے اصل جذبات کو چھپا لیتے ہیں۔ راقم الحروف کو اُن کا ایک مطلع پسند آیا۔
جو اس بیاض میں نقل کیا جاتا ہے: شعر۔

جب وہ چمن میں قدم رکھتا ہے، تو پھولوں کے چہرے
کارنگ اڑ جاتے ہیں۔

مرزا ابوالحسن آگاہ

عظیم اللہ خاں کے رفیقوں میں ہیں۔ رنگینیِ طبیعت کی وجہ سے تمام شاعروں کے
دوست اور اُن کے ہم زباں ہیں۔ عرس کے دن دیوانِ مرزا بیدل میں سے اُن کا کلام پڑھتے
ہیں۔ ہمیشہ فکرِ سخن میں مصروف رہتے ہیں۔ جوانِ رنگین اور دلچسپ ہیں، اس لیے لوگوں کے دلوں
میں گھر بنا لیا ہے۔ مناسبتِ طبعی کی وجہ سے اس فرقے (شاعروں) کے سب لوگوں کے ساتھ
بہت گہرے مراسم ہیں۔ انبساطِ طبیعت سے خالی اور پیرایہ رنگینی سے عاری نہیں ہیں۔ اُن کے

بعض اشعار میں ایک انداز اور ادا ہے۔ اُن کا ایک مطلع سنا تھا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔
 شعر:-
 غم و درد و توازن اُن روز کہ مہانِ من است
 دل نمک سود کباب است کہ برخوانِ من است

حلیما

عرب زادوں میں ہیں۔ اُن کا کلام اسحق اطعمہ کے انداز کا ہے۔ ان کا خیال نان و فرنی کا دسترخوان ہے اور شاندار ہے۔ اُن کے مطبخِ طبع میں آتش و کباب ہیں۔ اُن کے کلام کی لذت بھوکے لوگوں کو تسکین پہنچاتی ہے۔ طرح طرح کے کھانوں کے بارے میں گفتگو کی صلاوت سے تہی دستوں کو خیالی پلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ تلاشِ ہائے نمکین اور فکرِ ہائے شیریں رکھتے ہیں۔ ہر شاعر کے دسترخوانِ کلام کے ریزہ چیں ہیں۔ اور اقسامِ سخنوراں کے دسترخواں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ تھے اور پڑنے شاعروں کے تقریباً پچاس ہزار اشعار یاد ہیں۔ ایسی بلند مکروہ آواز میں پڑھتے ہیں کہ کانوں کو ناگوار گزرتا ہے۔ ایک مطلع تو اصنع کے منتظر حضرات کی خدمت میں نمک چکھنے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شعر:-
 شہد کی مکھی ہر دسترخوان پر جاتی ہے بے تکلف اپنے
 کام میں بہت محکم و استوار ہے۔

مرثیہ خوانوں کا ذکر

میر نطف علی خاں، دیوانِ حباوید خاں

اُن کا جسم اتنا بھاری ہے اور اتنے موٹے ہیں کہ اُن کے کمالِ فن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ خاصے بھدے اور بد ہیئت دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن مرثیہ و منقبت بہت شان و شکوہ کے ساتھ کہتے ہیں۔ انھیں محتشم وقت کہنا چاہیے اور حسن کاشی سمجھنا چاہیے۔ رخیۃ میں بڑے طمطراق اور اُن بان کے ساتھ منقبت کہتے ہیں۔ اُن کے مرثیے میں عجیب و غریب سوز و گداز ہوتا ہے۔ یہ

۱۷ یہ غالباً پیشے کے اعتبار سے باورچی تھے۔ ۱۸ میں نے زرد کا ترجمہ خیالی پلاؤ کیا ہے۔

مرثیے معدنِ اندوہ اور کانِ الم، مخزنِ مصائب و آلام اور گنجینہٴ غم و اندوہ میں جاوید خاں کے عاشور خانے کے میرا ہتمام ہیں۔ زائرؤں اور تعزیرہ داروں کا ہر طرح خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ حسن صورت سے محروم ہیں، لیکن اُن کے طور طریق سے حسن سیرت کا پتا چلتا ہے۔

مسکین و حزین و غمگین

تینوں بھائی ہیں اور مرثیہ گوئی میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ تمام شہر میں ان لوگوں کے کلام کی شہرت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تینوں بہت اچھا مرثیہ کہتے ہیں اور دردناک الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور حسرت آگین مضامین بیان کرتے ہیں۔ مرثیہ خواں اُن کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ آپ کے اشعار ڈھونڈ ڈھونڈ کر حاصل کرتے ہیں اور اپنے ہمسرؤں میں عزت و افتخار پاتے ہیں۔ ان عزیزوں کا طرزِ بیان اور فکر کی تازگی عجیب و غریب ہے۔ چوں کہ اپنے کلام میں ماتم گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اہل بیت سے اُن کی محبت اور خلوص، ہر ایک پر ظاہر ہے، اس لیے مخصوص گھروں سے اتنا صلہ مل جاتا ہے کہ زندگی آرام سے گزر جاتی ہے۔ چنانچہ کوئی کام نہیں کرتے، صرف منقبت کہتے ہیں۔ اُن کے مرثیے سے عزاداروں کو وہ الم ہوتا ہے جو روضۃ الشہدا کے مشاہدے اور اہل بیت کے واقعات سننے سے نہیں ہوتا۔ مراتب غم و الم اور دسترخوان رنج و محن کے قدر دان اس فرق سے واقف ہیں۔ شعر:-

ہم نہیں جانتے کہ نسیم کیا ہے اور ہم صبا کو بھی نہیں

پہچانتے۔ جو کوئی دوست کی خبر لاتا ہے وہ ہمارا دل

چھین لیتا ہے۔

میر عبد اللہ

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے ماتم گزاروں میں ہیں۔ ندیم اور حزین کے مرثیے ایسی (دردناک) آواز میں پڑھتے ہیں کہ سننے والے بے اختیار چیخ اُٹھتے ہیں اور نوحہ فریاد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ آسمان کے کان پھٹنے لگتے ہیں۔ اُن کی رقت آمیز آواز سے سننے

والوں کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کی جاں گداز آواز سوگوار کرنے میں ناقابل بیان اثر رکھتی ہے۔ ابھی وہ مصرع بھی پورا نہیں کر پاتے کہ خلائق کی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔ ابھی وہ شعر ختم نہیں کر پاتے کہ عوام گریہ و زاری شروع کر دیتے ہیں۔ بار بار پڑھنے کے باوجود وہی مضمون تازہ لگتا ہے۔ موسیقی کے تمام استاد متفق ہیں کہ ایسی خوبیوں کا مرثیہ خواں آج تک پیدا نہیں ہوا اور ایسے لحن اور آہنگ کا انسان دنیا میں نہیں آیا۔

محرم کے مہینے میں یہ جہاں جاتے ہیں ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ باری باری امرا کے تعزیرہ خانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ عزاداری کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ طے کیے ہوئے مقامات پر لوگ پہلے پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا کر وہاں بھیرٹ لگا دیتے ہیں۔ اور ان سے مرثیہ سن کر آخرت کے لیے ثواب کماتے ہیں۔ اپنے ساتھ بہت سے مددگار رکھتے ہیں۔ صاحبِ جمال اور خوبصورت جوانوں کے ساتھ گھومتے ہیں۔ عاشورے کے دن کے علاوہ ان کا گھر ان مردوں سے بھرا رہتا ہے جو عام طور سے مرثیہ خوانی کا فن سیکھنے اور اس کے کچھ نکات سمجھنے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ قوال اور گویے بھی (ان کے پاس) حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے کمال پر انھیں گھمنڈ ہے اور اکثر اپنی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ اس وضع پر انھیں برا بھلا کہتے ہیں، لیکن اپنے فن میں استاد اور یگانہ روزگار ہیں۔

شیخ سلطان

اگرچہ پورب کے رہنے والے ہیں لیکن ان کا تلفظ ہندوستان کے فصحا جیسا ہے۔ اور بڑے زور شور سے مرثیہ پڑھتے ہیں۔ ان کی آواز پتھر کو پگھلا دے اور لحن قیامت برپا کر دے۔ اگرچہ فنِ موسیقی کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن ان کی سادگی میں پرکاری ہے۔ اگرچہ ان کا طرزِ ادا معمولی ہے، لیکن دل کو چھو تا ہے۔ ان کی آواز اور خلائق کی گریہ و آزاری نے عہد کر رکھا ہے کہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ جس عاشور خانے میں جاتے ہیں، لوگوں کو سوگوار کر دیتے ہیں اور انھیں ماتم کی تصویر بنا دیتے ہیں۔

میر ابو تراب

اُن کے مرثیہ پڑھنے کا انداز درد آمیز اور اسلوبِ ادا رقت انگیز ہے۔ چوں کہ فنِ موسیقی پر قدرت حاصل ہے اس لیے دلکش انداز میں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اور ماتم گزاروں کو تڑپا دیتے ہیں۔ تمام متبرک مقامات میں اُن کے قدم واجب العظیم اور اُن کا ورود لازم التکریم ہے۔

مرزا ابراہیم

اُن کی آواز کا حزن جاں گداز ہے اور اُن کی درد آمیز آہ وزاری سننے والوں کو زہرہ آب کر دیتا ہے۔ اس طرز سے مرثیہ پڑھتے ہیں کہ (لوگوں میں) رقت اور درد پیدا ہو جاتا ہے۔ فرط اضطراب سے لوگ کانپنے لگتے ہیں اور بیہوش ہو جاتے ہیں۔ عز خانوں میں اُن کا وقار اور عاشور خانوں میں اُن کی عزت دیکھنے کے قابل ہے۔

میر درویش حسین

حضرت امام حسین کے تعزیہ دار میں اور ماتم گزار میں کوئی اُن کے مقابل نہیں۔ اُن کا منتخب برجستہ راگ ہر ایک کو پسند آتا ہے۔ میر عبداللہ خود صاحبِ کمال ہیں۔ پھر بھی ان کی تعریف میں گلشفاں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کے بعد میر درویش ہی کا مرتبہ ہے۔ یہ میر عبداللہ کی طرح تان کھینچتے ہیں۔ اور آواز کے اتار چڑھاؤ میں میر عبداللہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اُن سے مرثیہ سن کر لوگوں پر بہت رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور بہت شور و شغب ہوتا ہے۔ جاوید خاں سے متوسل ہیں اور وہ ذوقِ شان (جاوید خاں) ان پر عنایت کرتے ہیں۔

جانی حجام

اُن کے درد انگیز مرثیے کی صدا دل پر نشتر چلاتی ہے۔ اُن کی ماتم اندوز نولے حزیں

سے سننے والوں کی دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ ان کے پڑھنے کا انداز دل کو چھوتا ہے۔ گانے کا اسلوب دل کا خون کرتا ہے۔ ان کی غم و اندوہ سے بھری زور دار آواز کا اثر ماتم گزاروں کے دل کو داغ داغ کر دیتا ہے۔ ان کے صدائے اندوہ گیں شیون پیشگاں کا خون کھینچ لیتی ہے۔ جس نے ایک مرتبہ ان سے مرثیہ سن لیا، باقی تمام زندگی اُسے فصد کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وہ زیادتی خون کا شکار ہوا۔ پہلے وہ ایک امیر کے معشوق اور عجیب و غریب حسن اور طرفہ جاہ و جلال کے مالک تھے۔ ایک لاکھ روپے کی دولت فراہم کر لی تھی۔ چوں کہ پینے پلا۔ نے کے شوقین تھے۔ سب روپیہ اڑا دیا۔ اب آسمان بدل چکا رہا ہے۔ لیکن چوں کہ خوش صحبت اور رنگین مزاج ہیں اس لیے امیر زادے ان کا خیال رکھتے ہیں اور ہمیشہ مے نوشی اور رقص کی محفلوں میں انھیں مدعو کرتے ہیں۔ خیال اور جنگلہ خوب گاتے ہیں۔ اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتے ہیں۔

صاحبِ طبع مستقیم محمد ندیم

رقت ناک الفاظ اور استعارات غم آلود سینہ چاک کے موزوں کرنے پر بہت قدرت رکھتے ہیں۔ مرثیے میں بہت اچھی تفہیم کرتے ہیں۔ خاص طور سے وحشی کے مسدس کی تصنیف میں انھیں یدِ بیضا حاصل ہے۔ وہ مسدس ہے۔

دوستو! میری مصیبت کی تفصیل سنو! میری بے سرو سامانی کا قصہ سنو۔

ان کے مرثیے کے ہر لفظ سے درد ٹپکتا ہے۔ اور ان کے ہر کلمے سے آنکھوں سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ ریختے میں ایسے ایسے مضامین باندھتے ہیں کہ ایران کے فارسی شاعر عاجز نظر آنے لگتے ہیں۔ چوں کہ ان کے اشعار کی بنیاد درد و اندوہ پر ہے اس لیے ان کے سننے سے دل و دماغ پر غم و الم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل کہ آواز کو سروں میں ڈھالیں رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے اشعار میں عجیب تاثیر اور کلام میں طرفہ اثر ہے۔

ذکر اربابِ طرب نعمت خاں بن نواز

ہندوستان میں ان کا وجود نعمتِ عظمیٰ ہے۔ نغموں اور راگ راگنیوں کی اختراع میں

یڈرٹولی حاصل ہے۔ پرانے موسیقاروں کے ہم پلہ ہیں۔ رنگین خیالوں کے موجد ہیں۔ کسی زبانوں میں ان کی تصنیفات ہیں۔ آج کل دلی کے تمام مغنیوں کے سردار ہیں۔ چوں کہ طبیعت میں استغنا ہے، اس لیے بادشاہ کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ معزالدین بادشاہ کے عہد میں ان کے پاس بہت ساز و سامان تھا۔ بزرگوں کے عرس میں حاضر ہوتے ہیں اور خود بھی گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ امر اور رُوسا ہر مہینے کی گیارہویں کو ان کے گھر پر جمع ہوتے ہیں، اتنی بھیر ہوتی ہے کہ جگہ نہیں ملتی۔ اس لیے لوگ صبح ہی سے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پو پھٹنے تک یہی حالت رہتی ہے اور موسیقی کی محفل بجا س راگ پر ختم ہوتی ہے۔ بین بجانے میں ایسی مہارت ہے کہ دنیا میں شاید اس سے بہتر کوئی اور (بین نواز) نہ پیدا ہوا ہو۔ (شعریہ)

”اس بزم کا مطرب دل میں راہ پیدا کر لیتا ہے طنبورے
پر اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہمارے دل پر وہ ناخن
مارتا ہے (دل پر اثر کرتا ہے)“

ادھر بین نازیں ان کے کندھے سے لگی ادھر (سننے والوں کے) ہوش اس طرح غائب جیسے تار سے صدا بلند ہوتی ہے۔ ان کی بین کے کدو باریک بین نظروں کو مست کر دینے والی شراب سے بھرے سب دکھائی دیتے ہیں۔ بین کے تار رگ جاں کی طرح مستوں کی شور انگیزی کا سبب ہیں۔ جیسے ہی ان کے ناخن کی مضراب ساز کو چھوتی ہے۔ صدائے تار کی طرح دل سے آہ و زاری کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔ جیسے ہی آواز کا شعلہ حلق سے بلند ہوتا ہے کدو کی طرح انسانی قالب خالی ہو جاتے ہیں، یعنی جسم سے جان نکل جاتی ہے۔ مرحبا و آفریں کی صدا میں ہوا میں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ صدا میں بھی ایک نئے راگ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور تحسین کی صدا میں آسمان تک پہنچنے لگتی ہیں۔ آسمان پر بزم ناہید میں شور و غل بپا ہو جاتا ہے۔ مے نوشی کے شوقینوں نے اس سے بہتر کدو (جس سے بین بنتی ہے) نہیں دیکھا اور نغموں کے مشتاقوں کے کانوں نے نعمت خاں کی آواز سے بہتر آواز نہیں سنی۔ شعریہ۔

مے نوشی کا دورہ ہے۔ اس لیے میں بہ آوازِ بلبل۔

کہتا ہوں کہ مے نوش کو چاہیے کہ اپنے ساتھ
کدو رکھے۔

اُن کے بھائی مختلف ساز درست کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ چار چار گھنٹے تک
مختلف نغمے طرح طرح کے رنگ میں اور متفرق سُرور میں سُنتے ہیں۔ اُن کا فن دیکھ کر مغنیوں کے
چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ یہ فن اور اس پر ایسی زبردست قدرت اور مہارت کیسے نصیب ہوئی۔ اُن
کے گانے میں ایک کیفیت ہے۔ اُن کے بھتیجے کو تین تار اِجانے پر عجیب مہارت حاصل ہے۔ طرزِ تازہ
ایجاد کی ہے۔ اعلا درجے کے سازوں پر جو دھنیں بڑی کوشش اور محنت سے بجاتی ہیں، انھیں تین
تارے پر بجاتے ہیں۔ عجوبہ روزگار ہیں۔ اُن سے اکثر ملاقاتیں ہوئی ہیں اور بہت سی صحیحیں نصیب
ہوئی ہیں۔ موصوف بہت خاطر تواضع کرتے ہیں۔ بہت سے راگ (کذا) صبح تک ایک ہی انداز میں
گاتے رہتے ہیں۔ لوگوں کی فرمائشیں قبول کرتے ہیں اور خوشی خوشی گاتے ہیں۔

تاجِ حان

قوال ہیں۔ اُن کے طرح طرح کے نغمے تمام سُسننے والوں کو بخود کر دیتے ہیں۔ اور نکل کی طرح
خود دلوں میں راہ پیدا کر لیتے ہیں۔ اُن کا نغمہ بلبل کے نغموں سے زیادہ رنگین۔ اور اُن کی آواز ورقِ
گل سے زیادہ نازک سا موبے اختیار وجد میں آجاتا ہے۔ شوق کی زیادتی بار بار سُسننے کی فرمائش
کرتی ہے۔ اُس کی آواز بہزاد کے قلم کی طرح ہزاروں نیرنگیاں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔
مختلف راگوں میں ایک چھوٹا سا مصرع گاتے رہتے ہیں، جس سے طبیعت کچھ اس طرح لطف
اندوز ہوتی ہے کہ اُن کے نغمے کے علاوہ کسی اور چیز پر التفات نہیں کرتی اور کھانے پینے کا
خیال نہیں رہتا۔ جان بوجھ کر کئی مرتبہ یہ آزما یا گیا ہے۔ چون کہ اُن کے مذاق میں فقر ہے اور درد
آشنا ہیں۔ اس لیے گاتے ہوئے رو دیتے ہیں۔ غرض کہ اُن کی آواز میں ایسی کشش ہے کہ دل
کو متاثر کرتی ہے۔

ہر مہینے کی ساتویں تاریخ کو اُن کے گھر پر مجمع ہوتا ہے۔ اکثر فقیر اور مشائخ، جو سماع
کے قدردان ہیں، تشریف لاتے ہیں۔ اور تمام معتبر قوال حاضر ہوتے ہیں۔ اور باری باری گاتے

ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ تاج خاں ان تمام لوگوں سے بہتر فنکار ہیں۔ ان کے صاحبزادے جانی اور غلام رسول یہ بادۂ روحانی پی کر پوری طرح محفوظ ہوتے ہیں۔ اپنے باپ کے خلف الصدق ہیں۔ دونوں بھائیوں میں اتنی مشابہت ہے کہ ذرا بھی دونوں میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ چوں کہ ان لوگوں سے میرے تعلقات تھے اس لیے اکثر ان کی صحبتوں کا لطف اٹھایا ہے۔

باقرطنبورچی

ان کے طنبورے کے تار رگب جاں ہیں، کہ جیسے ہی اُن کو چھپڑا دل لرزا اٹھا۔ اُن کا نغمہ ریتی کی طرح ہے کہ اگر گراں جاں بھی اُسے سنیں تو اُس پر خراشیں آجائیں۔ اُن کے ساز کی آواز کا حزن و ملال اکثر سامعین پر رقت طاری کر دیتا ہے اور اُن پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ اُن کے طنبورے کا کاسہ بادہ نوشوں کی نظریں ساغرِ بادہ سے زیادہ خوش نما ہے اور ساز کی گردن، دیکھنے والوں کے لیے گردنِ مینا سے زیادہ رنگین۔ اُن کے برجستہ راگوں پر آفریں کی صدا میں بلند ہوتی ہیں اور بے ساختہ آواؤں پر تخمین کی آوازیں گونجتی ہیں۔ اگر خیرِ طنبورہ کو خیرِ عیسیٰ پر ترجیح دی جائے تو مناسب ہے، اگر اُن کے نغمے کو لحنِ داودی کی ایک قسم تصور کریں تو زیب دیتا ہے۔ سرکارِ بادشاہی میں منتظم اور اپنے ہمسرؤں میں محترم ہیں۔

حسن خاں ربابی

اس فن میں اُن کا قد چنگ کی طرح خمیدہ ہے۔ بڑھاپے میں اُن کی عمر کے گریبان سے صبحِ پیری روشن ہے۔ صنف کی وجہ سے اُن کا سرتارِ رباب کی طرح کانپتا ہے اور ہمیشہ مقررہ روزی حاصل کرنے کے غم میں اُبھے رہتے ہیں۔ بیچارے بد نصیبی کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ شاید خدا اُن کی فریاد سن لے۔ اس رباب نوازی کے فن میں مسلم الثبوت ہیں اور پوری مہارت رکھتے ہیں۔ مشاہیرِ دلی میں ہیں۔

غلام محمد سارنگی نواز

اُن کے ساز کی دلکش آواز سامعہ نواز ہے۔ اُن کی دلخراش آواز کی درد مندی پتھر

کا جگر پانی کر دیتا ہے۔ ان کا کمانچہ (گنز) ہر شیش پر دل پر تیرا تاتا ہے۔ اور ان کی مضراب دل کو تڑپا دیتا ہے۔ (اس فن میں) ان کی مشق بہت پختہ ہے۔ ان کے ساز کی (دلکش) آواز سے سننے والے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اس فن کے لوگ انھیں یگانہ فن سمجھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ (ان کے) اکثر مشائخ سے تعلقات ہیں اور بزعم خود فقر کے نشے میں مست ہیں۔ تمام لوگوں سے ان کی دوستی بہت گہری ہے۔ ان کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے۔

رحیم سین و تان سین

تان سین کے نواسے ہیں۔ ان کے فن کی مہارت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ تان سین کے خاندان سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مغنیوں کے مخروم زادے ہیں۔ ان کے گلے سے نکلے ہوئے نغموں سے بزمِ ناہید میں شور بپا ہو جاتا ہے۔ انھیں بہت مشکل اور پیچیدہ نغمات پر قدرت حاصل ہے۔ گلے کو آواز پر ایسی قدرت ہے کہ کتنی ہی اونچی آواز سے گائیں، اس کا زور کم نہیں ہوتا۔ مسروں پر ایسی قدرت ہے کہ کتنے ہی بلند آواز میں گائیں، بے سُرے نہیں ہوتے۔ گیت گلنے میں عجوبہ روزگار ہیں۔ اور دھر پد کے میدان میں بہادر سپہ سالار ہیں۔ ان کی آواز کی آمد آمد سیل بہاراں کو تعلیم خرام دیتی ہے۔ اور جب ان کی آواز بلندی سے نیچے مرکزِ اصول پر آتی ہے تو دریا کی موجوں کا تلاطم یاد آ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ اتفاق سے یہ دونوں اور نادر العصر حسین خاں ڈھولک نواز اور بے نظیر وقت حسن خاں ربابی اور گھانسی رام پکھاوجی ایک جگہ جمع تھے۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ عجیب صحبت تھی۔ ان کے نغمات ایسے بلند آہنگ میں تھے کہ بجلی کی کرک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جس عمارت میں یہ محفل منعقد ہو رہی تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کی آوازوں سے اس کی چھت اڑ جائے گی۔ مدتوں اس صحبت کا مزہ اتار رہا۔ مصرع :-

ہائے کیسے دن تھے جب مفت کا عیش نصیب تھا۔

قاسم اور علی

نعمت خاں کے شاگردوں میں ہیں۔ یہ فن انہی سے سیکھا ہے۔ اور ان سے بہت استفادہ

کیا ہے۔ نیکی اور شرافت کے آثار دونوں کی پیشانیوں سے نمایاں ہیں۔ اُن کی آواز کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ کبت بڑی رنگینی کے ساتھ گاتے ہیں اور سامعین پر احسان کرتے ہیں۔ بظلی سبجانی کی نظر میں دوسرے مغنیوں کے مقابلے میں زیادہ ممتاز ہیں۔ بیشتر امرا اُن کی عزت کرتے ہیں۔ چوں کہ عنفوانِ جوانی کا عالم ہے اور آواز اور سُریں بہت مناسب ہے، اس لیے عوام میں مقبول ہیں۔ ان دونوں کے گانے کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ انھیں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ انھیں اور سُنین لیکن مجبوریاں حائل ہیں۔

معین الدین قوال

اُستادِ زمانہ ہیں اور قوالی کے فن میں یگانہ روزگار ہیں۔ گلشنِ کشمیر کے پھولوں کی طرح اُن کے راگ اتنے رنگارنگ اور متنوع ہیں کہ اُن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اور زمانے کی گردشوں کی طرح اُن کی آواز کے بہاد کا زیروہم شمار کرنا ممکن نہیں۔ اُن کے راگ بہراد کے قلم کی طرح ہوا کے صفحے پر نغمے کی تصویر بنا دیتا ہے۔ آواز اور سروں کے غزال کو دامِ نفس میں قید کر لیتے ہیں۔ اُن کے گلے کی خوبی یہ ہے کہ آواز کو ایک دم پلٹتے ہیں۔ اور ہر نیا راگ تمنا کرتا ہے کہ معین الدین اُسے اپنائیں۔ قصہ مختصر یہ کہ دنیا میں سامع کے لیے اس سے زیادہ دلکاش اور کوئی آواز نہیں۔ خدا سُنے والے کان نصیب کرے۔

برہانی قوال

موسیقی پر انھوں نے جو غیر معمولی قدرت حاصل کی ہے وہ سُنے کے قابل ہے۔ اور اُن کے راگ ایسے ہیں کہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ اپنے دوستوں کو سنوائیں۔ انھوں نے اس فن میں وہ پختگی حاصل کی ہے کہ اس سے زیادہ حاشیہ خیال میں ممکن نہیں۔ اسی فن میں زندگی گزار دی اور بوڑھے ہو گئے۔ شاہ کمال، جو اربابِ وجد و حال کے سردار ہیں، سے بہت تعلقات میں منگول کے دن مجلس منعقد ہوتی ہے۔ صوفیہ حضرات کو وجد و حال کا بہت اچھا موقع ہاتھ آتا ہے۔ ایک دن اُن کی محفل میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ محفل میں وہی چلبیل ڈھاری موجود تھا۔ اس کی آواز ایسی

اونچی اور کڑک دار ہے۔ اور سُر اتنے اونچے اٹھاتا ہے کہ آواز بے سُری ہو جاتی ہے اور حاضرینِ محفل کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اربابِ حال پر وجد طاری ہو جاتا ہے، انھیں کوئی روکتا نہیں۔

برہانی امیر خانی

ان کے راگ معتدل اور آواز متوسط درجے کی ہے۔ امیر خاں کے مذاق کے مطابق گاتے ہیں۔ راگوں کی ادائیگی بہت تمکنت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور سامعین کو منتظر رکھتے ہیں۔

رحیم خاں جہانی

امیر خاں کی سرکار سے متوسل ہیں، خیال بہت مزے سے گاتے ہیں اور نئی نئی طرزیں ایجاد کرتے ہیں۔ سننے کے قابل ہیں۔

شجاعت خاں

اعلیٰ حضرت (غالبا بادشاہ) کے گویوں سے اُن کا تعلق ہے۔ کبت گانے کا تو بہت دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن سامعین کے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ (حکومت کے) عہدیداروں کی سی وضع ہے، بہت خوبصورت پگڑی باندھتے ہیں اور سر پیچ ضرور لگاتے ہیں۔ آنکھوں میں ہمیشہ سرمہ لگا رہتا ہے لیکن ہم جیسے بے بصر انھیں پسند نہیں کرتے۔

ابراہیم خاں کلاونت

ایک دفعہ ایک محفل میں انھیں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اتنا مزہ نہیں آیا کہ دوبارہ ان کی صحبت کی خواہش ہوتی۔ میر کی طرح تھے، لیکن ہندوستان کے کچھ لوگ اُن کے معترف ہیں۔

سواد خاں المشہور بہ کولہ و سوادہ

ایک وقت تھا کہ مشاہیرِ دہلی میں تھے۔ اب پرانی دہلی کی طرح عزت و وقار کھو بیٹھے ہیں۔

اس لیے صرف بوڑھے لوگوں کو ان کی صحبتوں کا شوق ہے۔ اس زمانے کے نوجوان ان کے کمال فن پر توجہ نہیں کرتے۔ اپنے ہمسروں میں ان کا احترام پہلے ہی کی طرح ہے۔

بولے خاں کلاونت

بادشاہ کے ملازمین میں ہیں۔ ناظرانِ شاہی اُن کا احترام کرتے ہیں۔ پرانے انداز میں گاتے ہیں۔

گھانسی رام پکھاوجی

اپنے فن میں ناقابلِ بیان مہارت رکھتے ہیں۔ اگر اُن کی پکھاوج کو چمڑے کے بجائے پھول کی پتیوں سے بنایا جائے تو ٹھیک ہے، کیونکہ اُن کے ہاتھوں کی حرکتیں ایسی محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے پھول کی پتی ہوا میں لہرا رہی ہو۔ اُن کی انگلیاں ایسی نزاکت کے ساتھ گردش کرتی ہیں، جیسے کسی بیمار کی نبض بہت آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ انگلیاں ایسی ملاہمت اور آہستگی سے حرکت کرتی ہیں، جیسے ہمواری اور سنجیدگی کے ساتھ عقلمندوں کی فکر۔

حسین خاں ڈھولک نواز

نادرہ روزگار اور عجوبہ زمانہ ہیں۔ ڈھولک بجانے کے فن کو اتنے عروج پر پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اہل ہند متفق الرائے ہیں کہ سرزمینِ دلی سے اُن سے بہتر ڈھولک نواز پیدا نہیں ہوا۔ ایک محفل میں بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ اگر کسی محفل میں چھ مہینے تک صحبت رہے تو ڈھولک پر ہر راگ اتنے مختلف انداز پر بجا سکتا ہوں کہ عام انداز کا ذرا بھی شائبہ نہ ہو۔ اور حاضرین نے اس بیان کی تصدیق کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فن میں یدِ بیچار کھتے ہیں۔ اگر سورج اور چاند کی ٹکلیوں کو اُن کی ڈھولک پر (چمڑے کے بدلے) منڈھا جائے تو ٹھیک رہے۔ ان کی وہ انگلیاں جن کی تیز رفتاری میں شوخیِ نگاہ مات ہے۔ اگر اُن پر بیش بہا جواہر جڑیے جائیں تو بہتر ہوگا۔ وہ بغیر کسی ظاہر کو شش کے اچانک گت بدل دیتے تھے اور جب سوچ سمجھ

کہ کچھ سمجھانا چاہتے تو کچھ اور ہی رنگ ہوتا تھا۔ زبانیں صرف تحسین اور بیان وقتِ آفریں تھے۔

تھنا ان کے شاگردوں میں ہیں۔ اور ان کے خلیفہ ہونے کی لیاقت میں ممتاز ہیں۔ طرزِ منڈل میں لاجواب ہیں۔ اگرچہ (حسین خاں) جیسی بات تو نہیں، لیکن دہلی میں ان (تھنا) سے بہتر اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے انھیں (حسین خاں) نعم البدل سمجھا جاتا ہے۔

شہباز دھمدھی نواز

ان کے والد اعظم خاں کی سرکار میں ملازم تھے، اور یہی ساز بجاتے تھے۔ آجکل پوری دلی میں ان کا کوئی مقابل نہیں۔ ایسا فن دکھاتے ہیں کہ پکھاوج اور ڈھولک کے ذریعے ممکن نہیں۔ گمانے والے کے ساتھ بجاتے ہیں اور گانے والا جو راگ گاتا ہے اُسے اپنے ساز پر اس طرح بجاتے ہیں کہ سامعین واضح طور پر وہ راگ سمجھ لیتے ہیں۔ اگرچہ میں پہلے یہ بات نہیں مانتا تھا، لیکن ان کی صحبت میں بیٹھ کر اس روایت کی تصدیق ہو گئی۔

نقد نام درویش سبوحہ نواز شاہ نواز

پیرائشی نابینا ہیں۔ گھڑا بجانے میں ایسی ایسی طرزیں اختیار کرتے ہیں کہ پکھاوج اور ڈھولک نواز شرما جائیں۔ ان کی چابک دستی دیکھ کر شیشہ حوصلہ چوڑے ہو جائے۔ ان کی صحبت کے خواہاں تکیے پر سواری بھیج کر بڑی عزت سے انھیں بلاتے ہیں اور محفلیں سجاتے ہیں۔ ایک ساز ایجاد کیا ہے، جس میں کئی ساز شامل ہیں۔ اس میں ڈھولک کی اور پکھاوج دونوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور بیچ میں طنبورے کی آواز بھی نکلتی ہے۔ ہر چند بصر نہیں ہے، لیکن بصارت رکھتے ہیں۔ ایک اور نابینا نظر آئے جو ڈھولک اور پکھاوج کے اصول و قواعد پر اپنا پیٹ بجاتے ہیں۔ اور نئی نئی طرزیں سناتے ہیں۔ بہت سی طوائفیں ان کے پیٹ کے ساز کی آواز پر رقص کرتی ہیں۔ بوسیقی کے ارکانِ اصول میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ان کا پیٹ کثرتِ ضرب سے ان کی قسمت کی طرح سیاہ ہو گیا ہے۔

اعلیٰ درجوں کے بھگت بازاروں اور ہندوستان کے تمام شعبہ طرازوں کے سردار ہیں۔ بادشاہ کے منظور نظر ہیں اور ان کے خلوت خانے میں باریاب ہوتے ہیں۔ امرائے عظیم الشان بڑی عزت و احترام سے انھیں دعوت دیتے ہیں اور ان کی صحبت کے خواہاں رہتے ہیں۔ ہر شہر اور ہر فرقے کے مطابق سوانگ بھرنے کا ساز و سامان اور اسلحہ ان کے گھر میں موجود ہے۔ ان کے اظہار کے لیے ہزاروں اقسام کی چیزیں ان کے پاس موجود ہیں۔ گلابے رنگارنگ کی طرح متعدد امر و ان کے گلشنِ کارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ ان کے اکھاڑے کے چمن زار میں طرح طرح کے نورس پھولوں کی طرح سانولے سلونے امر موجود رہتے ہیں۔ ایک طرف نوخط لڑکے اپنے سبزہ خط رخسار میں جال بچھائے تاشائیوں کے دلوں کو تسخیر کرتے ہیں اور دوسری طرف خوش نکا ہوں کا ہجوم دل کو چھلنی کر دینے والے تیروں سے تاشائیوں کا شکار کرتا ہے۔ گورے رنگ کے لڑکے صبحِ فطرت کی سفیدی کی طرح خوش رنگ ہیں اور نمکین لڑکے قدرت کے نعمت خانے کے دسترخوان کا نمک ہیں۔ ان کا گھر جلوہ گاہِ پری خانہ ہے اور ان کا کاشانہ رشکِ آئینہ خانہ ہے۔ نازک کمر جب پھول کی پتی کی طرح بیچ و تاب کھاتے ہیں۔ مشک مویان کے سلسلہ زلف سے سنبل کی نبض تیز چلنے لگتی ہے۔ سر و قد اپنے خرامِ ناز میں سے دلوں کو تسخیر کرتے ہیں اور سیہ چشم اپنی بولتی ہوئی آنکھوں کے اشاروں سے دیکھنے والوں کو پیامِ زندگی دیتے ہیں۔ جب بھی کوئی لباسِ مردی کے قابل نہیں رہتا، ان (تقی) کی چشمِ آرزو روشن ہو جاتی ہے۔ جہاں کہیں نرم و نازک لڑکا دیکھا، ان (تقی) کی تمنا رشکِ گلشن ہوئی۔ ہر طرح کے مردوں کے آقا و رہنما ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تقی نے اس فن کو انتہا پر پہنچا دیا ہے۔ ہر طرحِ مخنتوں کے سردار ہیں اور مخنت ان سے بیعت کر کے فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ قصہ مختصر مخنتوں کے سردار اور دلالوں کے رفیق ہیں۔

عطائی عدیم المثال شاہ

بلبل ہزار داستان کی طرح نواسخ ہوتے ہیں اور کئی زبانوں سے واقف ہیں۔

نقالی اور لطیفہ گوئی کے فن میں، اُن ندیموں کی طرح جو مصاحبت کرتے ہیں، بے مثال ہیں۔ کثرتِ مشق اور اربابِ موسیقی کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے کثرت اور خیال وغیرہ پر اچھی خاصی قدرت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ اس فن کے ماہرین اُن کی عزت کرتے ہیں۔ اور چوں کہ اس حالت میں خود کو فقیری سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے آبا و اجداد مشائخ تھے، اس لیے (لوگ) اُن کی عزت و احترام کو واجب سمجھتے ہیں۔ بہت پختگی اور رنگینی کے ساتھ گاتے ہیں۔ حقیقت میں بڑے بڑے لوگوں کی مجلسوں کے قابل ہیں۔ قدیم انداز کی موسیقی پر ایسی مہارت ہے کہ صوفیہ کو وجد آجاتا ہے، موسیقی میں ہر طرح کے نمونے اُن کے پاس ہیں۔ اس طرح زندہ رہنے کے لیے ساز و سامان فراہم کرتے ہیں۔ تمام محفلوں میں اُن کو دخل حاصل ہے اور تمام مجلسوں کے وہ رہنما ہیں۔ شہر کے امیر زادوں سے اُن کا تعلق ہے۔ متمل اور خوش گو انسان ہیں۔ ہر جگہ اُن کی صحبت پسند کی جاتی ہے۔ جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں اگر فائدے کی امید ہوتی ہے، تو اسی جگہ سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ لذیذ کھانوں کے دیوانے ہیں۔ ان کی بھوک کے سامنے ندیدے اور حریص لوگ بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ اس بڑی طرح کھانا کھاتے ہیں کہ انھیں کھانا دیکھ کر نفاست پسند لوگ کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ کھانا بہت ہی آرام سے اور دیر تک کھاتے ہیں۔ (کھانے کے بعد) حقے کے لیے بہت جے چین ہو جاتے ہیں سوتے ایسے ہیں کہ دہشت ہونے لگتی ہے۔ اُن کا صبح اُٹھنا اور وضو کرتے ہوئے کھنکارنا بھی خاصا وحشت انگیز ہے۔ اس سب کے باوجود اُن کی رنگینی اور یار باشی کے پیش نظر لوگ اُن کا خیال رکھتے ہیں۔ اور ان سے ترکِ تعلق نہیں کرتے۔ مجلس میں بلانے کے قابل ہیں اور لائقِ محفل ہیں۔

ذکر خواصی اور الوٹھا

دلی کے معتبر نقالوں میں ہیں۔ بادشاہ کے دربار سے متوسل ہیں۔ مضامین رنگین نشاط لکھنے میں یکاؤں روزگار ہیں۔ اور نئی نئی نقلیں اتارنے میں بے مثل ہیں۔ خیالِ اعلیٰ درجے کا گاتے ہیں اور رقص بھی خوب کرتے ہیں۔ جس محفل میں طوائفیں ہوں، وہاں ان کے فن کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔ اور اُن کا اندازِ گفتگو عروج پر ہوتا ہے۔ سبزہ و مزہ نام کے دولہے کے اس چین کے نو نہال ہیں اور اسی باغ کے تازہ پھل ہیں۔ رقص میں قیامت طراز اور اداؤں میں سراپا اعجاز ہیں۔ شوخی و

شگفتگی میں یہ عالم ہے کہ اُن سے ملاقات کو جی چاہے۔ اس قابل ہیں کہ انہیں ندیم بنا کر مصائبت میں رکھا جائے۔ اُن کی لمبی لمبی زلفیں عمر دراز سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اُن کی سیاہ آنکھوں کے دنبالے مدنگاہ سے زیادہ لمبے ہوتے ہیں۔ اُن کے قدموزوں اور گفتگو دلچسپ ہوتی ہے۔ شعر:-

میں جدھر دیکھتا ہوں، تماشا ہی تماشا ہے۔ خدا

کرے کہ آسمان مجھے (لطف اندوز ہونے کی)

فرصت دے۔

باری نقال کا ذکر

ان کے سبز خط کی تعریف شروع کرنے کے لیے پرطوطی کا ایسا قلم حاصل کرنا چاہیے جو خوشبودار پھولوں پر ایک قلم خطِ نسخ پھیر دے۔ سیاہی کے بدلے زنگار استعمال کرنا چاہیے تاکہ اُن کے حسنِ سبز کی کیفیت لکھی جاسکے۔ (شعر:-)

میں نہیں جانتا تھا کہ حسنِ سبز (نوخطی) جان کے لیے

دباں ہو جائے گا۔ مجھے کیا پتا تھا سبزے میں جال

چھپا ہوگا۔

اُن کے حسن کے شان و شکوہ کا یہ عالم ہے کہ نگاہ اس کا مقابلہ بے محابا نہیں کر سکتی اُن کا رنگ ایسا نکھرا ہوا ہے کہ (چہرے پر) نگاہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اندازِ خرام ایسا، جیسے نسیم بہار کے جھکوروں سے شاخِ گل جھوم رہی ہو، نگاہوں کے عشووں اور غمزوں کا یہ عالم ہے جیسے زم خوردہ پریزادانِ خیال۔ (یعنی وہ خیال جو الفاظ کی گرفت میں نہ آسکیں)۔ جس کسی کی بھی اُن سے ملاقات ہوتی۔ اُس کے ہوش ایسے گم ہو گئے، جیسے اس پر پری کا سایہ ہو گیا ہو۔ جو ایک بار اُن سے ہم کنار ہوا، ساری زندگی اُن کی ہم آغوشی کی تمنا میں رہا۔ اُن کے سبز حسن کے مقابلے میں سبز بہار کچھ بھی نہیں اُس کے چہرے کے مقابلے میں گلدستہ چمن بیچ۔ (اشعار:-)

دل چھین لینے کے لیے حسن اور آواز کی خوبیوں میں

سے ایک ہی کافی ہے۔ لیکن یہ دونوں ایک ہی جگہ

جمع ہو جائیں تو دل والوں کی شامت آجاتی ہے۔
 ان کا پورا طائفہ موزوں اور اُن کے تمام نقال خوش
 مضمون ہیں۔ دو تین اور نو نہال اس چین میں قد
 نکال رہے ہیں۔ فلکِ حاسدان کے نظارے کی
 فرصت دے۔

شرفِ خاں کے صاحبزادے ابوالحسن خاں کی معشوقہ کا ذکر

بہت باوقار اور پرمکین ہیں اور اُن کا مزاج سراپا نشاطِ صحنِ گلشن کی طرح رنگین ہے۔
 ایک ایک حرف اس طرح ادا کرتی ہیں کہ دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ اُن کے تبسم کی بہار پورے
 گلشن کا حوصلہ پست کر دیتا ہے۔ ان کی سنجیدہ گفتگو پر متانت اور باوقار ہوتی ہے۔ ان کے روزمرے
 میں حسنِ گفتار کی ایک دنیا ظاہر ہے۔ اُن کے گانے میں نہایت خوبی و دلربائی ہے اُن کے
 رقص میں کمالِ خوش آئندگی و رعنائی ہے۔ وہ اتفاقاً میاں محمد ماہ کے گھر آگئیں۔ اُس محفل کے تمام
 لوگوں نے ایسا لطف اٹھایا کہ جب کسی سے اُن کا ذکر آتا ہے تو دوبارہ ملاقات کی حسرت میں
 اظہارِ افسوس کیا جاتا ہے۔ ایک کبت اور ایک خیال سورٹھ راگ میں سُنا تھا۔ اگر تمام عمر یہی گاتی
 رہتیں، تب بھی دل نہ بھرتا — اُن کو دل سے بھلانے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کی صحبت
 تو آسمانی بجلی کی روشنی کی طرح تھی، جو دوبارہ نصیب نہیں ہوتی۔

جٹا قوال کا ذکر

اربابِ وجد و حال کی محفلوں کی رونق اور وجد میں آنے والے صوفیہ کی شمعِ محفل ہیں۔
 قرآن کی وہ آیتیں جو وحدتِ وجود کے تصور پر مشتمل ہیں بہت دردناک آواز میں سنتے ہیں۔
 اور صوفیوں کو مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپاتے ہیں۔ قدیم مشائخ کے اتنے اقوال یاد ہیں کہ اگر چاہیں
 تو پوری کتاب مرتب کر دیں۔ صوفیہ شعرا کے اتنے اشعار یاد ہیں کہ اگر انہیں لکھیں تو قدیم دیوانوں
 کے جامع انتخاب پر مشتمل ایک ضخیم بیاض تیار ہو جائے۔ اُن کے نغموں سے فقرا کو وجد و حال

آتا ہے اور ان کی ساز و آواز سے دل تڑپ اٹھتے ہیں۔ تمام بزرگ مشائخ اُن کے مداح ہیں۔ اور تمام فقرا کے محبوب ہیں۔

صمصام الدولہ کے بھتیجے شاہ باسط، جو خود کو فقرا میں شمار کرتے ہیں، کی خانقاہ میں ہر ہفتے اتوار کے دن خاص محفل منعقد ہوتی ہے۔ (اس محفل میں) فقرا اغنیا اور دیکھنے والوں کی بھڑ ہوتی ہے۔ سارے دن زبردست سماع ہوتا ہے حسینوں کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ اُن کا گھر پری خانہ معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ جٹا اُن کے (شاہ باسط کے) ملازم ہیں بلکہ اُن کے تربیت یافتہ ہیں، اس لیے انجمن فیض نشان میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ شاہ باسط کو قوالیاں لکھنے پر بہت مہارت ہے۔ جٹا اکثر اُن کی قوالیاں گاتا ہے۔ اُن محفلوں کی خصوصیات بیان نہیں ہو سکتیں، محسوس ہو سکتی ہیں۔ مصرع :-

قلم یہاں تک پہنچ کر ٹوٹ گیا۔

رحیم خاں و دولت خاں و گیان خاں و ہدو کا ذکر

ان (چاروں) کے کمال کی پہلی دلیل یہ ہے کہ کولہ و سوادہ (جیسے فنکاروں) کی اولاد میں ہیں۔ ان کے گانے کی اتنی شہرت ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ حقیقت میں خیال گانے میں ان چاروں بھائیوں کا جواب نہیں ہے۔ اس نازکی اور ایسی بلندی کے ساتھ گاتے ہیں کہ سامعین کی طبیعت بے اختیار بلند ہو جاتی ہے۔ کمال کے اعتبار سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے دولت خاں کی معشوقانہ نازک مزاجی قیامت ڈھاتی ہے۔

ہر مہینے کی پچیس تاریخ کو ان کے گھر میں مجلس منعقد ہوتی ہے۔ تمام قوال اور گانے والے جمع ہو کر دادِ خوش نوائی دیتے ہیں۔ چوں کہ اُس وقت تمام ارباب کمال حاضر رہتے ہیں۔ (اُن سے) مہارت فن کی سند حاصل کرتے ہیں۔ جب دوسرے گا چکے ہیں تو ان کی باری آتی ہے۔ بہت انتظار کے بعد دولت خاں زمزمہ پر واز ہوتے ہیں۔ چوں کہ اُن کی آواز بارہک ہے، اس لیے اکثر لوگ اُن کے قریب بیٹھنے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کرتے ہیں۔ جب تک قوت سامعہ تیز نہ ہو (اُن کی آواز) نہیں سن سکتے۔ بہت سے لوگ آواز تو سن نہیں سکتے، لیکن دوسروں

کی نقل میں صدائے آفریں و مرعبا بلند کرتے ہیں۔ رحیم خاں کو سادگی میں پرکاری حاصل ہے۔ ان کی مشق میں کمال پختگی اور خوش ادائیگی اور ان کی آواز میں نہایت دل فریبی و دلربائی ہے۔ امرابڑے اشتیاق اور کوشش سے انھیں اپنی سرکار کا منتظم مقرر کرتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں۔ شراب زیادہ پینے سے یہ لوگ جو نازیبا حرکتیں کرتے ہیں، انھیں امرابڑا برداشت کرتے ہیں۔ حسینوں کی سیاہ مست آنکھوں کی طرح سارے دن نشے میں رہتے ہیں۔ مینا و جام کے علاوہ اور کوئی بات ہما نہیں کرتے۔ گیان خاں اور ہڈو چھوٹے بھائی ہیں یہ بھی نئی نئی طرزیں ایجاد کرتے ہیں اور سامعین سے بچی کھچی تعریف و تحسین حاصل کرتے ہیں۔ دہلی کے تمام مشاہیر اس محفل میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور کمال فن کی نمائش کرتے ہیں۔ مجمع بہت دل فریب اور صحبت بہت دلچسپ ہوتی ہے۔

رجی

ایسے امرد ہیں، جن کا خط نکل چکام ہے (ان کے) اعضا متناسب ہیں۔ رات کو ان کی سجاوٹ بہت اچھی لگتی ہے۔ ان کے والد مشہور قوالوں میں تھے۔ خود بھی خیال بہت مزے سے گاتے ہیں اور بہت رنگینی سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں کے منظور نظر اور مقصود خاطر ہیں۔ کالے رنگ کے ایک اور امرد ہیں۔ ان کا گل نراکت میں صدائے تار سے رگتا کھاتا ہے۔ دونوں اتنے ملتے جلتے ہیں کہ سامعین فرق نہیں کر پاتے۔ اگر قوتِ ممیزہ درست نہ ہو ساز کے تار اور ان کی آواز میں فرق کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ خیال گاتے ہیں جو دہلی میں سدا رنگ نام سے مروج ہیں، اسی اسلوب مرغوب میں زمزمہ پیرا ہوتے ہیں۔

امرد ہنگامہ پیرامیاں ہینگا

چینی کی طرح ان کا رنگ اور گل یا سمین کی طرح ان کا لباس سفید ہوتا ہے۔ دارالخلافے کے قلعے کے سامنے روز جمع رگلتے ہیں۔ تماشائیوں کی مرضی کے مطابق ہنگامہ پیرا رہتے ہیں۔ ان کا نقص دیکھنے کے لیے ثقہ لوگ چوک کی سیر اور نفاس و نوادر خریدنے کے بہانے آتے ہیں اور ہینگا کے حسن

کے جلووں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور گاہک بے تکلف اور بغیر کسی تصنع کے ان کے مجمع کے اطراف میں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس سیرگاہ کے چاروں طرف اتنے ہاتھی اور گھوڑے ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں، اس تماشے کے چاروں طرف اتنے لوگ بیٹھے یا کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ لوگ ضروری چیزیں خریدنے کے بجائے یہاں کی تفریح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سامان خریدنے کے لیے جو رقم لاتے ہیں، وہ سب گنو اگر خالی ہاتھ گھر جاتے ہیں۔ ان کے خرام ناز کی ادائیں دنیا کو برباد کر دیتی ہیں۔ اور وہ جن پر ملتفت ہو جائیں، وہ برباد ہو جاتا ہے۔ ان کا گوار رنگ سالوں سے رنگ سے باج اور ان کا سبزہ خط چمن کے سبزے سے خراج حاصل کرتا ہے۔ سفید لباس میں ایسے خوبصورت لگتے ہیں جیسے عین شام کے وقت صبح کی پو پھٹی ہو یا گل چاندی بے اختیار فضائے چمن میں بکھر گئی ہو۔ غروب آفتاب تک جلوہ گری کرتے ہیں اور خاصی رقم اکٹھا کر کے گھر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ عزیز و اقارب بہت دعوت دیتے ہیں، لیکن کسی کے گھر نہیں جاتے۔ جو کوئی ان کا شفیقہ ہے، وہ ان کے گھر جا کر لطف اندوز ہوتا ہے۔

سلطانہ

سبز رنگ امر ہیں۔ بارہویں سال میں ہیں۔ رقص میں عجیب و غریب شوخیاں اور ادائیں دکھاتے ہیں۔ ان کے گانے کے جادو نے دنیا کو مفسوں اور خلق کو مجنوں بنا دیا ہے۔ اس عمر میں علمِ مہیستی ایسا حاصل ہے کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ابھی غنچہ میں لیکن گل ہائے شگفتہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگرچہ چراغ کی لو سے زیادہ نہیں ہیں لیکن آفتاب سے ہمسری کے مدعی ہیں۔ سامعہ کو حسرت ہے کہ وہ سلطانانہ کے گانے سننے کے لیے محدود ہیں۔ باصرہ کو اپنی نگاہ کی کم ظرفی پر شرمندگی ہے۔ ایک رات کو ہمارے ایک دوست نے محفلِ سبائی بہت دیر تک ان (سلطانانہ) کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ تمام رات عیش و انبساط میں گزری۔ دوستوں کے دلوں میں دوبارہ ان کی صحبت کی حسرت باقی ہے۔ شوق پھر اسی محفل ہا متمنی ہے۔ درگاہی نام کے ایک گھنا گھرو نواز ان کے ساتھ تھے۔ امر دی کی عم سے نکل چکے تھے۔

چوں کہ اُن کے مزاج میں کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی، اس لیے اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خیال آیا۔ پتا چلا کہ گھنگھرو بجانے اور رقص کرنے میں ان کا نظیر نہیں ہے۔ ہر چند ان کی ہیئت کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ رقص کر سکتے ہیں۔ لیکن دل چاہتا تھا کہ اُن کے فن کو کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے۔ اُن سے فرمائش کی گئی۔ حقیقت میں اُن کی بے نیازی اور خود نمائی مناسب تھی۔ جیسے ہی انہوں نے رقص شروع کیا، لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور سمہ تن چشم بن گئے۔ رقص کے دوران کبھی تو ایک گھنگھرو کی آواز آتی، کبھی دو کی اور کبھی تمام گھنگھروؤں کی۔ غرض گھنگھرو بجانے کی عجیب مشق ہے۔ اور اس فن پر طرفہ قدرت حاصل ہے۔ گھنگھرو کی آوازوں کے ساتھ شورِ تحسین بلند ہو گیا۔ اور صدائے آفریں و مرہبانے گھنگھرو کی آواز کو دبا لیا۔ اسی طلعتے میں اسی طرح کے ایک مورچنگ نواز تھے، جو بے مثال تھے۔ گھاس کے تنکے کو منہ میں دبا کر بلبلی داستان سرا کی طرح نغمہ سرا ہوتے اور ہزاروں سُر نکالتے۔ حقیقت یہ ہے۔ اُن کی اور بلبلی ہزار داستان کی آواز میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا۔ یوں سمجھ لو کہ ایک خوش الحان مجسم پرندہ ہیں۔

سرس روپ

اُن کی دلفریب ادائیں دیکھ کر چشمِ تمنا روشن ہو جاتی ہے اور اُن کا خرامِ ناز دیکھ کر دل کا ورق رشک گلشن ہو جاتا ہے۔ اُن کے نغمے بادِ نسیم کی طرح بہارِ آفریں اور اُن کی مترنم آواز کی خوشبو عطر آگین۔ اُن کا رقص بہت رنگین اور دل پسند، اُن کا گانا انتہائی دلچسپ اور مرغوب۔ اربابِ جاہ و جلال انھیں منتخب اور اصحابِ وجد و حال انھیں پسند کرتے ہیں۔ اُن کے حسن کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اُن کے جلوے کی تابانی سے عقل کی آنکھیں اندھیا جاتی ہیں۔ بغیر کسی تعارف کے اُن کی صحبت اور بغیر مناسب تحفہ پیش کیے اُن سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ خدا اربابِ ذوق کو دل بھر کر انھیں دیکھنے کا موقع دے اور اُن کے دستِ شوق کی دامانِ تمنائیک رسائی ہو۔

نورِ حدیقہ خوش ادائی، خمیرِ پایہِ روشنائی نوربانی

دلی کی ڈومنیوں میں ہیں، ان کی شان و شکوہ کا یہ حال ہے کہ امرا اُن سے ملاقات کی التجا

کرتے ہیں۔ اُن کا گھر دولت مندوں کے گھروں کی طرح ہر قسم کے شان و شکوہ کے سامان سے بھرا ہوا ہے۔ اور اُن کی سواری کے جلو میں، امرا کی سواری کی طرح، چاؤش اور چوہدار ہوتے ہیں۔ عام طور سے ہاکھی کی سواری کرتی ہیں۔ جب امرا کے گھر جاتی ہیں تو وہ امرا میں رونمائی کے طور پر ایک رقم جو اہر پیش کرتے ہیں۔ اور اُن کے گھر خاصی رقم (پیشگی) بھیجتے ہیں تاکہ وہ اُن کی دعوت قبول کر لیں، اسی سے قیاس کرنا چاہیے کہ رخصت کے وقت امرا کیا دیتے ہوں گے، جس شخص کو بھی ان کی صحبت کا شوق پیدا ہوا، وہ برباد ہوا۔ اُن کی آشنائی کا جس پر نشہ سوار ہوا، وہ بگولے کی طرح بے چین و بے قرار رہا۔ دنیا نے اس کام میں اپنی دولت لٹا دی۔ بے شمار لوگوں نے اپنا سرمایہ اس ستمگر پر غارت کر دیا۔ جب تک دولت باقی رہتی ہے۔ اس سے صحبت باقی رہتی ہے۔ جب تک جیب میں رقم باقی رہتی ہے، اُن کی محبت حاصل رہتی ہے۔ اُن کی عزت و وقار موتی کے ہم ترازو اور اُن کی آب و تاب گلشن کے آب و رنگ کے ہم پہلو ہے۔ سخن نہیں میں بے نظیر اور نکتہ دان خوش تقریر ہیں۔ ان کی گفتگو میں وہ سلاست و رواداری ہے کہ سامع جو بے بہار میں غوطے کھائے۔ اور ان کی گفتگو جیسے پھول برس رہے ہوں۔ اگر ایسی رنگین مصاحبہ ہاتھ آجائے تو پھر انسان اور کیا آرزو کرے۔ اگر ایسی شوخی والا ہمد مل جائے تو جو کچھ ہے، سب اُس سے ہے۔ علم مجلس اور آداب محفل میں یہ مرتبہ ہے کہ ادب سکھانے والے اُن سے تعلیم حاصل کریں۔ تمام حاضرین محفل کا ایسا پاس خاطر ہے کہ صاحبانِ تہذیبِ اخلاق اُن سے سبق لیتے ہیں۔ ان کا گانا مزے سے غالی نہیں ہے۔ اربابِ موسیقی اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ آج کل جنگلہ راگ دلی میں مروج ہے۔ اُس کی انھوں نے خوب مشق کی ہے۔ ان کے ساتھ محفل میں بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔ انھوں نے ہر ایک کا نام بگیم اور خانم رکھا ہے۔ ان عورتوں میں سے ہر ایک پر مہربانی اور توجہ کی سفارش کرتی ہیں۔ چونکہ ہر ایک کو اُن کی خاطر عزیز ہے، اس لیے جو کچھ کہتی ہیں، ملاقاتی قبول کر لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ فقیر نے ایک دنو اُن کی صحبت سے استفادہ کیا ہے۔

چمنی

دلی کے مشاہیر میں سے ہیں اور بادشاہ تک اُن کی رسائی ہے۔ موسیقی میں ایسا کمال

حاصل کیا ہے کہ اپنے عہد کے صاحبانِ کمال سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ہر جگہ اُن کی عزت اور احترام کیا جاتا ہے۔ مناسب تحفوں کے بغیر ان کی صحبت ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ بہت ہی خوش صحبت ہیں اور بہت دلچسپ انداز میں گفتگو کرتی ہیں، نہایت پختگی کے ساتھ بات کرتی ہیں۔ چوں کہ اب اُن کی جوانی کی بہار میں سے سفیدی جھلکنے لگی ہے، اس لیے جنہیں صرف گانا سننے کا شوق ہے وہی آتے ہیں۔ بادشاہ (محمد شاہ) بھی کبھی کبھی یاد فرما کر التفات فرماتے ہیں۔ اُن کی نعمہ سرائی سے ہوش اڑ جاتے ہیں، اُن کے گانے سے مردہ آرزوئیں دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔ ترانہ سنجی میں اُن کی زبان قینچی پر سبقت لے جاتی ہے۔ اکثر معاصرین اُن کے کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ اہلیت اور لیاقت سے عاری نہیں ہیں۔ دوستی کا خیال رکھتی ہیں۔ ایک رات کو اُن کی محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ صبح تک گانا بجانا رہا۔

ادبیکم

دلی میں مشہور ہے کہ پانجامہ نہیں پہنتیں۔ جسم کے نچلے حصے پر خامہ نقاش سے رنگین پانجامہ کے انداز کی رنگ آمیزی کرا لیتی ہیں۔ کم خواب کے تھان میں جو گل بوٹے ہوتے ہیں جسم پر قلم سے بالکل اسی طرح کے گل بوٹے بنواتی ہیں۔ اس انداز سے امریکی محفلوں میں جاتی ہیں۔ پانجامہ اور اس رنگ آمیزی میں کوئی فرق نہیں کر سکتا اور جب تک اس راز پر سے پردہ نہ ہٹے، کوئی اس فن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چوں کہ اس فن میں ندرت اور جدت ہے، اس لیے لوگ انہیں پسند کرتے ہیں۔

بھینا کے رُفیل سوار

مشہور رقاصوں میں ہیں اور طائفہ داروں کے سردار ہیں۔ جو بدار اُن کے ملازم ہیں۔ امر سے برابر کے رشتے سے ملتی ہیں۔ سفارشی خط لکھتی ہیں اور لوگ انہیں قبول کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں اعتماد الدولہ سے خاص تعلق تھا۔ اور وہ ان کے گھر آتے تھے۔ ایک دفعہ نواب اعتماد الدولہ نے

شراب پینے کے ظروف یعنی ساغرو مینا وغیرہ تحفے کے طور پر پیش کیے۔ چوں کہ ان پر جواہرات جڑے ہوئے تھے، ان کی قیمت ستر ہزار روپیہ تھی۔

خوش حالی رام جینی

اعتماد الدولہ کی ملازم ہیں۔ عجیب شان و شوکت اور طرفہ طمطراق ہے۔ ایک مجلس میں وہ رقص کر رہی تھیں۔ اکثر امرا محفل میں موجود تھے۔ کسی کو نظر میں نہ لائیں۔ فرط استغنا کا یہ عالم تھا کہ کسی پر التفات نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے بات کی۔ اُن کا گانا بہت رنگین اور ادائیں نہایت تمکین ہیں۔

آسا پورا

طوائف ہیں۔ کمال فن کی شہرت کی وجہ سے ہر محفل میں اُن کا احترام کیا جاتا ہے۔ تمام موسیقار اُن کی عزت کرتے ہیں۔ پرانے کلاؤتوں کے قاعدے کے مطابق انتہائی پختگی کے ساتھ کبت گاتی ہیں۔ آواز کا زیر و بم بالکل اساتذہ فن کے طریقوں کے مطابق انتہائی مربوط ہوتا ہے۔ ان کے گانے کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے اور ہر جگہ اُن کی نغمہ سرائی پسند کی جاتی ہے۔ چوں کہ عمر زیادہ ہو گئی ہے، اس لیے چاہنے والوں کے دلوں میں اُن کی پہلی جیسی جگہ نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ گانے کے قدردان ہیں، اُن کے دلوں میں بہت قدر ہے۔ عزت و حرمت کی خواہاں ہیں اور اس کی مستحق ہیں۔

چک مک دھانی

عالم جوانی میں بہت شوخ تھیں اور لوگ انھیں پسند کرنے لگے۔ بادشاہِ جم اُن پر فریفتہ تھے اور انھوں نے چک مک خطاب دیا تھا۔ اب چونکہ بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو گئی ہیں، اس لیے اب اُن کی پہلی جیسی مقبولیت نہیں ہے۔ اُن کی آواز درد انگیز ہے اور اُن

کے نغمے جنوں آور ہیں۔ خاصی رقم انھیں تحفے میں پیش کی جاتی تھی تو ان کے ساتھ ایک رات گزارنے کا موقع ملتا تھا۔ بہت روپیہ پیش کرنا پڑتا تھا۔ تب (انسان کا) مقصد دل پورا ہوتا تھا۔ اب بھی بہت زیادہ روپے دیے بغیر صحبت میسر نہیں ہوتی۔ اور اب بھی بہت زیادہ منت سماجت کے بغیر ان سے دوستی ممکن نہیں۔

کالی گنگا

قابلِ عزت رقاصوں اور قابلِ احترام فرقے سے ہیں۔ ان کے چہرے کا سیاہ رنگ گلِ رخوں کے خالِ رخ کی طرح حسن میں افزائش کرتا ہے۔ اور سیاہ آنکھوں کی طرح سب کو پسند ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ہزار ہیچ و تاب کھا کر سخن ان کی زبان پر آتا ہے۔ خرامِ ناز کا یہ عالم ہے کہ جیسے ہی وہ محفل میں قدم رکھتی ہیں، دل تڑپ اٹھتے ہیں۔ نغمہ سنجوں کے لیے ان کا گانا نمونہٴ مشق ہے۔ رقاصوں کے لیے رقص دستور العمل ہے۔ بہت طمطراق کی عورت ہیں اور طمطراق ان پر جتنا بھی ہے۔ لوگوں سے منت سماجت کراتی ہیں اور لوگ کرتے ہیں۔

زینت و بہی

ان کی خوش ادائیگی سے قوتِ باہ میں تحریک ہوتی ہے اور ان کی نازک اندامی شہوت انگیز ہے۔ ان کا نغمہ پیامِ حلاوت ہے اور ان کا گانا سامعہ پر احسان کرتا ہے۔ ان کے نغموں کے راگ ان کے چہرے کی طرح دلکش و دلآویز ہیں۔ لطیف طبع لوگ ان کے حسن کی لطافت کے دیدار کے متمنی ہیں۔ پاکیزہ مزاج لوگ ان کی پاکیزگی حسن کے مشاہدے کے آرزو مند۔ ان کا رقص خرامِ ناز سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن دل کو بھاتا ہے۔ ایسے طمطراق کے باوجود دل و جان سے ہم آغوشی کے لیے تیار رہتی ہیں اور بھی پیاری لگتی ہیں۔

ہر شب کسی عاشق کی آغوش میں ہوتی ہیں۔ ہر دن کسی خوش تدبیر کے شانوں پر ان کا سر ہوتا ہے۔ اتنے لوگ التجا کرتے ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا، کس کی التجا قبول کریں اور کس کی رد۔ کاش انھیں کچھ اور وقت مل جاتا۔

اتنے لوگ بدعو کرتے ہیں کہ اُن کے پاس ملاقات کا وقت نہیں ہوتا۔ کاش وہ چیزے
 دیگر ہوتیں (گدا) اُن کا گھر دوستوں کے کاندھوں پر اور اُن کا دعویٰ خانہ بدوشی مسلم ہے۔ اُن کا کاشانہ
 یاروں کی بغل میں ہے، اور بغل گیری کا دعویٰ مناسب اور مفتنم ہے۔ شعر:-
 انھیں ساغر کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور سبو کی
 طرح دوش بدوش اٹھائے پھرتے ہیں۔

گلاب

اُن کے گانے کی خوشبو مشام جاں کو معطر کر دیتی ہے۔ اُن کی رنگین ادائوں سے شراب
 کا نشہ ہونے لگتا ہے۔ اُن کی خوبصورت وضع لوگوں کو پسند ہے اور اُن کی حاضر جوابی سے
 سب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ نکتہ فہم ہیں۔ سخنداں ہیں، اچھا کاتی ہیں، گانے والے اُن کے
 فن کے معترف ہیں۔ شعر:-

کون کس کے چہرے کے آئینے کا عاشق ہو۔ دوست
 کے چہرے نے دو عالم کو آئینہ خانہ بنا رکھا ہے۔

رضانی

اُن کی یاد صبح عیدِ رمضان کی طرح دلوں کی کلفت دور کرتی ہے اور اُن کا گانا
 اہلِ محفل کے دلوں کو برساتا ہے۔ جس محفل میں جاتی ہیں، وہ عید گاہ بن جاتی ہے۔ جس مجمع
 میں شامل ہوتی ہیں مبارکباد کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ وہ قدر دانوں کی صحبت کی عاشق ہیں
 اور نکتہ دانوں کی شائق ہیں۔ ان کی زیادتی عمر مانعِ وصل ہے، اس لیے ہوس ٹھوکر کھا جاتی ہے۔
 بڑھاپے کی وجہ سے خود کو یسے دیے رہتی ہیں اور خود کو بچائے رہتی ہیں۔

رحمان بانی

ٹھٹھاری (مراٹی) کی اولاد ہیں۔ اُن کے چہرے کی سیاہی کو صاحبِ نظر اسی طرح پسند

کرتے ہیں جیسے کالی سیاہی سے بنائی گئی تصویر کو۔ اُن کی لمبیاں نثرِ فساد کی طرح رگِ جاں کو تحریک دیتی ہے۔ استعداد و کمال کے چہرے کا تیل اور چشمِ ایجاد و اختراع کی آنکھ کا سرمہ ہیں۔ شامِ کشمیر کی طرح اُن کا سانولا پن خوش ناہے۔ ان کا سیاہ رنگ آنکھوں کی تیلیوں کے آبِ حیات کی سیاہی کی طرح روح افزا ہے، اُن کی ادائیں شوخی آمیز اور اُن کی حرکتیں فتنہ انگیز ہیں، جس محفل میں جاتی ہیں، رکھ رکھاؤ سے کام لے کر خود کو بچا لیتی ہیں، ہوس کے ہاتھوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابھی کسی نے اس خط کا لغافہ نہیں کھولا اور ابھی تک اُن کی مہر نہیں ٹوٹی۔ شعز۔

یہ خط مانی نے کھینچا ہے اور نہ یہ نقش بہزاد نے
بنایا ہے۔ یہ سیاہ تصویر تو استادِ ازل کا کارنامہ ہے۔

پنابائی

نعمتِ خاں کی خاص شاگرد ہیں اور انہی کے انداز میں غزل خوانی کرتی ہیں۔ اُن کے وصف بیان کرنے کے لیے زمر کا قلم بنایا جائے تو مناسب ہے، کیوں کہ اُن کی آواز میں بہار کی سی طراوت و تازگی ہے۔ فراق کے مارے لوگوں کے لیے اُن کی آواز تریاق کا کام کرتی ہے۔ وہ ایسی اونچی تان لیتی ہیں کہ اُن کا سانس اونچا ہونے تک اُن کی آواز آفتاب کی کرن کی طرح آسمان کو چھونے لگتی ہے۔ ایسی ایسی موٹنگانیوں پر انھیں قدرتِ حاصل ہے کہ جب تک عقلِ سلیم انھیں سمجھے وہ ہوا کے تاروں میں گرہ لگا دیتی ہیں۔ اُن کی تان عقل مندوں کی فکر کی طرح فلکِ پیما ہے۔ ان کا نغمہ بلند فکرِ منجم کی طرح بلند پرواز۔ اُن کی دل پذیر گفتگو علمِ مجلس کی سند ہے۔ اور دلچسپ گفتگو عشرتِ طرازوں کا دستورِ العمل ہے۔ ہر بات میں لطیفہ اور ہر لفظ میں شوخی مضمر ہوتی ہے۔ اُن کی حسین ادائیں دوسروں کے حسن سے دلاویز اور اُن کا اندازِ گفتگو دوسرے حسینوں کے عشوہ و انداز سے زیادہ دلریا۔ جو سامعہ اُن کی آواز سے آشنا ہو جائے، وہ پھر کسی اور کی آواز پسند نہیں کرتا۔ جسے ان کے نغموں کے ذائقے کی چاٹ پڑ جائے، وہ پھر دوسروں کی آواز سننا پسند نہیں کرتا۔ جہاں جاتی ہیں، لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں، جیب بھی گاتی ہیں سننے والوں کے

یہ خوش دلی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

طوطی شاخسارِ خوش نوائی کمالِ بانی

موسیقی کے فن میں اپنے نام کی طرح انتہا درجے کا کمال حاصل کیا ہے۔ رقصِ خوش ادائیگی میں کمالِ عظمت و جلال ہے۔ مدتوں بادشاہ کے محل میں بزمِ آرا رہی ہیں۔ اور مغنیوں کے حلقے میں، سخن سرار ہی آجکل نادر شاہ کے حملے سے بادشاہ نے گانا سننا بند کر دیا ہے اور اربابِ طرب کی نغمہ سنجی بالکل موقوف ہو گئی ہے، اس لیے ان کی صحبت میسر آگئی، ورنہ ان کی صحبت کسے نصیب ہوتی۔ کلاؤنٹ بچٹیوں کے انداز میں گاتی ہیں۔ ایسی رنگینی اور درد انگیزی کے ساتھ گاتی ہیں کہ سننے والے کو وجد آنے لگتا ہے۔ اکثر نعمت خاں کے وہ خیال گاتی ہیں جو بادشاہِ غازی سے منسوب ہیں۔ سننے والوں پر خوشی و انبساط کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ اس فن میں ایسی مشق ہے کہ اگر روز و شب کی صحبت کی دعوت دیں تو بلبلِ بہار کی طرح (مسلل) گاتی رہیں اور گلشن کی طرح اپنے گانوں سے گل افشانی کرتی رہیں۔ تمکنت و اداسے خالی نہیں ہیں۔ شوخ مزاج ہیں۔ اپنے ہمسروں میں آداب و آئین کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ جس نے انہیں بلایا پورا لطف اٹھایا اور اپنے دل کی لوح پر ان کی اُلفت کے نقش کندہ کر لیے۔

سرسبز رنگینی و بچتہ ادائی او ما بانی

ان کی دلکش ادائیگی کی رنگینی نسیم بہار کی طرح چین آراے خوشی و انبساط ہیں۔ ان کے بے نظیر گانے کی آواز نہ بہت و نشاط کے پھولوں کا گلہ ستر ہے۔ ان کی بدیہہ گوئی فکرِ اسیر کی طرح شوخی و رنگینی سے لبریز ہے۔ ان کی نقالی گزکِ شراب کی طرح بہت بامزہ اور نمکین ہے۔ ان کی تمام حرکتیں اور ادائیگی موزوں اور دل پسند ہیں۔ ان کا خرام اور ادائیگی خوبصورت اور خوش اسلوب ہیں۔ کبت گاتے ہیں۔

خیال گانے میں خیالِ نظیری کی طرح بے نظیر۔ ان کی طبیعت عاشقانہ اور مزاج وفا آشنا ہے۔ نورس کنور ہی چین کی نونہالِ نوخیز ہیں۔ موزوں قد ایسی کہ سر و گلشن کو رشک آئے۔

میاں محمد ماہ، جو محصلِ جمانے والوں کے لیے سند اور تمام مجلسیں منعقد کرنے والوں کے سردار ہیں، یہ انہی کی محبوبہ ہیں۔ اکثر ان کے دولت خانے پر محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور بہت لطف آتا ہے۔

پناوتنو

پہلے اس طائفے کی سردار تھیں۔ حسنِ سرشار، کمالِ وجاہت، دلکش آواز اور جسمانی اعضا کے تناسب کی وجہ سے بادشاہِ سلامت کی منظورِ نظر تھیں۔ بادشاہ ان پر غیر معمولی عنایت فرماتے تھے۔ اب اہل شوق کے لیے بزمِ آرائی کرتی ہیں اور آرزو مندوں کی دلی تمناؤں پوری کرتی ہیں۔ رقص شروع کرنے کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو گانا شروع کرنے سے پہلے ہی شورِ تحسین بلند ہو جاتا ہے۔ جب وہ تان لیتی ہیں تو مرحبا اور آفریں کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ ان کی گفتگو میں ایسی رنگینی ہے کہ بہار کا لطف آجاتا ہے اور ان کی بات چیت میں وہ مٹھاس ہے کہ سامعین بے خود ہو جاتے ہیں۔ خیال ایسی نزاکت اور ایسے انداز سے گاتی ہیں کہ سننے والے چیخ اٹھتے ہیں۔ ان کی رنگین گفتگو کانوں میں رس گھولتی ہے اور ان کے مزے دار قسیم، جو دراصل ان کا تکیہ کلام ہیں، دلوں کو مسحور کر دیتی ہیں۔

راگ کے شائقین کو ان کی صحبت سے سیری نہیں ہوتی۔ اور حسن پرستوں کو ان کے دامِ وصال سے نجات نہیں ملتی۔

خاص طور سے تنوناز و ادا سے اپنی پیشانی پر لہراتی ہوئی زلف کی لٹ کی طرح دیکھنے والوں کی جان کو بیچ و تاب میں ڈال دیتی ہیں۔ وہ سامانِ صن و جمال کی مدد سے، کہ جن میں شوخی مستزاد ہے اور خوبصورت قسمیں بند تر جیع ہیں، دلوں کو اپنے قابو میں کر لیتی ہیں۔ قلم ان کی نگاہوں کے کافر ادائیگی بیان کرنے میں قلمِ زنگس کی طرح حیرت زدہ ہے۔ اور نے خامہ ان کی کرشمہ ساز یوں کو بیان کرنے میں محو فریاد ہے۔ ان کے گرفتاروں میں ایک گلدستہ بند رنگینی و مرزائی میاں محمد ماہ ہیں، کہ ان کی محبتیں اور صحبتیں یاد کر کے دماغِ زندگی سے دھواں اٹھنے لگتا ہے اور عینِ عالمِ خوشی میں دلِ غم و اندوہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ (شعر:)

رفتہ و زلفت حسرت از دل

چوں آئینہ ایم جلوہ ز بسمل

بہر حال اگر وصال نہ ہو تو اُس کا خیال ہی سہی اور اگر خوشید نہ ہو تو ہلال ہی سہی۔ عیش

کا ذکر بھی نصف عیش ہوتا ہے۔

تمت تمام شد کارم نظام شد

بہر کہ خواند دعای طمع داریم

زانکہ من بندہ گنہ گاریم

تحریر بیستم شعبان ۱۱۸۵ ہجری۔

تعلیقات

درگاہ حضرت امیر خسروؒ

خسرو نام، لقب بیدین الدین اور کنیت ابوالحسن تھی۔ ابوالحسن بیدین الدین کے بعد وہ اپنا نام اور تلخیص اور موروثی خطاب امیر لکھتے تھے۔ عوام میں وہ امیر خسرو کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام سیف الدین لاچین تھا۔ امیر خسرو نے بہت سے بادشاہوں کے زمانے دیکھے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ فارسی کے زبردست شاعر تھے اردو والے انھیں اپنا سب سے پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۱۳۲۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔ امیر خسرو پر دنیا کے مختلف زبانوں میں بہت زیادہ کتابیں شایع ہوئیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کے پائوں میں جہاں آرا بگیم اور محمد شاہ بادشاہ (۱۱۹۱ء-۱۲۳۸ء) کے مجروں سے متصل جنوب کی طرف ایک احاطہ ہے جسے یارانی چبوترہ کہتے ہیں۔ اس چبوترے پر امیر خسرو کا مقبرہ ہے۔ کسی زمانے میں حضرت نظام الدین اور امیر خسرو کے احاطوں کے درمیان ایک دروازہ تھا جسے ”درمیانی دروازہ“ کہا جاتا تھا۔ یہ دروازہ پتھر کا تھا عرصہ ہوا یہ دروازہ گر چکا ہے۔ میرے محترم بھائی خواجہ حسن ثانی نظامی نے مجھے بتایا کہ عرصہ ہوا اس دروازے پر ایک درخت گر گیا تھا، جس سے یہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ اس دروازے کی پتھر کی محراب مقبرہ امیر خسرو کے احاطے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے۔

ماخذ : اردو فارسی اور انگریزی ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو۔ آثار الصنادید :

۳ : ۲۲۶ - ۳۲۷

درگاہ خواجہ باقی باللہ

قطب روڈ پر نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے صدر بازار کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو ایک سڑک ہے، جس کا نام ہے عید گاہ روڈ۔ اس روڈ پر تھوڑی دور چل کر بائیں ہاتھ

کو اس درگاہ کا دروازہ ہے۔ ایک دروازہ قطب روڈ پر بھی ہے۔ مگر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت سید رضی الدین احمد المخاطب بہ خواجہ باقی باللہ سنہ ۱۵۶۳ - ۶۱۵۶۴ میں کابل میں پیدا ہوئے تھے۔ اکبر بادشاہ (۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء) کے زلزلے میں ہندوستان آئے اور دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۲۱ اکتوبر ۱۶۰۳ء آپ کا انتقال ہو گیا اور اس درگاہ میں مدفون ہوئے۔

اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۲۸ -

-۳۲۹-

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ زندگی بھر دہلی میں رہے اور رشد و ہدایت کے کام میں مصروف رہے۔ اگرچہ سلطان محمود شاہ تغلق نے انہیں بہت لذیبتیں پہنچائیں، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ ۱۵ ستمبر ۱۳۵۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

مالویہ نگر کالکاجی روڈ پر خان پور کی طرف جاتے ہوئے دائیں ہاتھ کو چراغ دہلی روڈ ہے۔ یہ روڈ سیدھی درگاہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو جاتی ہے۔ اس درگاہ میں ان کا مقبرہ بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے معتقد سلطان فیروز شاہ تغلق نے درگاہ میں آپ کی زندگی ہی میں مقبرہ تعمیر کروا دیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) نے درگاہ کے چاروں طرف بہت مضبوط فصیل بنوائی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں لوگوں نے فصیل توڑ کر اس پر مکان بنوایے۔ فصیل کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں۔ اب بس ایک برجی باقی ہے۔ اس پر کبھی کسی کا قبضہ ہے۔ فصیل کے چار دروازے تھے۔ یہ دروازے بہت ٹوٹی پھوٹی حالت میں باقی ہیں۔ مقبرہ مستطیل اور ۱۸۰ فٹ لمبا، ۱۴۰ فٹ چوڑا اور ۱۲ فٹ اونچا ہے۔

درگاہ سے منقل ایک چشمہ تھا جو بند ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ ”چراغ دہلی کے قریب موضع بھڑی میں یہ چشمہ تھا۔ میرے بچپن تک اس میں مریخ

ہنانے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اب چشمہ خشک ہو گیا ہے اور کوئی وہاں نہیں جاتا۔
 حضرت چراغ دہلی کا مقبرہ تیس فٹ مربع ہے۔ مقبرے پر ایک گنبد ہے۔ چاروں
 کونوں پر آٹھ آٹھ فٹ اونچے پتلے پتلے مینار ہیں۔ مقبرے کی چھت کے چاروں طرف
 چھتے ہے۔ مقبرے کے بارہ در ہیں۔ گیارہ دروں پر جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جنوب کی طرف
 گیارہواں در دروازے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پورا مقبرہ لال پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اب
 ستونوں اور گنبد پر ہر رنگ اور جالیوں پر سفیدی کر دی گئی ہے۔ بشیر الدین احمد نے لکھا ہے
 کہ مقبرے کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ اب یہ کٹورا نہیں ہے اور درگاہ کے متولی کو اس
 کا علم نہیں کہ یہ کٹورا کب غائب ہوا اور کس نے غائب کیا۔

ملاحظہ ہوں : اردو۔ آثار الصنادید : ۱ : ۳۲۶ : ۳ : ۳۳۲ - ۳۳۳۔ واقعات :
 ۳ : ۹۸ - ۹۱ - مزارات : ۵۲ - ۵۳ - تاریخ مشائخ چشت : ۱۸۱ - ۱۸۶ -
 چراغ دہلی : ۴۴۱ : ۴۴۲ - فرنگ آصفیہ : ۱ : ۳۱۸ -
 فارسی : - طامس ولیم بیل : ۹۰ - سیر المنازل : ۹۲ - ۹۳ - اخبار الاخبار : ۱۴۷ -
 خزینۃ الاصفیا : ۲۵۲ - ۳۵۷ - جمیع اولیاء دہلی : ۴۴ - ۴۵ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - خیر المجالس
 انگریزی : - شرما : ۷۷ - راجرز : ۸۸ - ہرن : ۱۱۳ - کوپر : ۱۰۰ - فن شا : ۲۸۴ -
 سٹیفن : ۱۴۵ - ۱۴۶ -

درگاہ حضرت سید حسن رسول نما

کناٹ پلیس سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر پنج کنوئیاں روڈ پر یہ درگاہ
 واقع ہے۔ درگاہ کے اندر بہت زیادہ آبادی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی حالت
 بہت خراب ہے۔ سید حسن حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں ہیں۔ بخارا میں پیدا ہوئے۔
 والد کے ساتھ ہندوستان آئے اور مولان میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد دلی آئے اور
 یہاں گلابی باغ میں قیام کیا۔ ۱۱۰۳ھ (مطابق ۱۶۹۱ء - ۱۶۹۲ء) میں انتقال ہوا تو وہیں انھیں
 مدفون کر دیا گیا۔ گویا پنج کوئیاں روڈ پر اس زمانے میں گلابی باغ تھا۔ "جمیع اولیاء دہلی"

میں باغ کا نام ”باغ گلانی“ لکھا ہے۔ بقول خواجہ حسن نظامی ”دہلی کے نقال اور بھانڈے بھئی اب تک ان کو چاہتے ہیں اور ہر جگہ ناچ مجرے کے وقت پہلے حضرت کا نام لے کر اپنے کان پکڑتے ہیں۔“

درگاہ کا احاطہ ۴۷ فٹ مربع ہے۔ ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ مزار کے مشرق میں آپ کے صاحبزادے ناصر علی اور دو پوتوں کی قبریں ہیں۔ درگاہ کے احاطے کا صدر دروازہ خستہ حالت میں ہے کسی زمانے میں یہ دروازہ بہت شاندار رہا ہوگا۔ احاطے کی زمین کا چپہ چپہ کرائے پر اٹھا دیا گیا ہے۔ پچاس ساٹھ خاندان اس احاطے میں رہتے ہیں۔ دہلی میں دو درگاہیں انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں ہیں ایک تو یہی درگاہ اور دوسری درگاہ قدم شریف۔ اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثارالصنادید: ۳ : ۳۲۳ - ۳۲۴ - پرانی دہلی کے حالات: ۱۷۔

درگاہ شاہ ترکمان

حضرت شاہ ترکمان کا پورا نام شیخ محمد ملقب بہ صدرالدین و شمس الدین تھا۔ شمس العارفین کے نام سے مشہور تھے۔ ”جمع اولیاء دہلی“ میں ان کا نام شیخ ترک بیابانی بتایا گیا ہے۔ راجا پھورا کے عہد میں ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ء - ۱۱۹۰ء) میں دہلی تشریف لائے اور ترکمان دروازے کے قریب بھوجلہ پہاڑی نامی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سکونت اختیار کی۔ اُس وقت یہ علاقہ فیروز شاہ تغلق کے آباد کیے ہوئے شہر فیروز آباد کا حصہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے معاصر تھے۔ ۲۷ رجب ۶۲۷ھ (مطابق ۲۵ فروری ۱۲۲۷ء) کو انتقال کیا اور اپنے جاے قیام میں مدفون ہوئے۔

ماخذ: اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثارالصنادید: ۳ : ۳۲۴ - ۳۲۵۔

درگاہ شاہ مرواں

آج کل جس سڑک کا نام اربند مارگ ہے کچھ عرصے پہلے اس کا نام مہرواں روڈ

تھا۔ اگر ہم دلی سے مہرولی جائیں تو راستے میں دائیں ہاتھ کو صفدر جنگ کا مقبرہ نظر آئے گا۔ مقبرے کا صدر دروازہ مشرق رو ہے اس کے شمال مشرق میں موضع جور باغ اور مشرق میں موضع خیر پور تھا مقبرہ صفدر جنگ سے تھوڑی دور پر ایک سڑک بائیں ہاتھ کو مڑتی ہے۔ اس سڑک کا نام کربلا روڈ تھا۔ ۱۹۵۵ء میں اس سڑک کا نام جور باغ روڈ کر دیا۔ اس روڈ پر اگر مشرق کی طرف چلیں تو تھوڑے سے فاصلے پر کربلا ہے۔ اور کربلا کی مشرقی دیوار سے ملتی ہوئی کربلا روڈ ہے۔ اس روڈ کے اختتام پر درگاہ شاہ مرداں ہے۔ یہی درگاہ قدم گاہ حضرت علیؑ ہے۔ اس درگاہ کے چاروں طرف محمد شاہ بادشاہ (۱۹۱۹ء - ۱۹۴۸ء) کی بیوی نواب قدسیہ نے مضبوط فصیل بنوائی تھی۔ فصیل کے اندر کا علاقہ علی گنج کہلاتا تھا۔ اور اس میں اچھی خاصی آبادی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی آباد کاری کے لیے یہ فصیل اور فصیل کے اندر کی تمام عمارتیں منہدم کر دی گئیں۔ لوگ مزاروں کو شہید کر کے سنگ مرمر اٹھا کر لے گئے۔ اب صرف درگاہ شاہ مرداں باقی ہے۔ جس کی پوری تفصیل میں نے اپنی کتاب "دلی کی درگاہ شاہ مرداں" میں بیان کر دی ہے۔

اردو اور فارسی ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید : ۳ : ۲۳۵۔

درگاہ قدم شریف یا مقبرہ

پہاڑ گنج سے چتر گپت روڈ اور اور بھنبیل روڈ کے چوراہے سے اگر ہم موٹیا کھان جائیں تو دائیں طرف ایک سڑک مڑتی ہے۔ اس سڑک پر نبی کریمؐ میں درگاہ قدم شریف ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) کے زمانے میں مکہ معظمہ سے دہلی تک قدم شریف اپنے سر پر رکھ کر لائے تھے۔ جب شہزادے فتح خاں کا انتقال ہوا تو فیروز شاہ نے شہزادے کی قبر بنوا کر اس پر ایک چھوٹا سا حوض بنایا اور حوض میں قدم شریف رکھ دیا۔ اس مزار کے گرد مدرسہ، مکانات، ایک مسجد بنوائی اور چار دیواری سے متصل ایک بہت بڑا حوض بنوا دیا۔ پوری عمارت پختہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ دروازے تھے۔ ۱۹۱۹ء (سنہ تصنیف واقعات دارالحکومت دہلی) میں پانچ دروازے کھلے ہوئے

تھے۔ اور دو بند۔ اب (جنوری ۱۹۸۰ء) میں شمالی دیوار کا صرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، باقی دروازے تیغا لگا کر بند کر دیے گئے۔ یہ عمارت مستطیل ہے اور ۸۰ فٹ لمبی اور ۳۶ فٹ چوڑی ہے۔ بیچ میں مقبرہ اور فتح خان کی قبر ہے۔ اب قبر پر قدم شریف نہیں ہے۔ درگاہ کے سجادہ نشین اور متولی پیر جی معراج الدین صاحب نے بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں یہ قدم شریف غائب ہو گیا۔ درگاہ کے شمال و جنوب میں دو دالان ہیں۔ جن کی چھتیں سنگِ خارا کے ۴۶، ۴۶ ستونوں پر قائم ہیں۔ ان دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گنبد ہے۔ شمالی دالان کے مشرقی گنبد کے اندر استرکاری پر بہت خوب صورت سیل بوٹوں کے نشان باقی ہیں۔ باقی گنبدوں میں بھی ایسی آرائش ہوگی، مگر اب بالکل نہیں ہے۔ شمالی دالان میں بہت سی قبریں ہیں اور اب بہت سی قبروں کے ٹوٹے ہوئے تقویر پڑے ہوئے ہیں۔

تعمیر ہند کے بعد اس درگاہ پر پاکستان سے آئے ہوئے مہاجرین کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں عدالت نے درگاہ سجادہ نشین پیر جی سلیم الدین کو واپس دلا دی۔ درگاہ کی عمارت کو جو نقصان ہوا، اس کی درستی ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اندر سے درگاہ بہت بری حالت میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہینوں جھاڑو نہیں دی جاتی، دالانوں میں سفیدی کی گئی ہے اصل مقبرے کے سولہ ستون ہیں ان پر ہر رنگ کر رکھا ہے اور فتح خاں کی قبر پر گہرا سبز رنگ کیا ہوا ہے۔

مقبرے کے مشرق میں بھی ایک دالان ہے۔ جو مغلیہ عہد کی تعمیر معلوم ہوتا ہے۔ درگاہ کے چاروں طرف بہت بڑا قبرستان تھا۔ اب کہیں کہیں کوئی قبر نظر آتی ہے۔ ورنہ آبادی ہو گئی ہے۔ لوگوں نے قبرستان اس طرح گھیرا ہے کہ درگاہ میں جانے کے لیے ایک انتہائی گندی اور بدبو دار بستی سے گزرنا پڑتا ہے۔ جگہ اتنی تنگ ہو گئی ہے کہ ایک گلی صرف تین چار فٹ چوڑی ہے۔ جگہ پر نا جائز قبضہ کرنے والوں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں۔

ماخذ: اردو، فارسی اور انگریزی ماخذ کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الضنادیہ:

درگاہ قطب الاقطاب

حضرت قطب الدین بختیار کاکلیؒ بر احمد بن موسیٰ "فرغانہ" کے ایک قصبے اوش میں پیدا ہوئے تھے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ شیخ ابو حفص سے علوم ظاہری حاصل کیے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ۵ نومبر ۱۲۳۷ء کو انتقال ہوا اور مہرولی میں مدفون ہوئے۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو محی الدین بہادر شمس الامرا خورشید جاہ نے مزار کے چاروں طرف دو فٹ ایک انچ اونچا سنگ مرمر کا بہت خوب صورت کٹھنرا بنوایا تھا۔ مزار کچا ہے۔ جس پر چادر چڑھی رہتی ہے۔ مقبرہ اندر ۱۸ فٹ لمبا اور ۱۵ فٹ چوڑا ہے۔ درگاہ کے شمالی دروازے پر نصب ایک کتبے سے پتا چلتا ہے کہ شیر شاہ سوری (۱۵۳۸ء - ۱۵۴۵ء) کے عہد میں شیخ خلیل نے ۱۵۴۲ء میں یہ درگاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس درگاہ میں حضرت مولانا فخر الدین، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری جیسے بزرگوں کے مزار ہیں۔ درگاہ کے مغرب میں ایک احاطے میں مغل بادشاہوں، شاہ عالم ثانی (۱۷۰۹ء - ۱۸۰۶ء) اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء - ۱۸۳۷ء) کی قبریں ہیں۔ اسی درگاہ کے احاطے میں نوابانِ حیدرآباد علاء الدین خاں علائی، نواب بانڈہ کی ہڑواڑیں ہیں۔ فرخ سیر نے بھی ایک ہڑواڑ بنائی تھی، جس میں مغل خاندان کے لوگ مدفون ہیں۔

مآخذ: اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید، ۳: ۳۲۹، ۳۳۰۔

درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی خالیدی بن خواجہ احمد بن خواجہ علی بن ساری کی بدایوں میں ولادت ہوئی۔ یہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔ دلی آکر موضع غیاث پورہ میں قیام کیا۔ آج کل یہ موضع بستی نظام الدین کہلاتا ہے۔ چورانوے سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (مطابق ۳ اپریل ۱۳۲۵ء) کو انتقال ہوا۔ انھوں نے جو مسجد خود تعمیر کی تھی، اس کے صحن میں مدفون ہوئے۔ اسی مقام کو درگاہ حضرت نظام الدین

کہتے ہیں۔

اردو، فارسی اور انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: آثارالصنادید: ۳: ۳۳۰ -
۳۳۲۔ تذکرہ حضرت نظام الدین اولیا: خانقاہ مبارک کی جھلک حضرت نظام الدین
اولیا: خیرالمجاس۔

مقبرہ سلطان غاری

بہت سے مورخین نے سلطان شمس الدین غاری لکھا ہے۔ جو درست نہیں۔ یہ سلطان
التمش کے ولی عہد ناصر الدین محمود کا مقبرہ ہے۔ چوں کہ مزار غار میں ہے، اس لیے انہیں غاری کہتے ہیں۔
قطب مینار کے جنوب مغرب میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر مہرونی سے پالم کی طرف
جانے والی اس سڑک پر جسے مہی پال روڈ کہا جاتا ہے، ڈی۔ ڈی۔ اے نے بسنت کینج نام سے
ایک کالونی آباد کی ہے۔ اسی کالونی کے پاس یہ مقبرہ ہے۔ شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان
کے کچھ کے علاقے میں اگر مسلمانوں نے کوئی مقبرہ تعمیر کیا تھا۔ تو وہ اب محفوظ نہیں ہے۔ اگر کچھ
کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا مقبرہ ہے۔ اور مسجد قوۃ الاسلام
اور اجمیر کی اڑھائی دن کے جھونپڑے کی مسجد کے بعد سرزمین ہند پر مسلمانوں کی تیسری تاریخی
عمارت ہے۔ مقبرے کے صدر دروازے پر نصب کتبے سے پتا چلتا ہے کہ التمش نے اپنے
ولی عہد ناصر الدین محمود کا مقبرہ تعمیر کیا تھا۔ ولی عہد کا ۱۲۲۹ء میں لکھنوتی میں انتقال ہو گیا تھا۔
اس کی لاش دہلی لاکر یہاں دفن کی گئی۔

اس مقبرے کی مزید تفصیل اور اردو، فارسی اور انگریزی ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو:

آثارالصنادید: ۳: ۳۰۶ - ۳۰۷۔

آرزو، سراج الدین علی خاں

خان آرزو کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بزرگوں کا وطن صوبہ اودھ تھا۔ خود اکبر
آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرف سے سلسلہ نسبت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی بن

کے صاحبزادے شیخ کمال الدین سے اور والدہ کی طرف سے شیخ محمد غوث گوالیاروی سے ملتا ہے۔ ۱۱۰۱ھ (مطابق ۱۶۸۹-۱۶۹۰ء) میں ولادت ہوئی۔ یہ میر تقی میر کے سوتیلے ماموں تھے۔ میر عبد الصمد سخن کے شاگرد تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ بادشاہ نے انھیں "دیپ پناہ" کا خطاب دیا تھا۔ زندگی کا بہت بڑا حصہ دلی ہی میں گزرا۔ آخر میں نواب سالار جنگ کی معرفت اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے متوسل ہو گئے۔ تین سو روپے ماہانہ مقرر ہوا۔ بقول صاحب تذکرہ مسرت افزا۔ ۲۳ جمادی الآخر ۱۱۶۹ھ (مطابق مارچ ۱۷۵۶ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ لاش دلی لاکر دفن کی گئی۔

مآخذ: عقد ثریا: ۷-۸۔ گل عجائب: ۱-۲۔ سفینۂ خوش گو: ۳۱۲-۳۳۱۔
تذکرہ الشعرا: ۲۔ سرو آزاد: ۲۲۷-۲۳۱۔ ریاض الفصحا: ۲۴۔ گلشن ہمیشہ
بہار: ۵۳۔ مجموعہ نغز: ۱: ۲۴۔ نتائج الافکار: ۱۳-۱۴۔ تذکرہ مسرت افزا
(اردو ترجمہ): ۳۱-۳۶۔ بزم سخن: ۱۹-۲۰۔ طبقات الشعرا: ۶۴۔

اعتماد الدولہ قمر الدین خاں

ان کا اصل نام میر محمد فاضل تھا۔ اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر کے صاحبزادے تھے۔ عہد عالمگیر میں مناسب عہدہ اور قمر الدین خاں خطاب پایا۔ محمد شاہ بادشاہ نے اعتماد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔ ۱۷۲۴ء میں وزارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی سے مقابلے میں سرنیہ کے مقام پر ۱۷۴۸ء میں توپ کا ایک گولہ آکر لگا اور اعتماد الدولہ مارے گئے۔

مآخذ: ماثر الامرا (اردو ترجمہ): ۱: ۲۵۲-۲۵۴۔

انجام، عمدۃ الملک امیر خاں

یہ امیر خاں عالم گیر شاہی کے صاحبزادے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے متوسل تھے۔ بادشاہ نے عمدۃ الملک کے خطاب سے نوازا تھا۔ بقول صاحب تذکرہ مسرت

افزا" ذہانت، معاملہ فہمی، لطیفہ گوئی، سخن سنجی، بدیہہ گوئی، حاضر جوابی اور ادرا فہمی میں کوئی اُن کا نظیر نہیں تھا۔" مرزا عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے، اردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ۲۶ دسمبر ۱۷۴۶ء کو ایک ملازم نے لال قلعے میں اُن کو قتل کر دیا۔

مآخذ: طبقات الشعراء: ۶۸ - ۷۱ - تذکرہ مسرت افزا: ۲۹ - تذکرہ ماہ و سال ص ۵۲ - خم خانہ جاوید: ۱: ۲۵۴ - عقد ثریا: ۹ - صبح گلشن: ۲۲ - تذکرہ ریختہ گوین: ۲۰ - تذکرہ بے نظیر: ۹ - گلشن ہمیشہ بہار: ۴۴ - مجموعہ لغز: ۱: ۸۰ - مفتاح التواریخ: ۳۲۴ - طبقات الشعراء ہند (مرتبہ عطا کا کوئی): ۱۱۸ - ۱۲۳ (کریم الدین نے انجام کے حالات غلط تفصیل سے بیان کیے ہیں) گلشن ہند: ۲۱ - ۲۳۔

بسنت

بہار شروع ہوتے ہی سرسوں پھوٹتے ہی ماگھ کے مہینے میں بسنت کا میلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہندو اس موسم کو نیک شگون سمجھ کر دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں پر سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بنا کر لے جاتے ہیں۔ اس میلے میں سیلانی زرد کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔ مولوی سید احمد دہلوی نے فرہنگ آصفیہ کی جلد اول میں اس میلے کی مکمل تفصیل دی ہے۔

ملاحظہ ہو: فرہنگ آصفیہ: ۱: ۳۹۴ - ۳۹۶۔

بیدل، مرزا عبدالقادر

۱۶۴۴ء میں پٹنہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ بہ قول خوشگو "انتخاب" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ والد کا نام مرزا عبدالخالق تھا۔ ان کا تعلق قوم برلاس سے تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ بنگال میں گزارا۔ کچھ عرصے محمد اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ زندگی کے آخری چھتیس سال دہلی میں گزرے۔ تذکرہ مسرت افزا میں اُن کی تاریخ وفات ۲۳ نومبر ۱۷۴۰ء اور

سفینہ خوش گو میں ۲۴ نومبر ۱۷۲۰ء بتائی گئی ہے۔ شاہجہاں آباد میں اپنے ہی گھر میں مدفون ہوئے۔

مآخذ: تذکرہ مسرت افزا: ۵۲-۵۳۔ کلمات الشعرا: ۱۴: ۱۸۔ سرو آزاد:
۱۴۸-۱۵۴۔ سفینہ خوشگو: ۱: ۱۱۰-۱۱۱۔ عقد ثریا: ۱۶-۱۷۔ تذکرہ بے نظیر:
۲۹-۳۵۔ تذکرہ الشعرا: ۲۹۔ مجموعہ نغز: ۱: ۱۱۵-۱۱۷۔ نتائج الافکار: ۲۳-
۲۴۔ شمع انجن: ۲۳۔

ثابت میر محمد افضل

ان کا اصل وطن بدخشاں تھا۔ کچھ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ الہ آباد میں پیدا ہوئے، بعض کا بیان ہے کہ دہلی اُن کی جائے ولادت ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں اکبر آباد میں ولادت پائی۔ ان کے بزرگ سنی العقیدہ تھے مگر یہ شیعہ ہو گئے تھے۔ یہ قول مصحفی ۱۷۳۸-۱۷۳۹ء میں اور یہ قول خوشگو، ۱۷۳۹ء-۱۷۴۰ء میں انتقال ہوا۔

مآخذ:۔ سفینہ خوشگو: ۲۲۲-۲۲۵۔ تذکرہ الشعرا: ۳۴۔ تذکرہ بے نظیر: ۵۲-
۵۵۔ سرو آزاد: ۲۰۳-۲۰۴۔ عقد ثریا: ۱۵۔

جاوید خاں، نواب بہادر

نواب قدسیہ (اصل نام ادہم بابئی) محمد شاہ کی بیوی تھیں۔ قلعے میں ان کے مشیر خواجہ نواب بہادر جاوید خاں تھے۔ محمد شاہ کے انتقال کے بعد جاوید خاں کو بہت عروج ہوا۔ انھوں نے محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا تھا۔ صدر جنگ اور جاوید خاں میں اس حد تک اختلاف ہوا کہ صدر جنگ نے ۲۸ اگست ۱۷۵۲ء کو انھیں قتل کرادیا۔

مآخذ:۔ دلی کی درگاہ شاہ مرداں: ۵۵-۵۸۔

جانجاناں، مرزا مظہر

مرزا مظہر جان جانان کے والد مرزا جان شاہی ملازمت میں تھے۔ عہدِ اوزنگ زیب میں انھوں نے ملازمت ترک کر کے گوشہ گیری اختیار کر لی۔ مرزا جان جانان کی ولادت ۱۱ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۱۱۰ھ (مطابق یکم جنوری ۱۶۹۹ء) کو ہوئی۔ شمس الدین حبیب اللہ لقب اور مرزا جان جان نام تھا، جو بگڑ کر جان جانان ہو گیا۔ ان کا تخلص مظہر تھا۔ لیکن بعد میں انھوں نے جان جانان تخلص اختیار کر لیا۔ مرزا مظہر نقش بندی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱۹۵ھ کی رات کو ان پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا اور ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ (۶ جنوری ۱۷۸۰ء) کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مزار دہلی میں ترکمان دروازے کے قریب درگاہ مولانا شاہ ابوالخیر میں بہت اچھی حالت میں موجود ہے۔ مرزا صاحب پر اب تک پی۔ ایچ۔ ڈی کے دو مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ ایک تو خلیق انجم کا ہے، جو غیر مطبوعہ ہے اور دلی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اور دوسرا ڈاکٹر سید تبارک علی نقش بندی کا ہے۔ یہ مقالہ "مرزا مظہر جان جانان"۔ ان کا عہد اور شاعری" کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شایع ہو چکا ہے۔

جلال اسیر مرزا

اصفہان کے رہنے والے تھے۔ شاہ عباس اول کے داماد تھے۔ ہندوستان کبھی نہیں آئے۔ ۱۶۳۸-۱۶۴۰ء میں انتقال ہوا۔ کلمات الشعرا: ۳ اور ۲۰۔ تذکرہ الشعرا:

۱۳۔

جہاندار شاہ، معز الدین

شاہ عالم بہادر شاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹ اپریل ۱۶۶۲ء کو تخت نشین ہوئے۔ کل گیارہ مہینے پانچ دن کی حکومت نصیب ہوئی۔ ۲۳ جنوری ۱۷۱۳ء کو لال قلعے میں قتل کر دیے گئے۔

ماخذ:- آثار الصنادید: ۳: ۲۴۶-۲۴۷۔

پنابانی

نعمت خاں نے پنابانی کو خیال اور غزل کی گائیکی میں تربیت دی تھی تاکہ وہ شاہی دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ کر سکے۔
 مآخذ:- (چندر شیکھر: ص ۱۲۱)

حزب، شیخ محمد علی

شیخ جمال الدین ابوالمعالی حزب ۷ جنوری ۱۶۹۲ء کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔
 ان کے والد شیخ ابوطالب گیلانی صاحب ثروت تھے۔ ۱۷۳۳ء میں ہندوستان آئے۔
 ٹھٹھہ اور ملتان ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ کچھ عرصے بعد بنارس چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ تقریباً پینتیس سال ہندوستان میں گزارے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۷۶۶ء کو بنارس میں انتقال ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

مآخذ :- عقد ثریا: ۲۱-۲۲ - تذکرہ بے نظیر: ۵۸ - ۶۰ - تذکرۃ الشعراء: ۴۲۔
 عقد ثریا: ۲۱-۲۲ - سفینہ خوشگو: ۲۹۱-۲۹۲ - سرو آزاد: ۲۲۵-۲۲۶۔
 خزانہ عامرہ: ۱۹۳-۱۹۴۔ مزید ملاحظہ ہو: حزب، شیخ علی، سفینہ شیخ علی حزب،
 حیدرآباد، ۱۹۳۰ء۔

حمید الدین ناگوری

اسم مبارک محمد عطا تھا لیکن قاضی حمید الدین ناگوری کے نام سے مشہور ہوئے۔
 تحصیل علم کے بعد ناگور کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس عہدے پر کام کرتے ہوئے تین سال
 گزرے تھے کہ خواب دیکھا کہ آنحضرتؐ اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ دوسرے دن ملازمت
 ترک کر کے حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں بغداد پہنچے اور وہاں شیخ
 شہاب الدین سہروردی کے مرید ہو گئے۔ وہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے

دوستی ہوئی، جو زندگی بھر قائم رہی۔ دلی سے روانگی کے ایک سال سات مہینے اور کچھ دن بعد مکے پہنچے۔ تین سال وہاں رہ کر دلی آگئے۔ ۲۸ جنوری ۱۲۴۶ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کی وصیت کے مطابق خواجہ قطب الدین کے پایان میں مدفون کیے گئے۔

مآخذ:- حبیب اللہ: ۱۱-۱۳، ۱۹۶-۱۹۷- (ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے ذکر جمیع ادبیاتے دہلی میں فوائد الفواد، سیرالاولیاء طبقاتِ ناصری۔ خیرالمجاس، سیرالعارفین، اخبارالاجیاز، گلزار ابرار وغیرہ کے حوالے دیے ہیں۔)

خان زماں

مآثر الامرا میں خان زماں نام کے دس لوگوں کا ذکر ہے۔ ان میں عہدِ محمد شاہ کے خان زماں کا نام بھی شامل ہے۔ غالباً یہی وہ بزرگ ہیں جن کا ذکر ”مرقعِ دہلی“ میں ہے۔ ان کے والد شیخ غلام مصطفیٰ کار طلب خان، بہادر شاہ اول کے محافظ دستے کے سپاہی تھے۔ خان زماں جہاں دارشاہ اور محمد شاہ کے زمانے میں عروج پایا، لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ عہدِ محمد شاہ میں ان کی پہلی جیسی عزت اور مرتبہ نہیں رہا۔

مآخذ:- مآثر الامرا (اردو ترجمہ) : ۱ : ۸۱۷-۸۱۸۔

خلد مکان

ابوالمنظر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو وفات کے بعد ”خلد مکان“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب کی ولادت یازدہم ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ (۱۰ اکتوبر ۱۶۱۸ء) کو ہوئی۔ یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ء (۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء) کو تخت نشین ہوئے۔ کچھ دن اوپر پچاس سال حکومت کر کے ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ (۲۰ فروری ۱۷۰۷ء) کو اورنگ آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

خلد منزل

قطب الدین محمد معظم شاہ عالم مخاطب بہ بہادر شاہ کو وفات کے بعد ”خلد منزل“ کہا جاتا

تھا۔ یہ اورنگ زیب کے صاحبزادے تھے۔ ستمبر ۱۶۴۳ء کو ولادت ہوئی۔ ۱۷۰۷ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۸ فروری ۱۷۱۲ء کو انتقال ہوا۔ اور دلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قریب ایک حجر میں مدفون ہیں۔ حجر کی حالت خستہ ہے۔ مغربی اور جنوبی دیوار کے کنگورے گر چکے ہیں۔ شاہ عالم ثانی اور اکبر شاہ ثانی کی قبریں بھی اسی حجر میں ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی اپنا سردابہ اسی حجر میں بنوایا تھا۔ مگر انھیں یہاں دفن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ عالمگیر ثانی کے صاحبزادے بہادر شاہ اور بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فتحزاد کے مزار بھی اسی حجر میں ہیں۔

مآخذ: آثارالصنادید : ۱ : ۲۴۴ - ۳ : ۳۸۵۔

راحم ابراہیم علی خاں

اورنگ زیب کے عہد میں ایک ہزار ذات اور تین سو سوار کے منصب پر فائز تھے۔

مآخذ: THE MUGHAL NOBILITY UNDER AURANGZEB P.212 بحوالہ

چندر شیکھر : ۵۹۔

رتی مہابت خاں

نئی دلی تعمیر ہونے سے پہلے راؤز ایونیو کا علاقہ رتی مہابت خاں کہلاتا تھا۔ یہ بہت بڑا کھلا میدان تھا اور یہاں مختلف کھیل ہوتے تھے۔ آج بھی یہاں ایک سڑک مہابت خاں روڈ ہے۔ اس علاقے میں اردو گھر اور ایوان غالب ہیں۔

مہابت خاں عہد جہانگیر و شاہجہاں کا ایک اہم امیر تھا۔ اس کا نام زمانہ بیگ تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں کابل کا صوبہ دار تھا اور شاہجہاں کے زمانے میں دلی کی صوبہ داری اس کے سپرد تھی۔ ۱۶۲۴ء - ۱۶۳۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مآخذ: مفتاح التواریخ : ۲۴۲ - ۲۴۳۔

شاہ رحمت اللہ

یہ مرزا جانِ جاناں کے مرید تھے۔

مآخذ:۔ A HISTORY OF SUFISM IN INDIA P.248

شیخ بایزید اللہ ہو

شیخ بایزید اللہ ہو مرید تھے شیخ آدم بنوری نقشبندی کے۔ قصور (پاکستان) کے بیٹھانوں میں سے تھے۔ ہمیشہ سروپا برہنہ، بس ایک چادر اور ایک قمیض پہنے، سرخ لنگی، اور چمڑے کا کر بند باندھے سڑکوں پر اللہ ہو کا نعرہ لگاتے پھرتے تھے۔ ان کے ساتھ لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ۱۳ اپریل ۱۶۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ موضع شاہ دہورہ میں نجاس کے قریب سرراہ انھیں دفن کیا گیا۔ اب یہ مزار دہلی میں روشن آرا باغ کے متصل شمال میں ہے۔

مآخذ:۔ حبیب اللہ: ۹۷، ۲۷۶، ۲۷۷۔ مزارات: ۱۲۳-۱۲۴۔

شاہ غلام محمد داؤل پورہ

اردو شاعروں کے تذکروں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ سید مظفر حسین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”داؤل تخلص کی ایک مثنوی موسوم بہ ”ناصری نامہ“ راقم کی نظر سے گزری ہے۔ جو نین سو چھپن اشعار پر مشتمل ہے۔۔۔ یہ مثنوی شیخ عبداللطیف المنحاطب بہ دواؤ الملک معروف بہ شاہ داؤل کی تصنیف ہے۔“ شاہ صاحب سلطان محمود بیکرہ کے دربار سے متوسل تھے، بعد میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔

مآخذ:۔ مرقع دہلی (مرتبہ سید مظفر حسین): ۲۷۔

شاعر معنی یاب خاں

گل محمد نام اور شاعر تخلص تھا۔ معنی یاب خاں ان کا خطاب تھا۔ لوآب صاحب

نے صرف یعنی یاب خاں لکھا ہے۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ اول کی ایک بیوی نے انھیں گود لے لیا تھا۔ اس لیے اُن کی پرورش لال تلے میں ہوئی شہزادوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ محمد شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ جب جوان ہوئے تو بادشاہ کی بیگم نے (جنھوں نے انھیں گود لیا تھا) اپنے پہلے شوہر سے ہونے والی لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ بیدل کو ان سے اتنی محبت تھی کہ انھوں نے اپنا عصا اور تلوار اُن کو دی تھی۔ ۱۱۵۷ (۱۷۴۴ء) میں حالتِ جماع میں انتقال ہوا۔ انھوں نے غالباً اساک کی دوا کھائی تھی۔

ماخذ:۔ خوش گو: ۲۲۳-۲۲۶ - سرو آزاد: ۲۳۵ - ۲۳۶۔

صداقت محمد ماہ

عہد محمد شاہ کی سیاسی تاریخوں اور تذکروں میں محمد ماہ نام کے صرف ایک صاحب کا ذکر ملتا ہے۔ خوش گو نے اپنے تذکرے میں محمد ماہ کا ذکر کیا ہے اور صداقت اُن کا تخلص بتایا ہے۔ چندر شیکھر نے مرقع دہلی انگریزی ترجمہ: ص ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ یہ وہی محمد ماہ ہیں جن کا ذکر درگاہ قلی خاں نے کیا ہے۔ مجھے ڈاکٹر چندر شیکھر سے اتفاق ہے۔ محمد ماہ مشہور شاعر محمد اکرم غنیمت کے بھتیجے تھے۔ نوجوانی میں ۱۱۴۸ھ (مطابق ۱۷۳۵-۱۷۳۶ء) میں مرصن سودا کا شکار ہو کر انتقال کر گئے۔

ماخذ:۔ سفینہ خوشگو: ۱۹۸ - ۲۰۱۔

عظیم اللہ خاں

عہد محمد شاہ میں عظیم اللہ خاں نام کی صرف ایک ہی نمایاں شخصیت ہے جن کا ذکر ماثر الامرا میں ہے۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں جن کا نام "مرقع دہلی" میں آیا ہے۔ عظیم اللہ خاں صاحبزادے تھے رعایت خاں ظہیر الدولہ کے۔ یہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کے داماد تھے۔ بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہے تھے۔

ماخذ:۔ ماثر الامرا (اردو ترجمہ): ۲: ۲۳۵ - ۲۳۶۔

فرخ سیر، جلال الدین

یہ عظیم الشان بن بہادر شاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ ۱۶۸۳ء میں پیدا ہوئے۔
۱۷۱۲ء میں تخت نشین ہوئے اور ۱۷۱۸ء کو سید بھائیوں نے زہر دے کر
قتل کرا دیا۔

کمال، شاہ کمال الدین حسین

اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا نام شاہ کمال الدین حسین کمال لکھا ہے۔ لیکن
انہوں نے اپنے تذکرے میں پورا نام شاہ محمد کمال اور تخلص کمال لکھا ہے۔ قصبہ کھٹرا
مانک پور (الہ آباد) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد قادر نواز خاں اہل منصب و
جاگیر تھے۔ انہوں نے صوبہ بہار میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عظیم آباد (پٹنہ) کے قریب
اپنے مرشدزادے کے نام پر محی الدین پور آباد کیا۔ والد کی وفات کے وقت کمال کی عمر
چودہ برس تھی۔ اس عمر میں انہیں سیر و سیاحت کا شوق ہوا۔ گھر کا انتظام بڑے بھائی
کے سپرد کر کے عظیم آباد آ گئے۔ کچھ عرصے بعد فیض آباد پہنچ گئے۔ اور نواب شجاع الدولہ
کی والدہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ محمد قائم، قائم جاند پوری کی
شاگردی اختیار کی۔ جب قائم لکھنؤ سے رام پور چلے گئے تو انہوں نے قلندز بخش جرات کا
تلمذ اختیار کر لیا۔ استاد شاگردی کا یہ سلسلہ لکھنؤ میں اُس وقت تک جاری رہا جب تک
وہ لکھنؤ میں رہے۔ شاہ کمال لکھنؤ سے حیدر آباد آ گئے۔ اور حیدر آباد سے دلی ۱۷۳۹ء میں کمال
دلی میں تھے۔ اس کا پتہ نہیں چل سکا کہ اُن کا انتقال دلی میں ہوا۔ یا وہ واپس حیدر آباد یا
کسی اور شہر چلے گئے تھے۔ کمال نے ”مجمع الانتخاب“ کے نام سے شاعروں کا تذکرہ مرتب
کیا تھا۔ اب تک اس کے تین محظوظے دستیاب ہو چکے ہیں۔ ایک انجمن ترقی اردو (ہند)
کی لائبریری میں ہے۔

ماخذ: تین تذکرے: ص ۱۱۔ عمدہ منتخبہ: ۵۲۱-۵۲۲۔ مجمع الانتخاب قلمی۔

عیار الشعرا (قلمی) ورق ۲۰۴ الف - سخن شعرا: ۲۹۹ - مجموعہ نغمز: ۲: ۱۴۲ -
گلشن ہمیشہ بہار: ۲۶۸ - ۲۶۹ -

گرامی ہمدانی، مرزا گرامی

مرزا عبدالغنی بیگ قبول کے صاحبزادے تھے۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اُن کا اپنا کوئی مذہب نہیں تھا۔ جس مذہب کا آدمی بیٹھا ہوتا، اس کے مذہب کی باتیں کرنے لگتے۔ جو گیوں کی طرح کمر پر سرخ لنگی باندھتے تھے اور داڑھی مونچھیں صاف رکھتے۔ اُن کے پانچ سو کے قریب شاگرد تھے۔ "تاریخ محمدی" میں اُن کا سنہ وفات ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء - ۱۷۴۳ء) "سر و آزاد" اور "تناج الافکار" میں ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء - ۱۷۴۴ء) اور تذکرہ بے نظیر میں ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) درج ہے۔

مآخذ: - سر و آزاد: ۱۹۸ - سفینہ خوشگو: ۲۳۴ - ۲۳۶ - تذکرہ بے نظیر: ۱۰۴ -
۱۰۵ - تنائج الافکار: ۴۲ - ۴۳ - شمع انجمن: ۳۳ -

مجنوں نانک شاہی

ان بزرگ کے سلسلے میں جمناکے کنارے جس مقام کا ذکر کیا گیا ہے، اُسے مجنوں کا ٹیلہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں ایک گردوارہ اور ایک مسجد تھی۔ اب بہت شاندار گردوارہ ہے، لیکن مسجد نہیں ہے۔ درگاہ قلی خاں نے لکھا ہے کہ ہندو اپنے غلط عقیدے کے مطابق انھیں "نانک وقت" سمجھتے ہیں۔

مآخذ: - مرآت عالم ص ۴۸ بحوالہ چندر شیکھر: ۳۱ -

محمد شاہ

پورن نام روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ تھا۔ یہ فحستہ اختر جہاں شاہ بن بہادر شاہ کے صاحبزادے تھے۔ ۹ اگست ۱۷۰۲ء کو ولادت ہوئی۔ (۱۷۱۸ء) کو تخت نشین ہوئے اور

۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو انتقال ہوا۔ دلی میں درگاہ حضرت نظام الدین میں حضرت نظام الدین کے مقبرے کے پائوں میں مدفون ہیں۔

ماخذ: آثار الصنادید: ۳: ۳۸۵-۳۸۶۔

محتشم کاشانی

شاہ طیبہ اسپ کے درباری شاعر خواجہ میر احمد کے صاحبزادے تھے۔ مرثیہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ ۱۵۵۷ء میں انتقال ہوا۔

ماخذ: تاریخ ادبیات ایران: ۳۶۹-۳۷۰۔

مسکین، حزیں اور غمگین

یہ تینوں بھائی تھے اور ان میں عبداللہ مسکین سب سے بڑے تھے مسکین ابتدائی دور کے اہم مرثیہ نگار تھے، لیکن اردو شاعروں کے کسی تذکرے میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ مسکین دلی کے رہنے والے تھے۔ بھقول علی جواد زیدی مسکین کا ستہ ولادت کم از کم ۱۶۹۸ء اور ۱۷۰۰ء کے درمیان ہونا چاہیے۔ مسکین کو مرثیہ گوئی کی حیثیت سے اپنے عہد میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔ سوڈانے "تضحیک روزگار" کے نام سے جو بھو لکھی تھی اس میں یہ شعر بھی شامل ہے۔

ماستقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا

پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

گلکرسٹ نے "ہندوستانی زبان کے قواعد" کے مختلف صفحات پر مثالوں کے طور پر حبتہ حبتہ مسکین کا اکیاسی بند کا ایک مرثیہ نقل کیا ہے۔ عتیق صدیقی نے "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں پورا مرثیہ ایک جگہ مرتب کر دیا ہے۔ غالباً اسی مرثیے کا گارساں و تاسی نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ہندوستانی زبان کے قواعد میں گل کرسٹ نے اردو کے کچھ صاحب دیوان شاعروں کی فہرست دی ہے۔ اس فہرست میں مسکین کا نام بھی شامل ہے۔

اسپرنگر کا قول ہے کہ لکھنؤ کے شاہی کتاب خانے میں مسکین کے مرثیوں کے دو مجموعے تھے۔ ایک میں کوئی سو اور دوسرے میں تقریباً چھ ہزار اشعار تھے سید مسعود حسن رضوی ادیب کی ذاتی لائبریری میں مسکین کے ۷۵، مرثیے اور آٹھ سلام تھے۔
 رام بابو سکینہ نے "تاریخ ادب اردو" میں اور سید محمد نے "ارباب نثر اردو" میں مسکین کو فورٹ ولیم کالج کا ملازم بتایا ہے، جو درست نہیں۔ حزیں اور نمکین دونوں مسکین کے چھوٹے بھائی تھے۔

مآخذ:- سکینہ : ۱۵۔ عتیق صدیقی : ۷۳، ۷۶، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۱،
 ۲۳۳، ۲۵۲۔ گل کرسٹ بحوالہ عتیق صدیقی : ۱۴۱۔ تذکرہ مرثیہ نگاران اردو :
 ۴۴۹۔ گلشن سخن : ۲۴۴۔ ارمغان مالک : ۱۰۹-۱۵۶۔

مکرم خاں

یہ شیخ میرخوانی کے صاحبزادے تھے۔ اورنگ زیب کے دربار میں متوسل تھے۔
 نہ جانے کیا ہوا کہ دنیاوی جاہ و منصب ترک کر کے کیمیا بنانے میں مصروف ہو گئے۔
 مآخذ:- منتخب اللباب : ۲ : ۶۹۵-۷۰۱ بحوالہ چندر شیکھر : ۴۷۔

میر سید محمد

اورنگ زیب کے منصب دار تھے۔ ترک دنیا کر کے گوشہ گیری اختیار کر لی۔ بہت
 ایماندار اور حق گو تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں ان کے مرید تھے۔
 مآخذ:- ماثر الامرا : ۳ : ۶۰۴-۶۱۱۔

میر عبداللہ

نواب درگاہ قلی خاں نے مسکین اور میر عبداللہ کا ذکر الگ الگ اس طرح کیا
 ہے جسے دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کا بیان ہے کہ میر عبداللہ کا تخلص

مسکین تھا۔ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔
 مأخذ: ارمغانِ مالک : ۱۱۱۔

میر لطف علی خاں

اگرچہ "مرقعِ دہلی" کے قلمی نسخوں میں یہ نام "پسر لطف علی خاں" ہے لیکن نور الحسن انصاری نے میر لطف علی خاں لکھا ہے۔ مجھے انصاری صاحب مرحوم سے اتفاق ہے۔ علی جواد زبیدی کا خیال ہے کہ پسر لطف علی خاں سے مراد اسد یار خاں انسان سے ہے۔ انسان، لطف علی خاں کے صاحبزادے تھے۔

مأخذ: دہلی مرثیہ گو : ۱۲۱۔

میر مشرف

ملیح آباد کے پٹھانوں میں تھے۔ اودھ کے گورنر رہے تھے۔ فرخ سیر نے دہلی بلا کر پنج ہزاری منصب پر فائز کیا۔ محمد شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔
 مأخذ: چندر شیکھر : ۱۹۔

میر منو

یہ اعتماد الدولہ متزالدین خاں بہادر کے صاحبزادے تھے۔ اعتماد الدولہ سرسند میں احمد شاہ ابدالی سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد میر منو چند ہزار سواروں کو لے کر احمد شاہ ابدالی پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ وہ فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اس بہادری کے سلسلے میں میر منو کو "معین الملک رستم ہند" کا خطاب ملا۔ ۱۷۵۴ء - ۱۷۵۵ء کا واقعہ ہے۔ ایک دن میر منو شکار پر گئے۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی اور انتقال ہو گیا۔

مأخذ: ماثر الامرا : ۱ : ۳۵۵ - ۳۵۶۔

میرن صادق علی خاں المعروف بہ میرن

”ماثر الامرا“ میں ان کا نام صادق علی خاں اور تذکرہ مسرت افزا“ میں صادق علی خاں ہے۔ یہ جعفر علی خاں شجاع الملک ناظم بنگالہ کے صاحبزادے تھے۔ یہ شہزادہ عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ کے ملازم تھے۔ میرن احمد شاہ بادشاہ کے خلافت پٹنہ میں صفا آرا تھے کہ ایک رات کو بجلی گری اور میرن اور ان کے دو ملازم خدا کو پیارے ہو گئے۔

مآخذ: مرقع دہلی (مرتبہ سید مظفر حسین) : ۳-۳۱۔ تذکرہ مسرت افزا : ۱۴۲۔

چندر شیکھر : ۴۵۔

نظامی گنجوی، جمال الدین ابو محمد البیاس

غالب نے ان کا ذکر تفتہ اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ۵۳۵ھ کے آس پاس گنجم میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی گنجم ہی میں رہے۔ ایک بار اتابک قزل ارسلان کی فرمائش پر تبریز کا سفر کیا تھا۔ اپنے زمانے کے مروجہ علوم طب، نجوم، ادب، بلاغت وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ آذربائیجان اور شروان کے حکمرانوں سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا ایک دیوان بھی تھا لیکن اب اس کا صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ مگر ان کی شہرت خمسہ نظامی کی وجہ سے ہوئی۔ بیٹنویاں اتنی مشہور ہوئیں کہ ان کا جواب جاتی، وحشی، خواجو اور امیر خسرو نے بھی لکھا۔ خمسہ میں ۲۸ ہزار اشعار ہیں اور یہ مخزن الاسرار، بیلی و مجنوں، خسرو شیریں، ہفت پیکر یا بہرام نامہ اور اسکندر نامہ کے نام سے معروف ہیں۔ ۶۱۴ھ یا ۶۱۵ھ میں انتقال ہوا۔ گنجم میں مدفون ہیں۔

مآخذ: تاریخ ادبیات در ایران، جلد ۲، ص ۱۸۷۔ مقالات حافظ محمود شبلی،

جلد ۴، ص ۴۲۱-۴۶۷۔ تذکرۃ الشعراء، ص ۱۳۱-۱۲۸۔

نظیری، محمد حسین

غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، مرزا بہر گوپال تفتہ اور چودھری

عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نیشاپور میں ولادت ہوئی۔ ان کے خاندان کے افراد تجارت کرتے تھے۔ نظیری نے آغاز جوانی میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور بہت جلد پورے ایران میں مشہور ہو گئے۔ کچھ دن کاشان اور آذربائجان میں رہ کر ہندوستان آئے۔ یہاں عبدالرحیم خانخاناں، اکبر اور جہانگیر نے ان کی بہت توقیر کی۔ جہانگیر نے ایک غزل کے صلے میں بہت بڑی جاگیر انعام میں دی۔ ۱۵۲۵ء میں احمد آباد (گجرات) میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ دیوان ہندوستان میں بہت مقبول رہا ہے۔

مآخذ:۔ دولیت سخنوری، ص ۴۴۰-۴۴۲۔

نعمت خان بین نواز

مغلوں کے آخری دور میں محمد شاہ پیا رنگیلے کا دربار گولیوں اور سازندوں کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ ان میں نعمت خاں المعروف بہ صد رنگ کا نام اب تک مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ آج کل جتنے خیال گائے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر صد رنگ ہی کے وضع کردہ ہیں۔ نعمت خاں کے شاگردوں میں اس کے ایک بھائی کے علاوہ لالہ بنگالی اور نیازی تو ال بھی تھے۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ میاں نعمت خاں بین نواز اس فن میں استاد بنے نظر ہیں۔ سعد اللہ گلشن کے دوست ہیں، ہر سال گلشن کے مزار پر شب بیداری کرتے ہیں۔ مزار پر شاندار عرس منعقد کراتے ہیں۔ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے۔ میر قدرت قاسم نے مرزا صادق علی خاں مرزا کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انھیں موسیقی میں بہت ہمارت ہے۔ سرکردہ سرود سراپان میاں نعمت خاں کے شاگرد ہیں۔

مآخذ:۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے : ۵۵۴۔ تذکرہ خوش گو : ۱۶۸۔ مجموعہ نغز : ۲ : ۱۶۹۔

چاندنی چوک

لال قلعے کے لاہوری دروازے سے فتح پوری مسجد تک کا بازار چاندنی چوک کہلاتا

ہے۔ پہلے اس کے تین حصے تھے اور ہر حصے کا نام الگ تھا۔ لال قلعے کی طرف سے پہلے حصے کا نام اردو بازار، اس کے آگے ترپولیا اور کوتوالی کا بازار۔ پھر چاندنی چوک اور آخر میں بازار فتح پوری۔ چاندنی چوک کے بیچوں بیچ نہر تھی اور نہر کے دونوں طرف ۲۰، ۲۰ گز زمین چھوٹی ہوئی تھی۔ نہر کے دونوں طرف سایہ دار درخت تھے۔ اور پورے بازار میں عالی شان دوکانیں تھیں۔ آج بھی یہ دلی کے اہم بازاروں میں ہے۔

مآخذ:- واقعات دارالحکومت دہلی : ۲ : ۲۰۵ - ۲۰۶ - سیر المنازل : ۱۱ : ۳۵

اور ۴۱۔

چوک سعد اللہ خاں

لال قلعے کے دہلی دروازے اور جامع مسجد کے درمیان اس جگہ تھا جہاں اب پریڈ گراؤنڈ ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب دلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اس علاقے کی تمام عمارتیں ڈھادی گئیں بقول بشیر الدین احمد صاحب مرحوم، غدر کے پہلے تک یہ چوک قائم تھا اور بڑی چہل پہل کا مقام تھا اب جدھر دیکھو سنسان ہے۔ سعد اللہ خاں شاہجہاں بادشاہ کے وزیر تھے یہ چوک انھیں کے نام پر تھا۔

مآخذ:- واقعات دارالحکومت دہلی : ۲ : ۱۲۳ - ۱۲۴ - سیر المنازل : ۱۱ : ۳۰

اور ۳۴۔

نہر

یہ نہر فیض نہر کے نام سے مشہور ہے، اسے نہر بہشت بھی کہا جاتا تھا۔ یہ وہی نہر ہے جسے فیروز شاہ تغلق نے پرگنہ خضر آباد میں دریاے جمنا سے کاٹ کر پرگت سفیدوں تک پہنچایا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ نہر بند ہو گئی۔ شہاب الدین احمد خاں نے اس کی مرمت کی اور نہر شہاب اس کا نام رکھا۔ جب لال قلعہ بنا تو خضر آباد سے سفیدوں تک اس کی مرمت کر دی گئی۔ یہ نہر لال قلعے کے باغوں اور مختلف عمارتوں

شلاً شاہ برج، حمام، دیوانِ خاص، خواب گاہ اور رنگ محل وغیرہ سے یہی نہسہر
گزر کر قلعے کے جنوب سے باہر نکل جاتی تھی۔

اردو، فارسی اور انگریزی مآخذ کے لیے ملاحظہ ہو: آثار الصنادید: ۳: ۳۴۴-۳۴۵۔

تواضع

حواشی

مخففات

= الف	مخطوطہ سالار جنگ مرقومہ
= ب	مخطوطہ سالار جنگ مرقومہ
= فروز	مخطوطہ کاما اور نیٹل انسٹی ٹیوٹ (ملا فروز کلیکشن)
= برٹش	مخطوطہ برٹش لائبریری، لندن

- ص ۵۱
۱. "زَبَّ يَسْرِيح" صرف برٹش میں ہے۔
۲. فروز "دہلی" ندارد۔
۳. الف "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ندارد۔
۴. فروز "ضمیر مایہ"۔ برٹش "خمیر مایہ"۔
۵. ب "بانگاہ" بجائے "بارگاہ"۔
۶. فروز "فزد" ندارد۔
۷. فروز "تو" ندارد۔
۸. الف اور ب "اسی کس"۔
- ص ۵۲
۱. الف، ب اور فروز "مرض"۔
۲. فروز "لبانِ تمنا"۔
۳. ب "جا"۔
۴. یہ بادشاہ نہیں تھا۔ بلکہ بقول سر سید یہ شاہزادہ فتح خاں بن فروز شاہ کا مقبرہ ہے۔
(آثار الضادید: ۱: ۳۲۶)۔
۵. الف "قدم گاہ" ندارد۔
۶. الف "یسوب" ندارد اور "لمسلمین" بجائے "المسلمین"۔
۷. ب "علیہ السلام" ندارد۔
۸. ب "مجری" بجائے "مجر"۔
۹. فروز، برٹش اکثرے بہ تحصیل متمناے۔

۱۰۔ الف "محرم" ندارد۔

ص ۵۵

۱۔ الف، ب، برٹش "لواحیر"۔

۲۔ برٹش "فلتے" بجائے "علاوتے"۔

۳۔ الف درع بجائے "ذرع"۔

۴۔ ف، برٹش "خاصے" بجائے "خاص"۔

۵۔ برٹش "کاشاہنا" بجائے "کاشانہ"۔

۶۔ برٹش "پاک" بجائے "پرانوار"۔

۷۔ الف، ب "از" ندارد۔ برٹش "در"۔

بجائے "از"۔

۸۔ فروز "چراغ" ندارد۔

۹۔ برٹش "طرفہ تماشائے" بجائے "تماشائی

طرفہ"۔

ص ۵۶

۱۔ برٹش "علیہ الرحمۃ" بجائے "علیہ الرضوان"۔

۲۔ ف "معروف ثقات" ثقات زائد۔

۳۔ برٹش "صحرے بخت"۔ "بخت" زائد۔

۴۔ الف "موج" ندارد۔

۵۔ برٹش "نسیم" ندارد۔

۶۔ میں بارہا حضرت باقی باللہ کے مزار پر حاضر

ہوا ہوں، لیکن مجھے کبھی ایسی کرامت کا

کوئی تجربہ نہیں ہوا۔

۷۔ الف، برٹش "کہ" ندارد۔

ص ۵۷ : ۱۔ الف "صلی اللہ علیہ الخ"

ندارد۔

ص ۵۳

۱۔ الف، ب اور برٹش "را" ندارد۔

۲۔ الف "دراہیان" ندارد۔

۳۔ الف "انتساب" بجائے انبساط۔

۴۔ الف اور ب "ہر چشمہ جانب"۔

۵۔ الف "حرکہ" برٹش "جرگہ" بجائے "برکہ"۔

۶۔ الف "سیرایت" بجائے "سرایت"۔

۷۔ الف، ف اور برٹش "حضرت" ندارد۔

۸۔ برٹش "است" ندارد۔

ص ۵۴

۱۔ برٹش "دوروز"۔

۲۔ فروز "ازو" ندارد۔

۳۔ الف، برٹش "نسیم" بجائے "تسیم"۔

۴۔ ب "و" ندارد۔ برٹش "وکیل و"۔

۵۔ ب خواص و عوام بجائے "خاص و عام"۔

۶۔ فروز "آخریں" بجائے "اخیر"۔

۷۔ الف میں پہلے "تماشائیان" لکھا گیا تھا

پھر "ئین" قلم زد کر کے "ئیان" کر دیا گیا

ہے۔

۸۔ برٹش "مطلوبان" بجائے "مطربان"۔

۹۔ الف، برٹش "استدام" بجائے "استلام"۔

۱۰۔ برٹش "رہوا بہوا" "رہوا" زائد۔

- ۲۔ الف "ادارِش"۔
۳۔ برٹش "بازید"۔
۹۔ برٹش "تقریب" بجائے "ترتیب"۔
۱۰۔ ب "فواحش" بجائے "ہوا جس"۔

ص ۵۹

- ۱۔ برٹش "پیشگان" ندارد۔
۲۔ الف "فالش" بجائے "فاکش"۔
۳۔ الف "ترتیب" بجائے "نزہت"۔
۴۔ برٹش "وصفہائے" بجائے "وصفہای"۔
۵۔ الف "می گرد" بجائے "می گیرد"۔
۶۔ برٹش "روشنائی" بجائے "روشنی"۔
۷۔ الف "جمع" بجائے "جمع"۔
۸۔ الف "ب" از "ندارد"۔
۹۔ و، برٹش "ترتیب" بجائے "ترتبت"۔
۱۰۔ الف "سمت" بجائے سمت۔

۸۔ الف "است" ندارد۔

۹۔ الف "را" ندارد۔

۱۰۔ الف "می" ندارد۔

- ۱۱۔ برٹش "رسند" بجائے "رسد"۔
۱۲۔ الف "فروش" بجائے "فرشہا"۔
۱۳۔ برٹش "می گرد" بجائے "می گیرد"۔

ص ۶۰

- ۱۔ الف "در تماشا"۔ "در" زائد۔
۲۔ الف "فروش قیامت" بجائے "فروش رو"۔
۳۔ ب "معتد اب" بجائے "معتد ب"۔
۴۔ ب "جوزباے متم" بجائے "جوزباے
متمشم"۔

۵۔ الف "شناسل" بجائے "تناسل"۔

- ۴۔ ب "میر" ف "پیرا" بجائے "پیدا"۔
۵۔ الف "مزار" بجائے "مرزا"۔
۶۔ و "علیہ الرحمۃ" بجائے "رحمۃ اللہ"۔
۷۔ الف، و اور برٹش "ستفادہ" بجائے
"استفادہ"۔
۸۔ الف، ب "از" ندارد۔
۹۔ و، برٹش "ترتیب" بجائے "ترتبت"۔
۱۰۔ الف "سمت" بجائے سمت۔
۱۱۔ برٹش "خاص"۔
۱۲۔ ف "محمد سعید اللہ" "اللہ" زائد۔

ص ۵۸

- ۱۔ ف، برٹش "بیت شہر محرم الحرام" بجائے "بیت و سیوم محرم الحرام"۔
۲۔ ف "تر زمین و ترتیب" بجائے
"ترتیب و تر زمین"۔
۳۔ برٹش "ہیات" بجائے "ہیت"۔
۴۔ برٹش "کنز" ندارد۔
۵۔ الف "لواحش" بجائے "فواحش"۔
۶۔ ف "وز" "ک" بجائے "ایک"۔
۷۔ الف "جار" بجائے "فجار"۔
۸۔ الف "چشم و چراغ" بجائے "چشم چراغ"۔

۶. الف "گرد" بجائے "گرو"۔

ص ۶۳

۱. ب "رفقہ" ندارد۔

ص ۶۱

۲. الف "ذکر" بجائے "نعس"۔

۱. الف "تمس" بجائے "متحصن"۔

۳. ب "بمقربت" بجائے "مراقب"۔

۲. الف اور ب "بہ" ندارد۔

۴. برٹش "برکات" بجائے "تبرکات"۔

۲. فروز سلیمان علیہ السلام "علیہ السلام"۔

۵. ب "فیضدرخت" بجائے "منقبت"۔

زائد۔

ایشان

۴. الف "کاردار" بجائے "کارور"۔

۶. الف "سامشین" بجائے "سالمیش"۔

۵. ب "ہمہ" ندارد۔

۷. ب "فوائد" بجائے "موائد"۔

۶. ب "صید" بجائے "صدد"۔

۸. برٹش "فتوحات" بجائے "فیوضات"۔

۷. برٹش "صحن" بجائے "صمن"۔

۹. ب "روزگار" بجائے "روز"۔

۸. الف "و" ندارد۔

ص ۶۴

ص ۶۲

۱. ب "خواب" ندارد۔

۱. الف "بر" بجائے "بہ"۔

۲. الف اور فروز "ازمشایدومراقبات"۔

۲. برٹش "تکلیہ زدہ"۔ "زده" زائد۔

۳. الف "برٹش" شریفش خیلے" ندارد۔

۳. فروز "اقتشمہ" بجائے "اقتشمہ"۔

۴. ب "دارند" بجائے "کنند"۔

۴. فروز "درنشتود"۔

۵. برٹش "درویش" بجائے "درویش"۔

۵. ب "غفلت" بجائے "غافل"۔

۶. الف "عظیم اشانش" بجائے "عظیم اشان"۔

۶. برٹش "زبان" ندارد۔

۷. برٹش "وعہدہ بانظر"۔ "عہدہ ہا" زائد۔

۷. برٹش "دزدون" بجائے "دزدیدن"۔

۸. فروز "تفریح" بجائے "تفریح"۔

۸. فروز "تماشائے" بجائے "تمائے"۔

ص ۶۵

۱. الف "برٹش پیشانش" بجائے "پیشانیش"۔

۹. برٹش "تمہید" ندارد۔

۲. ب "و" ندارد۔

۱۰. فروز "ایں وجہ" "ایں" زائد۔

۱۱. ب "برٹش" درجات" ندارد۔

- ۳۔ برٹش "شکوہ مرتبہ" "مرتبہ" زائد۔
 ۴۔ ب "حال" بجائے "کمال"۔
 ۵۔ فروز "ہوا" بجائے "ہویدا"۔
 ۶۔ ب "زمانِ غلد" ندارد۔
 ۷۔ الف "زند" بجائے "زند"۔
 ۸۔ فروز "آید" بجائے "آمد"۔
 ۹۔ برٹش "ب" "گردید" بجائے "نگردیدہ"۔
 ۱۰۔ برٹش "غریب ما غریبی"۔
 ۱۱۔ الف، برٹش "او" ندارد۔
 ۱۲۔ برٹش "نہی آید" بجائے "نیست"۔
 ۱۳۔ برٹش میں یہ نقطہ۔ فروز اور الف و ب میں "ریش" یا "ریش" ہے۔ "ریش خوبی" پوری کوشش کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آئے۔
- ۵۔ ب "می نشود" بجائے "می گردد"۔
 ۶۔ ب "حاضرین" ندارد۔
 ۷۔ ب "بحری" بجائے "بحرا"۔
 ۸۔ ب "فاسد" ندارد۔
 ۹۔ برٹش "انتسابش" بجائے "انتسابش"۔
 ۱۰۔ فروز "و" ندارد۔
 ۱۱۔ فروز، برٹش "ترنم بایں بیت است" بجائے "بایں بیت مترنم است"۔
 ۱۲۔ الف "مترنم" ندارد۔
 ۱۳۔ ب "اے" بجائے "کائے"۔
 ۱۴۔ ب "دہم در محرم" بجائے "دہم محرم"۔
 ۱۵۔ فروز، برٹش "تقریب تعیل" بجائے "تقریب شستن"۔

ص ۶۷

- ۱۔ برٹش "نیست" ندارد۔
 ۲۔ الف، و، برٹش "است" ندارد۔
 ۳۔ الف "فزایش" بجائے "فصائیش"۔
 ۴۔ الف "فلغانش" بجائے "فلغائیش"۔
 ۵۔ ب "فہد"، فروز "تمہد" بجائے "تمہید"۔
 ۶۔ الف "رفتی" بجائے "رفتن"۔
 ۷۔ الف "مخلصان" بجائے "مخلصان"۔
 ۸۔ الف "ہزارات" بجائے "مزارات"۔
 ۹۔ برٹش "بتواجد" بجائے "موجد"۔
- ۱۴۔ ب "مجاہدت" بجائے "مجامدات"۔
 ۱۵۔ فروز، برٹش "معنویت"۔
 ۱۶۔ الف "کردہ" بجائے "گردیدہ"۔
- ص ۶۶
- ۱۔ برٹش "ضعف و تقاہت" "ون تقاہت" زائد۔
 ۲۔ ب "کملاتش" ندارد۔
 ۳۔ برٹش "تبرکات" بجائے "برکات"۔
 ۴۔ الف "در" بجائے "از"۔

- ۱۰۔ الف، برٹش، ب "غازی" بجائے "غاری"۔
 ۱۱۔ برٹش "قصوے" بجائے "قصوای"۔
 ۱۲۔ ب "را" بجائے "زار"۔
 ۱۳۔ الف "بہ" ندارد۔
 ۱۴۔ برٹش "می پیوند" "می" زائد۔
- ص ۶۸
- ۱۔ الف "انتظاری" بجائے "انتظام"۔
 ۲۔ فروز "رباعی" ندارد۔
 ۳۔ ب "یار" بجائے "یاراں"۔
 ۴۔ الف "و" ندارد۔
 ۵۔ ب "و" ندارد۔
 ۶۔ الف، ب "کہ" بجائے "ایکہ"۔
 ۷۔ الف، ب "بہ" ندارد۔
 ۸۔ الف چشم بجائے "خم"۔
 ۹۔ الف، برٹش "ترش" ب "لوشس و خوش"۔
- ص ۶۹
- ۱۔ برٹش "بہ دستور" "بہ" زائد۔
 ۲۔ برٹش "خانہ" بجائے "جا"۔
 ۳۔ ب، برٹش "پنڈی" بجائے "چند"۔
 ۴۔ الف، ب "بہ" ندارد۔
 ۵۔ برٹش "شمالیش" بجائے "شواہلش"۔
 ۶۔ الف، ب، برٹش "مجت" بجائے "صحبت"۔
 ۷۔ فروز "ہر جا از" "از" زائد۔
- ص ۷۰
- ۱۔ الف "انتظاری" بجائے "انتظام"۔
 ۲۔ فروز "رباعی" ندارد۔
 ۳۔ ب "یار" بجائے "یاراں"۔
 ۴۔ الف "و" ندارد۔
 ۵۔ ب "و" ندارد۔
 ۶۔ الف، ب "کہ" بجائے "ایکہ"۔
 ۷۔ الف، ب "بہ" ندارد۔
 ۸۔ الف چشم بجائے "خم"۔
 ۹۔ الف، برٹش "ترش" ب "لوشس و خوش"۔
- ص ۷۱
- ۱۔ برٹش "بہ"۔
 ۲۔ فروز، برٹش صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "وآلہ" بجائے "علیہ"۔
 ۳۔ برٹش "راسای" بجائے "راستہ ہای"۔
 ۴۔ برٹش "آل" ندارد۔
 ۵۔ ب "وانبساط" ندارد۔
 ۶۔ فروز، برٹش "ضمن" بجائے "صحن"۔

- ۱۱۔ الف "می ماید" بجائے "می نماید"۔
 ۱۲۔ فروز، برٹش "ہمسر" بجائے "ہمہ"۔
 ص ۴۲
- ۱۔ برٹش "اکثر" بجائے "اقسام"۔
 ۲۔ برٹش "کنڈر" بجائے "کنڈ"۔
 ۳۔ الف، ب، برٹش "می نمایند" بجائے
 "می نماید"۔
 ۴۔ الف، برٹش، ب "گاہ" ندارد۔
 ۵۔ الف، ب "و" ندارد۔
 ۶۔ الف، ب، فروز "باشق" برٹش
 "نامش" بجائے "تاسیس"۔
 ۷۔ ب "عرب" ندارد۔
 ۸۔ برٹش "گرویدہ" بجائے "کردہ"۔
 ۹۔ الف، ب "اند" ندارد۔
 ۱۰۔ فروز "بہ وحید" بجائے "بہ وجد"۔
 ۱۱۔ فروز "مبدای" بجائے "صدای"۔
 ۱۲۔ برٹش "ہیات" بجائے "ہیئت"۔
 ۱۳۔ ب، فروز "مجید و فرقان حمید" ندارد۔
 ۱۴۔ ب "سار" بجائے "منار"۔
 ۱۵۔ الف، ب، ف، برٹش "مناسب"۔
 ۱۶۔ فروز "قطمیہ" برٹش "فطرت"۔
 بجائے "نظری"۔
 ص ۵، ۱۱۔ ۱۔ برٹش "راحت" بجائے
 "ترہیب"۔

- ۷۔ فروز، برٹش "نغمہ سرایان شہر" "شہر"
 زائد۔
 ۸۔ فروز، برٹش "کوزہ" بجائے "کوزہ ہا"۔
 ۹۔ الف، برٹش "راستا" بجائے "راستہ ہا"۔
 ص ۴۲
- ۱۔ الف "آثار" بجائے "دثار"۔
 ۲۔ الف، ب "اتصال" بجائے "وصال"۔
 ۳۔ الف "و" ندارد۔
 ۴۔ ب "مودا" بجائے "مودمی"۔
 ۵۔ الف، ب، برٹش "باو" ندارد۔
 ۶۔ برٹش "طرف" ندارد۔
 ص ۴۳
- ۱۔ ب "تقرب" بجائے "تقریب"۔
 ۲۔ الف، ب "ربط" ندارد۔
 ۳۔ ب "روزی" بجائے "روز"۔
 ۴۔ برٹش "میرکسے" بجائے "ہرکس"۔
 ۵۔ برٹش "جوق درجوق" بجائے "جوق
 جوق"۔
 ۶۔ ب "چوں" ندارد۔
 ۷۔ الف، برٹش "خبر" بجائے "حاضر"۔
 ۸۔ فروز "ہا" بجائے "ہامی"۔
 ۹۔ الف، فروز، برٹش "مجمع" ندارد۔
 ۱۰۔ الف "ندارد"۔

- ۲۔ الف "مبلغی" بجائے "متعلق"۔
- ۳۔ الف "می کند" بجائے "می کنند"۔
- ۴۔ الف "می کشند" بجائے "می کشد"۔
- ۵۔ برٹش "خان" ندارد۔
- ۶۔ ب "تفاوت" بجائے "ثقافت"۔
- ۷۔ ب، برٹش "یا" ندارد۔
- ۸۔ برٹش "صحنش حوض" "حوض" زائد۔
- ص ۶۶
- ۱۔ الف، ب، ف، برٹش "کرہ"۔
- بجائے "گردیدہ"۔
- ۲۔ برٹش "را" ندارد۔
- ۳۔ الف، ب "برای رستگاری" "برای" زائد۔
- ۴۔ الف "بفریاد" بجائے "نفر"۔
- ۵۔ برٹش "تمتعی" بجائے "تمتع"۔
- ۶۔ ب "می" ندارد۔
- ۷۔ الف "سنگھ" ندارد۔
- ۸۔ ب "بازاری" ندارد۔
- ۹۔ ب "آباد" بجائے "آمادہ"۔
- ۱۰۔ فروز "بارہ" بجائے "باہ"۔
- ص ۷۷
- ۱۔ فروز "کشید" بجائے "کشیدہ"۔
- ۲۔ برٹش "طرفہ" ندارد۔
- ۳۔ برٹش "است" ندارد۔
- ۴۔ ب "کہ موسم" دوبارہ لکھا گیا۔
- ۵۔ برٹش "ہر" ندارد۔
- ۶۔ برٹش "نسواں" ندارد۔
- ۷۔ برٹش "انتخاب" بجائے "ایجاب"۔
- ۸۔ برٹش "گلہائے" بجائے "گلہا"۔
- ۹۔ الف "و" ندارد۔
- ۱۰۔ فروز "کہ اگر" "کہ" زائد۔
- ۱۱۔ الف، ب "است" بجائے "اند"۔
- ۱۲۔ برٹش "جمیع" ندارد۔
- ۱۳۔ برٹش، فروز، ب "دوستاں" ندارد۔
- ۱۴۔ فروز "گرداناد" بجائے "گرداند"۔
- ۱۵۔ الف "محفوظ"۔ بجائے "مخفوظ"۔
- ۱۶۔ برٹش "سمتے" بجائے "سمت"۔
- ۱۷۔ فروز "می گرد" بجائے "می گیرد"۔
- ۱۸۔ الف "روانہ روانہ" "روانہ" زائد۔
- ص ۷۸
- ۱۔ الف "آمد" بجائے "آمدہ"۔
- ۲۔ برٹش "گردند" بجائے "گرد"۔
- ۳۔ برٹش "درگاہ" بجائے "کارگاہ"۔
- ۴۔ الف "وتار" "و" زائد۔
- ۵۔ الف "طینتاں" ندارد۔
- ۶۔ برٹش "نمکے" بجائے "عکسے"۔

- ۷۔ الف، ب "صراحتہ" بجائے "صرفہ"۔
ص ۷۹
- ۸۔ الف، فروز، برٹش "او" ندارد۔
ص ۸۱
- ۱۔ الف، برٹش "فیہ صحت گیر"
بجائے "صحبتش"
- ۲۔ ب، برٹش "زنگین" ندارد۔
- ۳۔ برٹش "شود" بجائے "گردو"
- ۴۔ برٹش "ضیافت خانہ" بجائے "صافی خانہ"
- ۵۔ برٹش "میر محمد" بجائے "میرزا"
- ۶۔ برٹش "ذوقی" بجائے "ذاتی"
- ص ۸۲
- ۱۔ ب "است" بجائے "اوست"
- ۲۔ "از" قیاسی تصحیح، نورالحسن انصاری۔
- ۳۔ ب "وآل اینت" ندارد۔
- ص ۸۳
- ۱۔ برٹش "میرزا" ندارد۔
- ۲۔ برٹش "الرزاق" بجائے "الخالق"
- ۳۔ الف "حرمت"
- ۴۔ الف "ملک" بجائے "قلد"
- ۵۔ برٹش "ج" ندارد۔
- ۶۔ ب "چیدہ بہ" "بہ" زائد۔
- ۷۔ فروز "ہرگاہ کہ" ... می داشت" ندارد۔
- ۱۔ برٹش "قامت گاہ" بجائے "اقامت"
- ۲۔ فروز، برٹش "خاطری ہت" بجائے "خاطریت"
- ۳۔ فروز "فرمود" بجائے "فرمودہ"
- ۴۔ برٹش "مخصوصی" بجائے "مخصوص"
- ۵۔ ب، فروز "یکبار" ندارد۔
- ۶۔ ب "یار" بجائے "یاب"
- ۷۔ برٹش "کہ" بجائے "ایکہ"
- ۸۔ برٹش "رموز" بجائے "اموز"
- ۹۔ ب "گشت" ندارد۔
- ۱۰۔ ب "خوانی" ندارد۔
- ۱۱۔ ب "حنت" بجائے "بہشت"
- ص ۸۰
- ۱۔ برٹش "وارستگہای" بجائے "وارستگہا"
- ۲۔ الف "یحتاج" بجائے "مایحتاج"
- ۳۔ برٹش "نیست" بجائے "منت"
- ۴۔ الف، ب، فروز "آفریں" بجائے "آفرینی"
- ۵۔ برٹش "سحر" بجائے "سہ پہر"
- ۶۔ برٹش "چوکی ہا" "ہا" زائد۔

۸۔ الف "میشد" بجائے "میشد"

۹۔ فروز "ہم" بجائے "ہم"

ص ۸۴

۱۔ ب "بابرکات" بجائے "بابریت"

۲۔ برٹش "ای" ندارد۔

۳۔ الف، ب "مناسب" بجائے

"مناسبت"

۴۔ برٹش "کیا ہے" بجائے "کیا ب"

۵۔ برٹش "زادہا" بجائے "زادہ ہا"

۶۔ ب "طور کلاش" ندارد۔

ص ۸۵

۱۔ ب "آید" بجائے "رسد"

۲۔ ب "طینن" ندارد۔

ص ۸۶

۱۔ الف "یسر" بجائے "یسر"

۲۔ برٹش "ہیاتش" بجائے "ہییت"

۳۔ برٹش "معلوم" ندارد۔

۴۔ الف "موتا"

۵۔ برٹش "تعجب"

۶۔ الف "و" ندارد۔

۷۔ الف، ب، برٹش "اشعارش"

۸۔ الف، برٹش۔ "معتدآبہ"

۹۔ الف "کند" ندارد۔

ص ۸۷

۱۔ برٹش "الہی" بجائے "المی"

۲۔ الف، ب، برٹش "ہایش"

۳۔ الف "کہ" ندارد۔

۴۔ الف، ب "و" ندارد۔

۵۔ الف "گزای" بجائے "گزایش"

۶۔ الف "نوبت" ندارد۔

۷۔ برٹش "و" ندارد۔

۸۔ الف، برٹش "از" ندارد۔

۹۔ الف "کارہ" بجائے "درکار"

۱۰۔ برٹش "ہندوستان زا"۔ "زا" زائد۔

ص ۸۸

۱۔ الف "سادہ گی" بجائے "سادگی"

۲۔ الف "می کند" بجائے "میشد"

۳۔ ب "تعزیه" ندارد۔

۴۔ الف "حزینہای" بجائے "حزینہای"

۵۔ فروز "صوتش" بجائے "صوتش"

۶۔ الف "را" ندارد۔

۷۔ برٹش "ہا" ندارد۔

۸۔ الف "کاشاہنہای" بجائے "کاشاہنہای"

۹۔ الف "کس کمال"۔ "کس" زائد۔

۱۰۔ الف "و" ندارد۔

۱۱۔ الف "باستاعش" بجائے "باستاع"

۱۲۔ الف "ارماں" ب "ملزماں" بجائے
"ملزماں"

۱۳۔ فروز "نشرہ"۔ "ماہ" زائد۔

۱۴۔ فروز "دل" بجائے "دلہا"

ص ۸۹

۱۔ فروز "پیشکاراں" بجائے "پیشگان"

۲۔ الف، برٹش "مرثیہ"۔ "اشش" ندارد۔

۳۔ ب "جلال" بجائے "جلالے"

۴۔ ب "و" ندارد۔

ص ۹۰

۱۔ ب "و" ندارد۔

۲۔ الف "در" ندارد۔

۳۔ الف سرجمع۔

۴۔ الف "مغنیاء" بجائے "مغنیان"

۵۔ الف، فروز "غنای" بجائے "حمیت"

۶۔ انصاری "ور"۔ "و" زائد۔

۷۔ الف "بزم" ندارد۔

۸۔ الف "تار" بجائے "تار"

۹۔ الف اور فروز "سبو" ندارد۔

۱۰۔ الف "جامتان" بجائے "جانِ متاں"

۱۱۔ الف "را" ندارد۔

۱۲۔ الف "تالب را" بجائے "تالب ساز"

۱۳۔ فروز "رسید" بجائے "رسد"

ص ۹۱

۱۔ فروز "شیشی" بجائے "شیشی"

۲۔ فروز "کہ" بجائے "و"

۳۔ فروز "دارد" بجائے "داد"

۴۔ فروز "فرمایشہا پیرا" بجائے "فرمایشہارا"

۵۔ الف اور فروز "برنگی" بجائے "نیزنگی"

۶۔ فروز "صولتشن" بجائے "صوتشن"

۷۔ الف "بہ" ندارد۔

۸۔ الف اور فروز "می" ندارد۔

ص ۹۲

۱۔ برٹش "مرتبہ" ندارد۔

۲۔ برٹش "تمام" ندارد۔

۳۔ فروز "قصور" بجائے "تصور"

۴۔ الف، برٹش "عمر" ندارد۔

۵۔ برٹش "ہمیشہ" بجائے "ہموارہ"

۶۔ برٹش "نوازی او"۔ "او" زائد۔

ص ۹۳

۱۔ الف، برٹش "حنجرہ ہائیش" بجائے

"حنجرہ شان"

۲۔ الف، برٹش "نغمائش" بجائے "نغماتِ

شان"

۳۔ الف "اے" ندارد۔

۴۔ فروز "خال" ندارد۔

۵۔ الف، ب "و" ندارد۔

۶۔ الف "صورتش" ب "صوتش" بجائے
"صوتشان"۔

۷۔ الف "است" ندارد۔

۸۔ الف، ب "مناسب" بجائے "مناسبت"۔

۹۔ فروز "مرتب" بجائے "مرتب"۔

۱۰۔ الف "ہائل" بجائے "حائل"۔

ص ۹۴

۱۔ الف، ب، برٹش "نوع" بجائے "تنوع"۔

۲۔ الف "طرفی" بجائے "طرف"۔

ص ۹۵

۱۔ الف، فروز، برٹش "وی" ندارد۔

۲۔ الف "با" بجائے "بے"۔

۳۔ فروز "داریم" برٹش، الف "دانم"

بجائے "دانیم"۔

۴۔ فروز "سر" بجائے "میر"۔

۵۔ الف معرف، ب اور فروز "معروف"

بجائے "معترف"۔

قیاسی تصحیح۔

۶۔ برٹش، فروز "احترامش" بجائے

"احترامشان"۔

۷۔ فروز اور الف، برٹش "مستقیم"

بجائے "سقیم"۔

ص ۹۶

۱۔ فروز "آرمیدہ گی" بجائے "آرمیدگی"۔

۲۔ فروز "سنجیدہ گی" بجائے "سنجیدگی"۔

۳۔ فروز "احصار" بجائے "اعصار"۔

۴۔ فروز "بریں" بجائے "ازیں"۔

۵۔ الف اور ب "حاضران" بجائے "حاضرین"۔

۶۔ الف اور فروز "کہ" ندارد۔

۷۔ فروز "شاہ" بجائے "خاں"۔

۸۔ الف اور فروز "ڈھولک نواز" "نواز"

زائد۔

ص ۹۷

۱۔ فروز "آمدہ" بجائے "آمد"۔

۲۔ الف، برٹش "اصول ہاسلوب"

"ہاسلوب" زائد۔

۳۔ برٹش "رساند" بجائے "رسانید"۔

۴۔ برٹش "ہای" ندارد۔

۵۔ برٹش "بزنگ" ندارد۔

۶۔ فروز "ضمیر" بجائے "خمیر"۔

۷۔ برٹش "نمک" ندارد۔

۸۔ الف، ب "باتمامی" بجائے "بابیامی"۔

۹۔ فروز، برٹش "علیہ"۔

۱۰۔ فروز، برٹش "آرزو" بجائے "آرزویش"۔

۱۱۔ برٹش "می گردد" بجائے "شود"۔

- ۶۔ ب "دریای" بجائے "باری"۔
 ۷۔ فروز "بقتال" بجائے "نقتال"۔
 ۸۔ فروز "مقابلش" بجائے "مقابلش"۔
 ۹۔ الف اور ب "رنگ" ندارد۔
 ۱۰۔ ب "بزم" بجائے "رم"۔
 ص ۱۰۰

- ۱۔ ب اور فروز "بخاطرہ" بجائے "فاطرہ"۔
 ۲۔ فروز "آیندہ گی" بجائے "آیندگی"۔
 ۳۔ فروز اور ب "گردید" بجائے "گردیدہ"۔
 ۴۔ الف اور ب اور فروز "بصحبتش نہ" بجائے "صحبتش"۔

۵۔ الف، ب، برٹش، فروز "مہجم"۔

۶۔ فروز "فقرا"۔

۷۔ ب "کبر" بجائے "کبرا"۔

۸۔ الف "مدومحبیب" "مدو" زائد۔

۹۔ الف "ودد" "و" زائد۔

۱۰۔ فروز "دہند" بجائے "دید"۔

۱۱۔ فروز "اکثری" بجائے "اکثر"۔

۱۲۔ فروز "نہ" ندارد۔

۱۳۔ فروز ندارد الف "بیابانی"۔

ص ۱۰۱

۱۔ فروز "خوانندہ گی" بجائے "خوانندگی"۔

۲۔ الف "بیان" ندارد۔

۱۲۔ الف، برٹش "بمنتائش" بجائے "تمنائش"۔

ص ۹۸

۱۔ فروز "قدما" بجائے "ندما"۔

۲۔ الف، ب اور فروز "در"۔

۳۔ فروز "کنند" بجائے "کند"۔

۴۔ فروز "ک خواندش" "ک" زائد۔

۵۔ فروز "اشتہا" بجائے "اشتہای"۔

۶۔ فروز "برا" بجائے "بہ"۔

۷۔ فروز "انشابہ مضامین" بجائے "انشای مضامین"۔

۸۔ ب "خیال" ندارد۔

۹۔ الف، ب اور فروز "تقریرش" بجائے "تقریرشان"۔

ص ۹۹

۱۔ الف اور ب اور فروز "رسائش" بجائے "رسائشان"۔

۲۔ الف و ب، برٹش، فروز "سیاہش" بجائے "سیاہش"۔

۳۔ ب اور فروز "تند" بجائے "مد"۔

۴۔ الف، ب، برٹش، فروز "قدہائش" بجائے "قدہائشان"۔

۵۔ الف، ب اور فروز "گفتگوہائش" بجائے "گفتگوہائشان"۔

۶۔ الف، ب اور فروز "گفتگوہائش" بجائے "گفتگوہائشان"۔

ص ۱۰۱

- ۱۰۔ الف "نمائند" بجائے "نمائید"۔
- ۱۱۔ فروز "می گردو" بجائے "می گیرد"۔
- ۱۲۔ فروز "چندے" بجائے "چند"۔
- ۱۳۔ فروز "پہنچ کسے" "پہنچ" زائد۔

ص ۱۰۳

- ۱۔ ب "در" بجائے "دریں"۔
- ۲۔ الف "کم" ندارد۔
- ۳۔ ب "و" ندارد۔
- ۴۔ ب "دستان" بجائے "داستان"۔
- ۵۔ فروز "سرا" ندارد۔

۶۔ الف "رقص" بجائے "رقصش"۔

۷۔ الف "مرغوب" بجائے "مرغوبی"۔

۸۔ ب "است" ندارد۔

۹۔ الف "جلوہ" بجائے "جلوہ اش"۔

ص ۱۰۴

- ۱۔ الف "برنگ" ندارد۔
- ۲۔ الف "است" ندارد۔
- ۳۔ الف "جوے" بجائے "بوے"۔
- ۴۔ فروز "کد" بجائے "ایکہ"۔
- ۵۔ الف "شوند" بجائے "شود"۔

ص ۱۰۵

- ۱۔ الف اورب "معاصر" برٹش معاصروں
بجائے "معاصران"۔

- ۳۔ الف "نازش" بجائے "نازک"۔
- ۴۔ ب "خیلے" ندارد۔
- ۵۔ فروز اورب "دو" بجائے "او"۔
- ۶۔ فروز "سادہ گی" بجائے "سادگی"۔
- ۷۔ ب "برٹش" فروز "اینہا" بجائے
"آہنہ"۔

۸۔ الف "شراب" ندارد۔

۹۔ فروز "عرض وکمال" بجائے "عرض کمال"۔

۱۰۔ الف میں عنوان نہیں ہے باقی تین
نسخوں میں "الہ بندی" ہے۔

۱۱۔ ب "اعضار" ندارد۔

ص ۱۰۲

- ۱۔ الف اور فروز "رجی" ب میں غالب
سہواً۔ "الہ بندی" کے بدلے رجی عنوان
دے دیا گیا ہے۔

۲۔ فروز "یک" ندارد۔

۳۔ ب "می زند..... تار" ندارد۔

۴۔ فروز "مقبرہ" بجائے "معتبرہ"۔

۵۔ ب "ابتیاح" بجائے "ابتیاع"۔

۶۔ الف "سواد" بجائے "سوار"۔

۷۔ الف "فروز" اقبال "بجائے" اقبالی "۔

۸۔ الف "صاحب" بجائے "صیاحت"۔

۹۔ الف "تاجا" بجائے "تا"۔

- ۲۔ الف "دوش" بجائے "ورودش"
- ۳۔ الف اور فروز "رنگش" بجائے "آنگش"
- ۴۔ الف اور فروز "اتحاد" بجائے "ایجاد"
- ۵۔ فروز "بلبل" بجائے "باہن"
- ۶۔ فروز الف "شدومد" بجائے "نشید"

ص ۱۰۹

- ۱۔ الف "حوطوطی" بجائے "طوطی"
- ۲۔ ب "بچھاہا" ندارد
- ۳۔ الف اور ب "بہ" ندارد
- ۴۔ فروز "مزہ گی" بجائے "مزگی"

ص ۱۱۰

- ۱۔ ب "کشی گیر" بجائے "کشتی گیر"
- ۲۔ الف "خیال بے نظر" بجائے "خیال نظری"
- ۳۔ الف، برش، "نورس" ندارد
- ۴۔ برش "مسند" بجائے "سند"
- ۵۔ برش "اکنوں بطور خود" بطور خود "زائد"
- ۶۔ الف، برش "در"
- ۷۔ برش بے اختیار ہا ہوکنناں " بجائے "بے اختیار یہا ہوکنناں"
- ۸۔ الف "طرز" بجائے "طرہ"
- ۹۔ الف "باد" بجائے "یاد"

ص ۱۱۱

- ۱۔ برش "حیرت" بجائے "حسرت"

- ۲۔ ب اور فروز "وو" بجائے "اد"
- ۳۔ ب "اسفل خود" "خود" زائد
- ۴۔ فروز "جامہ"
- ۵۔ الف اور فروز "تفاوت وگل" بجائے "تفاوت گل"

- ۶۔ الف "صدقش" بجائے "قس"

- ۷۔ ب "من" ندارد

ص ۱۰۶

- ۱۔ ب "دود"
- ۲۔ الف اور فروز "می شد" بجائے "می آمد"

ص ۱۰۷

- ۱۔ الف "رقص" بجائے "رقصش"
- ۲۔ ب "زیب" بجائے "زینت"
- ۳۔ الف اور فروز "لطیف" بجائے "زلفیف"

- ۴۔ الف اور فروز "لطفش"

- ۵۔ الف اور ب و فروز "مستتم" بجائے "منقتم"

- ۶۔ الف "پیش" ندارد

ص ۱۰۸

- ۱۔ الف، ب اور فروز "می کارہ"

بجائے "دارہ"

اشاریہ

اشخاص

- آدم بنوری نقشبندی : ۲۰۴
 آرزو، سراج الدین علی خاں : ۱۵۱، ۸۰، ۲۳
 آسپورا : ۱۰۶، ۱۰۹
 آگاہ، مرزا ابوالحسن : ۲۳، ۸۴
 آصف : ۲۸، ۶۱، ۱۲۰
 آصف الدولہ : ۱۶
 آصف ثانی (میر نظام علی خاں) : ۴۱
 آصف جاہ، بہادر، میر قمر الدین فتح جنگ نظام الملک : ۴۱، ۴۰
 ابدالی، احمد شاہ : ۱۹۰، ۲۱۰
 ابوالفضل : ۱۴
 ابوتراب، میر : ۸۸، ۱۵۹
 ابوطالب گیلانی، شیخ : ۲۰۱
 اتابک قزلباش ارسلان : ۲۱۱
 ابراہیم خاں کلاونت : ۲۳، ۹۵، ۱۶۶
 احمد بن موسیٰ : ۱۹۵
 احمد شاہ ابدالی (دیکھیے)
- ابدالی، احمد شاہ : ۲۰۴
 احمد شاہ بادشاہ : ۱۹۹، ۲۱۱، ۴۰
 اختر زماں : ۱۰
 ادبیگم : ۱۰۵، ۱۰۸
 ادیب، پروفیسر مسعود حسن رضوی : ۲۰۹
 اسپرنگر : ۲۰۹
 اسحق اطعمہ : ۸۴، ۱۵۶
 اسلم پرویز : ۱۰
 اعتماد الدولہ، وزیر الملک قمر الدین خاں : ۳۶، ۲۰
 ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۳۱، ۱۰۸، ۱۴۹، ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۱۰
 اعظم خاں : ۲۳، ۶۰، ۶۹، ۹۶، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۶۸
 اعظم شاہ، محمد : ۱۹۸
 اکبر، جلال الدین : ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۱۳
 اکبر شاہ ثانی : ۱۹۵، ۲۰۳
 انجام، عمدۃ الملک امیر خاں : ۹۴، ۱۹۰
 انسان، اسد یار خاں : ۲۱۰
 انصاری، پروفیسر نور الحسن : ۴۲، ۴۳، ۲۱۰
 انوسٹا : ۹۸، ۱۰۰

- ۱۰۱ : اہلسندی :
اورنگ زیب عالمگیر، ابوالمنظر محی الدین :
۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۸، ۲۰، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۹
- ۱۰۵ : بھیم سین :
بھینکے فیمل سوار : ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۳۶
- ۱۰۹ : او بابائی :
۱۸۳
- ۱۱۰ : پنا :
۱۸۴
- ۱۱۰ : پنا بابائی :
۱۰۸، ۱۸۲، ۲۰۱
- ۱۱۲ : باری :
۳۵
- ۱۱۲ : تاج خاں :
۱۶۳، ۱۶۴، ۱۳۶، ۹۱، ۶۸
- ۱۱۲ : تاج خاں قوال :
۲۳
- ۱۱۲ : تاج سین :
۱۶۴، ۹۳
- ۱۱۲ : تبارک علی نقشبندی، ڈاکٹر :
۲۰۰
- ۱۱۲ : تفتہ، مرزا ہرگوپال :
۲۱۱
- ۱۱۲ : تفتی :
۱۶۹، ۹۷
- ۱۱۲ : تفتی بھگت باز :
۳۶
- ۱۱۲ : تنو :
۱۸۴
- ۱۱۲ : تھامس رو :
۱۲
- ۱۱۲ : تھنا :
۱۶۸، ۹۶
- ۱۱۲ : ثنابت، مرزا افضل علی :
۱۹۹، ۱۵۲، ۸۱، ۲۳
- ۱۱۲ : جامی :
۲۱۱
- ۱۱۲ : جانچاناں، شمس الدین حبیب اللہ، مرزا جان جانان
پہلے منظر تخلص تھا : ۱۳۸، ۱۴۷، ۷۸، ۲۳
- ۱۱۲ : جانی :
۱۶۳، ۹۲
- ۱۱۲ : جانی حجام :
۱۵۹، ۸۸
- ۱۱۲ : جاوید خاں، نواب بہادر :
۱۹۹، ۱۵۹، ۱۵۶، ۸۸، ۸۶
- ۱۱۲ : جانی :
۱۸۲، ۱۶۲، ۱۰۸، ۹۱
- ۱۱۲ : جانی :
۱۲۳، ۱۲۲، ۸۱، ۵۷
- ۱۱۲ : جانی :
۲۰۵، ۱۹۸، ۱۵۱، ۱۴۹
- ۱۱۲ : برہانی امیر خانی :
۱۶۶، ۹۴، ۲۳
- ۱۱۲ : برہانی قوال :
۱۶۵، ۹۴، ۲۳
- ۱۱۲ : بشیر الدین احمد :
۲۱۳، ۱۹۱
- ۱۱۲ : بولے خاں کلاونت :
۱۶۷، ۹۵، ۲۳
- ۱۱۲ : بہادر شاہ اول :
۲۰۰، ۱۱۸، ۵۳، ۳۱
- ۱۱۲ : بہار :
۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴
- ۱۱۲ : بہی :
۱۸۰، ۱۰۷
- ۱۱۲ : بہنراد :
۱۸۲، ۱۶۲، ۱۰۸، ۹۱
- ۱۱۲ : بیدل، مرزا عبدالقادر :
۱۲۳، ۱۲۲، ۸۱، ۵۷
- ۱۱۲ : بیدل :
۲۰۵، ۱۹۸، ۱۵۱، ۱۴۹

- جٹا توآل : ۱۰۰، ۱۴۲، ۱۴۳
- جرات، قلندر بخش : ۲۰۶
- جلال اسیر، مرزا : ۲۰۰
- جہاں آرا بیگم : ۱۶، ۱۸۹
- جہاں دارشاہ : ۲۱، ۲۰۰، ۲۰۲
- جہانگیر : ۱۲، ۱۴، ۲۰۳، ۲۱۲
- جیمز فریزر : ۱۲۰
- جراغ دہلی، حضرت شیخ نصیر الدین محمود : ۲۳
- چشتی، حضرت خواجہ معین الدین : ۵۳
- چٹک دھانی : ۳۶، ۱۰۶
- چمنی : ۳۶، ۱۰۴، ۱۴۴
- چندر شیکھر، ڈاکٹر : ۹، ۲۳، ۴۴، ۴۵، ۲۰۵
- چھبل ڈھاڑی : ۹۴
- حزبی (اُردو مرثیہ گو) : ۸۶، ۸۷، ۱۵۷، ۲۰۸
- حزبی، شیخ محمد علی : ۲۳، ۷۹، ۱۵۰، ۲۰۱
- حسن خاں ربابی : ۲۳، ۹۲، ۹۳، ۱۶۳، ۱۶۴
- حسن رسول نما، حضرت شاہ : ۵۶، ۱۲۲، ۱۴۱
- حسن کاشی، مولانا : ۸۶، ۱۵۶
- حسین خاں ڈھولک نواز : ۹۳، ۹۶، ۱۶۴
- حسین علی خاں، سید : ۱۸
- حشمت خاں، سید : ۱۴۴
- حلیما : ۲۳، ۸۴، ۱۵۶
- حیات خاں ناظر : ۵۸، ۱۲۳
- خان آرزو
- دیکھیے : آرزو، سراج الدین علی خاں
- خان، ابوالحسن : ۹۹، ۱۴۲
- خان، ایم حبیب : ۱۰
- خان ثانی، خاندان قلی : ۴۰
- خان جہاں بہادر عالمگیری : ۲۳، ۶۹، ۱۳۷
- خان، درگاہ قلی، نواب (نواب ذوالقدر) :
- ۹، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۳۲، ۳۹، ۴۰
- ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۵۱، ۵۱، ۱۱۵، ۱۹۷
- ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۰۹
- خان زماں : ۲۰۲
- خان، شاہ عالم : ۱۵
- خان، شہاب الدین احمد : ۲۱۳
- خان، عظیم اللہ : ۸۴، ۱۵۵، ۲۰۵
- خان، علی مرداں : ۳۹، خان کاظم علی : ۱۰
- خان، لطف علی : ۸۶، ۱۵۶
- خان، محمد عارف : ۱۰
- خان، میر احمد، نظام الدولہ ناصر جنگ : ۴۰، ۴۱
- خسان، نوروز قلی : ۴۰
- خاندان قلی خاں : ۳۹
- نجمت اختر شاہ : ۲۰۷

- خلیق انجم : ۲۰۰
 خواجو : ۲۱۱
 خواجہ احمد : ۱۹۵
 خواجہ باقی باللہ :
 دیکھیے، باقی باللہ
 خواجہ خضر : ۱۱۸، ۵۳
 خواصی : ۹۸
 خورشید جاہ، محی الدین بہادر شمس الامراء : ۱۹۵
 خوش حالی رام جینی : ۱۰۶، ۱۰۹
 خوش گو : ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۵
 زادلی (کسی شاعر کا تخلص) : ۲۰۴
 داؤد خاں : ۱۶
 درویش حسین، میر : ۱۵۹، ۸۸
 دولت خاں : ۱۰۱، ۱۰۳
 دہلوی، مولوی سید احمد
 دیکھیے
 سید احمد دہلوی، مولوی
 ذوالقدر، نواب
 دیکھیے
 خاں نواب درگاہ قلی
 راجا پتھورا : ۱۹۲
 راقم، ابراہیم علی خاں : ۲۳، ۸۲، ۱۵۳، ۲۰۳
 رام لال : ۱۰
 رجبی : ۱۰۲، ۱۰۴
 رحمن بائی : ۱۰۸، ۱۸۱
 رحمت اللہ شاہ : ۶۹، ۱۳۶، ۲۰۴
 رحمت خاں، حافظ : ۱۶
 رحیم خاں : ۱۰۱، ۱۰۳
 رحیم خاں جہانی : ۲۳، ۹۴، ۱۶۶
 رحیم حسین : ۹۳، ۱۶۴
 رضائی : ۱۰۸، ۱۸۱
 زیدی، علی جواد : ۲۰۸
 زینت : ۱۰۰، ۱۸۰
 سالار جنگ :-
 دیکھیے
 خان، درگاہ قلی
 سبزو : ۹۸، ۱۰۰
 سخن، میر عبدالصمد : ۱۹۰
 سرنخی :-
 دیکھیے
 شاہ دانیال
 سرس روپ : ۱۰۳، ۱۰۶
 سرور، چودھری عبدالغفور : ۲۱۲
 سکینہ، رام بابو : ۲۰۹
 سعد اللہ خاں : ۲۱۳
 سعد اللہ، حافظ شاہ : ۶۲، ۱۲۹

- سلطان التمش : ۱۹۶
- سلطان نامرد : ۳۴
- سلطان شمس الدین غازی : ۱۹۶، ۱۳۵، ۶۷
- سلطان فیروز شاہ تغلق : ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۱۳
- سلطان محمود بیکراہ : ۲۰۴
- سلطان محمود شاہ تغلق : ۱۹۰
- سلطانہ : ۱۰۲، ۱۷۵
- سلیمان : ۲۸، ۶۱، ۱۲۷
- سلیم الدین : ۱۹۴
- سواد خاں : ۹۵
- سوادہ :-
- دیکھیے
- سواد خاں
- سودا، مرزا محمد رفیع : ۲۰۸
- سید احمد دلہوی، مولوی : ۱۹۸
- سید حسن : ۱۹۱
- سید محمد، میر : ۶۵، ۲۰۹
- سیف الدین لاجپن : ۱۸۱
- شاما ستر چنائے : ۹، ۴۳
- شاہ ترکمان، شیخ محمد ملقب بہ مہدر الدین و شمس الدین : ۱۲۰، ۱۹۲، ۵۶
- شاعر، معنی یاب خاں (اصل نام گل محمد) : ۲۳، ۶۹، ۱۲۹، ۲۰۴، ۲۰۵
- شاہ باسط : ۱۰۰، ۱۷۳
- شاہ حسن رسول نما :
- دیکھیے
- حسن رسول نما، حضرت شاہ
- شاہ دانیال المعروف بہ سرخی : ۹۸
- شاہ جہاں، شہاب الدین محمد : ۱۲، ۱۳، ۱۵
- ۱۱۶، ۳۹، ۲۰۳، ۲۱۳
- شاہ شفیع : ۳۹
- شاہ طہاسپ : ۲۰۸
- شاہ عالم ثانی : ۴۰، ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۱۱
- شاہ عباس اول : ۲۰۰
- شاہ ولی اللہ
- دیکھیے
- ولی اللہ، شاہ
- شجاعت خاں : ۲۳، ۹۵، ۱۶۶
- شجاع الدولہ، نواب : ۱۹۷، ۲۰۶
- شجاع الملک، جعفر علی خاں : ۲۱۱
- شرما، شرمی رام : ۱۶
- شریف خاں : ۹۹، ۱۷۲
- شمس الدین غازی، سلطان
- دیکھیے
- سلطان شمس الدین غازی
- شمس العارفین

دیکھیے

شاہ ترکان

شفیع خاں عالمگیری، حاجی : ۱۵۳، ۸۲

شکیب، ڈاکٹر ضیاء الدین : ۴۵، ۱۰

شمیم جہاں : ۱۰

شہاب الدین سہروردی، شیخ : ۲۰۱

شہباز دھمدھی نواز : ۱۶۸، ۹۶

شیخ ابو حفص : ۱۹۵

شیخ ترک بیابانی

دیکھیے

شاہ ترکان

شیخ خلیل : ۱۹۵

شیخ سلطان : ۱۵۸، ۸۷

شیر شاہ سوری : ۱۹۵، ۱۶

شیواو انکر : ۱۲

شیواجی : ۱۵

صداقت، محمد ماہ : ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۸۴

۲۰۵

صفدر جنگ : ۱۹۹

صمصام الدولہ : ۱۰۰، ۱۷۳

طبا طبائی، سید غلام حسین خاں : ۲۰

ظفر، بہادر شاہ : ۲۰۳

ظفر سبحانی

دیکھیے

محمد شاہ

عارفہ خانم : ۱۰

عبدالمجبار، محمد : ۴۰

عبدالحق، مرزا : ۱۹۸

عبدالرحیم خان خاناں : ۲۱۲

عبدالشارد لوی، پروفیسر : ۴۵

عبداللہ خاں، سید : ۱۸

عبدالمطیف المعروف بہ شاہ داؤد : ۲۰۴

عبداللہ شامیر : ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۰۹

عتیق صدیقی : ۲۰۸

عزیز اللہ شاہ : ۱۳۴، ۶۷

عطائی : ۱۶۷، ۹۸

عظیم الشان : ۲۰۶

عدائی، علار الدین احمد خاں : ۲۱۱، ۱۹۵

علی : ۱۶۴، ۹۳

علی بخاری، خواجہ : ۱۹۵

علی، حضرت : ۱۱۶

عمدة الملک :-

دیکھیے

انجام، عمدة الملک امیر خاں

غالب، مرزا عبداللہ : ۲۱۱

غلام رسول : ۱۶۳، ۹۲

- غلام محمد داؤد پورہ، شاہ : ۲۰۴، ۱۰۳، ۶۳
- غلام محمد سارنگی نواز : ۱۶۳، ۹۲، ۲۳
- غلام محمد، شاہ : ۱۳۶، ۶۸
- غلام مصطفیٰ کارطلب خاں، شیخ : ۲۰۲
- غملکین : ۲۰۸، ۱۵۷، ۸۶
- غنیمت، محمد اکرم : ۲۰۵
- غوث گوالیاروی، محمد : ۱۹۷
- فاروقی، پروفیسر نثار احمد : ۱۰
- فتح خاں شہزادہ : ۱۹۳
- فخر الدین، مولانا : ۱۹۵
- فدوی خاں : ۱۳۷، ۶۹
- فرخ سیر، جلال الدین : ۱۵۹، ۱۱۸، ۵۴
- ۲۱۰، ۲۰۶
- فرید الدین گنج شکر : ۱۹۵
- قاسم : ۱۶۴، ۹۳
- قاسم، میر قدرت اللہ : ۲۱۲
- قائم چاند پوری، محمد قیام الدین : ۲۰۶، ۲۱
- قبول، مرزا عبدالغنی بیگ : ۲۰۷
- قدر بلگرامی، سید غلام حسین : ۲۱۱
- قدسیہ نواب (اصل نام ادھم بابی) : ۱۹۳
- ۱۹۹
- قطب الاقطاب
- دیکھیے۔ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ
- قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ : ۵۸، ۳۴
- ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳
- کاظمی، عاشور : ۴۵، ۱۰
- کالی گنگا : ۱۸۰، ۱۰۶
- کسل سنگھ : ۱۴۶، ۷۶، ۲۴
- کمال الدین، شیخ : ۱۹۷
- کمال بابی : ۱۸۳، ۱۰۹، ۳۶، ۲۲
- کمال، شاہ کمال الدین حسین : ۹۴، ۶۸، ۲۳
- ۲۰۶، ۱۶۵، ۱۳۵
- کنور : ۱۱۰
- کولہ :-
- دیکھیے
- سواد خاں
- کے ای۔ ایم۔ ایم : ۴۴
- گارساں دتاسی : ۲۰۸
- گرامی ہمدانی، مرزا گرامی : ۱۵۵، ۸۴، ۲۳
- ۲۰۷
- گلاب : ۱۸۱، ۱۰۷
- گل کرسٹ، جان : ۲۰۸
- گیان خاں : ۱۷۴، ۱۰۳، ۱۰۱
- گھانسی رام کپھاوجی : ۱۹۵، ۹۳، ۲۳
- ۱۶۷، ۱۶۴
- لال کنور : ۲۱

محمد ہاشم : ۱۳، ۱۴	لطیف خاں : ۱۳۹، ۱۳۸، ۷۰
محمد شاہ تغلق :-	مانی : ۱۸۲، ۱۰۸
دیکھیے	مجنوں نانک شاہی : ۱۳۳، ۶۶، ۳۲، ۲۳
سلطان محمد شاہ تغلق	۲۰۷
مخدوم جہانیاں جہاں گشت : ۱۹۳	مختتم کاشانی : ۲۰۸، ۱۵۶، ۸۶
مرزا ابراہیم : ۱۵۹، ۸۸	محمد امیر شاہ : ۱۳۰، ۶۳
مرزا جان : ۲۰۰	محمد حافظ شاہ : ۲۳
مرزا، صادق علی خاں : ۲۱۲	محمد سعید : ۱۲۳، ۵۷
مرزا فخر : ۲۰۴	محمد شاہ، روشن اختر البر الفتح : ۲۲، ۲۱، ۱۱
مرزا منو : ۱۳۸، ۶۹	۵۵، ۴۰، ۳۶، ۳۴، ۳۲، ۲۴
مزه : ۱۷۰، ۱۹۸	۷۹، ۹۳، ۹۱، ۹۰، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۲، ۵۶
مسکین، عبداللہ : ۲۸، ۱۵۷، ۸۶، ۲۳	۱۱۴، ۱۴۳، ۱۴۱، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۶، ۱۰۴
مصطفیٰ، شیخ غلام بہدانی : ۱۹۹، ۱۹۷	۱۱۹، ۱۶۶، ۱۶۱، ۱۷۰، ۱۷۷، ۱۷۷، ۱۷۷، ۱۸۳
منظر حسین، سید حکیم : ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸	۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۲
منظر	۲۱۰، ۲۰۷، ۲۰۵
دیکھیے	محمد فاضل میر :-
جان جاناں	دیکھیے
معراج الدین : ۱۹۵	خان محمد الدین
معز الدین :-	محمد ماہ :-
دیکھیے	دیکھیے
جہاں دار شاہ	صداقت، محمد ماہ
معین الدین قوال : ۱۶۵، ۹۷، ۲۳	محمد میر، سید : ۱۳۲
	محمد ندیم : ۱۶۰، ۸۹

- معتوق الہی :- ندیم : ۱۵۷، ۱۸۷
- دیکھیے
- نظام الدین اولیا، خواجہ
- معنی یاب خاں :- امیر احمد خاں
- دیکھیے
- نظام الدین اولیا، حضرت خواجہ : ۳۳، ۳۴
- نظام الدین اولیا، خواجہ حسن : ۱۱۸، ۵۸، ۵۴، ۱۲۴، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۸
- نظام الدین اولیا، خواجہ حسن : ۱۹، ۱۲۲، ۱۹۰، ۱۹۲
- نظام الدین اولیا، جمال الدین ابو محمد الیاس :-
- ۶۵، ۱۳۲، ۲۱۱
- نظری، محمد حسین : ۸۳، ۱۱۲
- نعمت خان بین نواز : ۲۳، ۹۰، ۹۱، ۹۳
- نقد درویش سبوح نواز شاہ نواز : ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۱۲
- نواب بانہ : ۱۹۵
- نواب قدسیہ :-
- دیکھیے
- قدسیہ نواب
- نور الحسن، پروفیسر : ۴۳
- نور بانی : ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹
- نور جہاں : ۱۶
- دارستہ، مرزا عبدالخالق : ۲۳، ۸۳، ۱۵۴
- دھشی : ۲۱۱
- وزیر الممالک : ۴۳، ۱۳۲
- میر شمس الدین : ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۸۲، ۱۵۳
- مکرم خان : ۱۲۳، ۲۰۹
- منوہر داس : ۱۶، موٹی کاظم : ۱۹۱
- مہابت خاں، زمانہ بیگ : ۲۰۳
- مہر پرور : ۳۱، ۵۸، ۱۲۳
- میر احمد، خواجہ : ۲۰۸
- میر خوانی، شیخ : ۲۰۹
- میرن، صادق علی خاں : ۲۵، ۲۳، ۲۱۱
- میر گلہ : ۲۲، ۵۸، ۵۹، ۱۲۴، ۱۲۵، ۲۱۰
- میر منو : ۲۱۰
- میر، میر تقی : ۲، ۱۹۷
- مین، ابریک : ۱۳
- نادر شاہ : ۱۱، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳
- ۴۰، ۴۲، ۱۰۹، ۱۸۳
- ناگل : ۷۷، ۱۴۶
- ناگوری، حضرت قاضی میر الدین : ۵۳
- ۱۱۸، ۱۹۵، ۲۰۱

تاریخ ادبِ اردو : ۲۰۹
 تاریخِ محمدی : ۲۰۹ تذکرہ بے نظیر : ۲۰۷
 تذکرہ مسرت افزا : ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۱۱
 جمیع اولیائے دہلی : ۱۹۲، ۱۹۱
 ختمہ نظامی : ۲۱۱
 دلی کی درگاہِ شاہِ مردان : ۱۹۳
 دی گولڈن کام (انگریزی) : ۲۲
 دیوانِ معنی یاب خاں : ۱۴۹، ۷۹
 ریاض الاولیاء : ۱۳۵، ۶۷
 سفینہٴ خوش گو : ۱۹۹
 سروِ آزاد : ۲۰۷
 فرہنگِ آصفیہ، جلد اول : ۱۹۸
 قصہٴ حقیقت برآمدنِ نادر شاہ بہ شاہجہاں آباد : ۱۹
 مآثر الامراء : ۲۱۱، ۲۰۲
 مجمع الانتخاب : ۲۰۶
 مرزا مظہر جانجاناں - ان کا عہد اور شاعری : ۲۰۰
 مرقعِ دہلی : ۲۳، ۲۲، ۲۳، ۳۱، ۴۲، ۴۳
 ۲۱۰، ۲۰۵، ۲۰۲، ۴۶، ۴۵، ۴۴
 مرقعِ دہلی (انگریزی ترجمہ) : ۲۰۵
 منطق الطیر : ۱۲۷، ۲۸
 ناصری نامہ : ۲۰۷، ۲۰۷
 واقعاتِ دارالحکومتِ دہلی : ۱۹۳
 ہندوستانی زبان کے قواعد : ۲۰۸

دلی اللہ شاہ : ۱۱۳، ۱۵
 بدو : ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴
 ہنری ٹارنس، سر : ۲۰
 ہینگا : ۱۷۴، ۱۰۲، ۳۵، ۳۴
 یزدانی، خواجہ عبدالمحمید : ۲۳

ادارے اور لائبریریاں وغیرہ

انجمن ترقی اردو لائبریری : ۲۱، ۲۰۶
 برٹش لائبریری لندن : ۱۰، ۴۴، ۴۵
 دہلی یونیورسٹی : ۴۳، ۴۴، ۴۹
 رضا لائبریری، رام پور : ۱۸
 سالار جنگ میوزیم لائبریری : ۴۲، ۴۴، ۴۵
 ۴۵
 فخر الدین علی احمد کمیٹی : ۱۰
 فورٹ ولیم کالج : ۲۰۹
 کاما اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ : ۴۵، ۴۶
 مٹا فروز لائبریری : ۲۴

کتابیں

اربابِ نثرِ اردو : ۲۰۹

مقامات، عمارتیں اور بازار وغیرہ

۲۱۳	بازار فتح پوری :	۲۱۲ ، ۲۱۱	آذربائیجان :
	باغ گلانی	۴۰ ، ۱۴	آگرہ :
	دیکھیے		اٹاواہ :
	۱۹۲		اجمیر :
	گلانی باغ :	۴۰	احدی پورہ :
۱۹۱	بخارا :	۹۶	احمد آباد (گجرات) :
۱۵۵	بدایوں :	۷۲	احمد نگر :
۱۹۹	بدخشاں :	۲۱۲	اربندومارگ (نئی دہلی) :
۱۹۵	بستی نظام الدین :	۱۵	اردو بازار :
۱۹۶	بنت کنج :	۱۹۲	اڑیسہ :
۲۰۱	بغداد :	۲۱۳	اڑھائی دن کی جھونپڑے کی مسجد :
۴۵	بمبئی :	۱۷	اکبر آباد :
۲۰۱	بنارس :	۱۹۲	اصفہان :
۴۰	بونڈلیہ :	۲۰۱ ، ۲۰۰	الہ آباد :
۲۰۶	بہار :	۱۹۹	انگوری باغ :
۴۰	بیجا پور :	۲۲	اودھ :
۴۰	بھوپال :	۲۱۰ ، ۱۹۷ ، ۱۹۶	اورنگ آباد :
۱۹۳ ، ۱۹۴	پاکستان :	۲۰۲ ، ۴۱ ، ۴۰	اورینجی روڈ (نئی دہلی) :
۱۹۶	پالم (نئی دہلی) :	۱۹۳	اوش (فرغانہ کا ایک قصبہ) :
۲۱۱ ، ۱۹۸	پٹنہ :	۱۹۵	ایشیا :
۱۶۲ ، ۱۳۴ ، ۱۲۲ ، ۹۵ ، ۶۷	پرائی دہلی :	۱۷	ایران :
۲۱۳	پریڈ گراؤنڈ :	۲۱۲ ، ۱۶۰ ، ۴۳ ، ۳۹	
۲۰۵ ، ۱۷	پنجاب :		
۱۹۱	پنچ کوسیاں روڈ (نئی دہلی) :		
۱۹۳	پہاڑ گنج (نئی دہلی) :		

۵۳	جوفن شمسی :	۲۱۱	تبریز :
۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۲	حیدرآباد :	۲۱۳	ترپولیس :
۱۹۰	خان پور (نئی دہلی) :	۳۹	ترکان پور :
۱۴۳، ۱۰۱، ۱۰۰	خانقاہ شاہ باسط :	۲۰۰، ۱۹۲	ترکان دروازہ، دہلی :
۱۳۶، ۶۸	خانقاہ شاہ غلام محمد :	۲۰۱، ۳۹	کھٹھ :
۲۱۳	خضرآباد :	۲۱۳، ۱۴۹، ۷۹، ۲۶	جامع مسجد (دہلی) :
۱۸۹	درگاہ امیر خسرو :	۲۱۳، ۲۰۷	جمنا :
۱۲، ۷۲، ۵۵	درگاہ حضرت چراغ دہلی :	۱۹۳	جورباغ روڈ (نئی دہلی) :
۱۹۰، ۱۴۱			جہاں آباد :-
۱۸۹، ۱۴۱، ۵۶	درگاہ حضرت باقی باللہ :		دیکھئے
۱۹۰			دہلی
۵۵، ۵۴	درگاہ حضرت نظام الدین اولیا :	۱۳۸، ۶۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۱۹	چاندنی چوک :
۲۰۸، ۱۹۵، ۱۴۱، ۱۱۹، ۷۲		۲۱۳، ۲۱۲	
۱۴۱، ۷۲	درگاہ حضرت شاہ حسن رسول نما :	۱۷	چبھی پور :
۱۹۲، ۱۹۱		۱۹۳	چترگپت :
۱۹۲، ۷۲، ۵۶	درگاہ حضرت شاہ ترکان :		چراغ دہلی (نئی دہلی کی ایک نئی کالونی
۱۹۳، ۱۹۲	درگاہ شاہ مردال :	۱۹۰	کا نام) :
۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲	درگاہ قدم شریف :	۱۹۰	چراغ دہلی روڈ (نئی دہلی) :
۵۳	درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی :	۱۹۱، ۱۹۰	چشمہ درگاہ روشن چراغ دہلی :
۱۹۵، ۱۳۵، ۷۲، ۶۷		۳۴، ۲۸، ۲۶، ۱۹	چوک سعد اللہ خاں :
۲۰۰	درگاہ حضرت مولانا شاہ ابوالخیر :	۲۳، ۱۲، ۷، ۶، ۳، ۵	
۴۰، ۲۲	دکن :	۲۰۱	حرمین شریف :
۲۲، ۳۰، ۱۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۲، ۲۰، ۱۹	دہلی :	۲۱۴	حاتم (لال قلعہ دہلی) :

۱۶	شجاع الدولہ :	۲۹، ۴۵، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۱، ۴۶، ۴۰
۲۱۱	شروان :	۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۱، ۹۸، ۹۶، ۹۵، ۹۰، ۸۱، ۸۰
۴۰، ۱۸، ۱۷	شمالی ہند :	۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۱، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۳۲، ۱۲۰، ۱۱۸
۱۸۹	صدر بازار (دہلی)	۱۹۵، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۰، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۱، ۱۶۸
۲۰۶	عظیم آباد (پٹنہ شہر کا نام) :	۲۳، ۲۰، ۲۰، ۲۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶
۱۹۳	علی گنج (نئی دہلی)	۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۰، ۲۰۷، ۲۰۶
۱۸۹	عبید گاہ روڈ :	۱۹
۲۱۲	فتح پوری مسجد :	۲۰۶
۱۹۵	فرغانہ :	۲۰۳
۱۹۲	فیروز آباد (موجودہ دہلی کا قدیم شہر) :	۲۰۴
۲۰۶	فیض آباد :	۲۱۴
۲۱۴، ۲۱۳	فیض نہر :	۲۰۳، ۷۷
۱۴۰، ۱۱۶، ۱۱۵، ۵۲، ۵۱	قدم شریف :	سرائے خواجہ بسنت اسعد خانی : ۷۷، ۳۰
۱۹۳	قدم شریف حضرت علی :	سرائے عرب : ۱۴۳، ۷۴
۲۰۴	قصور (پاکستان) :	سرہند : ۲۱۰
۱۹۰، ۱۸۹	قطب روڈ (دہلی) :	سفیدوں : ۲۱۳
۱۹۶	قطب مینار :	سمت برج : ۲۲
۳۹	قن بھار :	سنہیل : ۱۶
۲۰۳، ۱۹۰	کابل :	سنگم نیر : ۴۰
۲۱۲	کاشان :	سونر گاؤں : ۱۷
۱۹۰	کان کاجی روڈ (نئی دہلی)	شاہ آباد : ۱۶
۲۰۶	کٹرمانک پور (الہ آباد)	شاہ برج (لال قلعہ دہلی) : ۲۱۴
		شاہ جہاں آباد : ۱۹، ۲۲، ۴۴، ۵۶، ۱۹۹، ۲۰۳

۱۲.	مزار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی :	۱۶	کٹرا میر پور :
۱۹۲، ۱۲۲	مزار حضرت سید رسول نما :	۱۹۶	گنچھ :
۱۹۴	مزار شہزادہ فتح خاں :	۱۹۳	کر بلا روڈ (نئی دہلی) :
۲۰.	مزار مرزا جانِ جاناں :	۱۷	کرناٹک :
۵۳	مسجد اولیا :	۱۲۶، ۷۶، ۲۵، ۲۴	کسل پورہ :
۱۹	مسجد روشن الدولہ :	۱۸۲، ۱۰۸، ۳۹، ۱۶	کشمیر :
۱۹۶	مسجد قوت الاسلام :	۱۹۱	کناٹ پلیس (نئی دہلی) :
۳۹	مشرقی بنگال : ۱۷، مشہد مقدس : ۳۹	۲۱۳	کوٹوالی :
۱۹۳	مکہ معظمہ :	۱۹۱	گلابی باغ (نئی دہلی) :
۱۸۹	مقبرہ امیر خسرو :	۲۱۱	گنچھ :
۱۹۱	مقبرہ دہلی، چراغ دہلی :	۱۰۲، ۷۴، ۲۸، ۲۶، ۲۲، ۱۹	لال قلعہ :
۱۹۰	مقبرہ روشن، چراغ دہلی :	۱۹۸، ۱۷۴، ۱۴۳، ۱۲۷، ۱۲۵، ۱۱۶	
۴۱	مقبرہ سالار جنگ :	۲۱۳، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۰۵، ۲۰۰، ۱۹۹	
۱۹۶	مقبرہ سلطان غازی :	۲۱۲	لاہوری دروازہ :
۱۹۳	مقبرہ صفدر جنگ :	۲۰۹، ۲۰۶	لکھنؤ :
۲۰۱	ملتان :	۱۹۴	لکھنوتی :
۲۱۰	ملیح آباد :	۹	لسدن :
۱۹۳	موتیا کھان :	۴۰	مالوہ :
۱۹۰	موضع بھیرمی :	۱۹۰	مالویہ نگر (دہلی) :
۱۹۳	موضع جور باغ :	۲۰۷	مجنوں کا ٹیلہ :
۱۹۳	موضع خیر پور :	۲۰۶	محمی الدین پور :
۲۰۴	موضع شاہ دھورہ (دہلی) :	۱۲۱	مزار باقی باللہ :
	موضع عیناٹ پورہ (موجودہ نام بستی حضرت	۱۲۱	مزار حضرت شاہ ترکمان :

۲۱۳	نہر بہشت :	۱۹۵	نظام الدین) :
۲۱۳	نہر شہاب :	۱۹۱	موبان :
۲۰۳	نئی دہلی :	۱۹۵	مہرولی (نئی دہلی) :
۱۸۹	نئی دہلی ریلوے اسٹیشن :	۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۶	مہرولی روڈ (نئی دہلی) :
۲۱۲	نیشاپور :	۱۹۶	مہی پال روڈ (نئی دہلی) :
۳۲، ۱۷، ۱۵، ۱۳	ہندوستان :	۲۰۱	ناگور :
۷۹، ۵۵، ۴۶، ۳۹، ۳۲		۱۹۳	نبی کریم (نئی دہلی)
۱۹۱، ۱۹۰، ۱۶۰، ۱۲۰، ۹۵		۲۰۶	نخاس (دہلی) :
۲۱۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۶		۴۱	نظام آباد :

کتابیات

- ۱۔ آزاد بلگرامی، میر غلام علی، خزانہ عامرہ، کانپور، ۱۸۷۱ء
- ۲۔ آزاد بلگرامی، میر غلام علی، سرو آزاد مرتبہ عبداللہ خاں، حیدرآباد، ۱۹۱۳ء
- ۳۔ ابوالحسن امیرالدین احمد امر اللہ آبادی، تذکرہ مسرت افزا، مترجمہ مجیب قریشی، دہلی، ۱۹۶۸ء
- ۴۔ ادیب، مسعود حسن رضوی، تاریخ مرتبہ کا ایک باب شامل، ارمغان مالک۔
- ۵۔ ارمغان مالک، دہلی۔
- ۶۔ افتخار، سید عبدالوہاب، تذکرہ بنیظیر، مرتبہ سید منظور علی، الہ آباد، ۱۹۴۰ء۔
- ۷۔ امیر علی جونپوری، تذکرہ مرتبہ نگاران اردو، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء۔
- ۸۔ ایف فیلم و کریم الدین، طبقات الشعراء ہند، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۷۱ء۔
- ۹۔ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، حصہ اول، آگرہ، ۱۹۱۹ء۔
- ۱۰۔ بیل، طامس ولیم، مفتاح التواریخ، کانپور، ۱۸۶۷ء۔
- ۱۱۔ تبارک علی نقشبندی، ڈاکٹر سید، مرزا منظر جان جاناں۔ ان کا عہد اور شاعری، دہلی، ۱۹۸۸ء۔
- ۱۲۔ تمنا اورنگ آبادی، اسد علی خاں، گل عجائب، اورنگ آباد، ۱۹۳۶ء۔
- ۱۳۔ پرانی دہلی کے حالات، ترجمہ و تلخیص مرقع دہلی، خواجہ حسن نظامی، دہلی، ۱۹۴۰ء۔
- ۱۴۔ حبیب اللہ، ذکر جمع ادویاے دہلی، مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء۔
- ۱۵۔ حبیب، پروفیسر، حضرت نظام الدین ادویا، دہلی، ۱۹۷۲ء۔

- ۱۶۔ حزنی، شیخ محمد علی، تاریخ احوال بتذکرہ عالی، (خودنوشت حالات) لندن، ۱۸۳۱ء۔
- ۱۷۔ حزنی، شیخ علی، سفینہ شیخ علی حزی، حیدرآباد، ۱۹۳۰ء۔
- ۱۸۔ حمید قلندرا خیر المجلد، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، علی گڑھ۔
- ۱۹۔ خان، سر سید احمد، آثار الصنادید (جلد اول)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔
- ۲۰۔ خان، سر سید احمد، آثار الصنادید (جلد دوم)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔
- ۲۱۔ خان، سر سید احمد، آثار الصنادید (جلد سوم)، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء۔
- ۲۲۔ خان، سید علی حسن، صبح گلشن، بھوپال، ۱۲۹۵ھ۔
- ۲۳۔ خان، صدیق حسن، شمع انجمن، مرتبہ سید شاہ عطا الرحمن عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔
- ۲۴۔ خان، صدیق حسن، شمع انجمن، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔
- ۲۵۔ خان، مولانا عبدالغنی، تذکرہ الشعراء، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء۔
- ۲۶۔ خان، محمد عبدالجبار، محبوب الزمن، تذکرہ شعراء دکن، جلد اول، حیدرآباد،

۱۳۲۹ھ۔

- ۲۷۔ خان، نور الحسن، نگارستان سخن، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔
- ۲۸۔ خلیق انجم، دلی کے آثار قدیمہ، دہلی، ۱۹۸۸ء۔
- ۲۹۔ خلیق انجم، دلی کی درگاہ شاہ مردان، دہلی، ۱۹۸۸ء۔
- ۳۰۔ خوشیگی، نصر اللہ خان، گلشن ہمیشہ بہار، اسلم فرخی، کراچی، ۱۹۶۷ء۔
- ۳۱۔ دانش، میر دلاور علی، ریاض مختاریہ بہ سلطنت آصفیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۰ھ۔
- ۳۲۔ درگاہ قلی خان، مرقع دہلی، مرتبہ سید مظفر حسین، حیدرآباد، ۱۹۲۶ء۔
- ۳۳۔ درگاہ قلی خان، مرقع دہلی، مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر نور الحسن انصاری، دہلی، ۱۹۸۲ء۔
- ۳۴۔ درگاہ قلی خان، مرقع دہلی، مرتبہ خواجہ عبد الحمید نیردانی، لاہور، ۱۹۸۸ء۔
- ۳۵۔ ذکا، خوب چند، معیار الشعراء (قلمی)، انجمن ترقی اردو (ہند) لاہور۔
- ۳۶۔ سرخوشی، محمد افضل، کلمات الشعراء، مرتبہ صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ء۔
- ۳۷۔ سری رام لالہ، خم خانہ جاوید : ۱، لاہور، ۱۹۰۸ء۔

- ۳۸۔ سکینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، ۱۹۵۲ء۔
- ۳۹۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، دہلی، ۱۹۷۴ء۔
- ۴۰۔ سید محمد ارباب نثر اردو، لاہور، ۱۹۵۰ء۔
- ۴۱۔ شاہنواز خاں، مصمص الدولہ، ماثر الامرا، جلد ۱ مترجمہ، پروفیسر محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء۔
- ۴۲۔ شفیق، رضا زادہ، تاریخ ادبیات ایران، طهران، ۱۹۵۸ء۔
- ۴۳۔ شفیق و صاحب اورنگ آبادی، پنجمی نرائن، جمنستان شعرا، تلخیص و ترجمہ عطا کا کوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔
- ۴۴۔ شوق، قدرت اللہ، طبقات الشعرا (تین تذکرے) مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۶۸ء۔
- (تین تذکرے)
- ۴۵۔ صباح الدین عبدالرحمن، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ، ۱۹۸۰ء۔
- ۴۶۔ صبا گوپامسوی، روز روشن، تلخیص و ترجمہ عطا کا کوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔
- ۴۷۔ صدیقی، محمد عتیق، گل کرسٹ اور اس کا عہد، دہلی، ۱۹۷۹ء۔
- ۴۸۔ صفا، ذبیح اللہ، تاریخ ادبیات در ایران، تہران، ۱۳۵۲ھ۔
- ۴۹۔ عبد الغنی خاں، مولانا محمد تذکر الشعرا، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء۔
- ۵۰۔ علی نظمی، دو بیت سخنور تبریز، ۱۲۹۶ھ۔
- ۵۱۔ منتخب یعنی تذکرہ سرور، تالیف میر محمد خاں بہادر سرور۔ مرتب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی۔
- ۵۲۔ فاروقی، پروفیسر نثار احمد، تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا: خانقاہ مبارک کی جہانگاہ، لاہور، ۱۹۸۰ء۔
- ۵۳۔ فریدی، نسیم احمد، خواجہ باقی باللہ و فرزند ان و خلفائے اولیٰ، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء۔
- ۵۴۔ کریم الدین، طبقات الشعرا، ہند، مرتبہ عطا کا کوی، ۱۹۶۸ء۔

۵۵۔ کمال، شاہ کمال الدین حسین، مجمع الانتخاب، (قلمی) انجمن ترقی اردو (ہند) لاہور پریس۔

۵۶۔ کمال، شاہ کمال الدین حسین، مجمع الانتخاب، قلمی انجمن ترقی اردو (ہند) لاہور پریس۔

۵۷۔ قاسم، حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ، مجموعہ نغز مرتبہ محمود شیرانی، دہلی، ۱۹۷۳ء۔

۵۸۔ قدرت اللہ گوپا سہوی، نتائج الافکار، تلخیص و ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۵۹۔ قدرت اللہ گوپا سہوی، نتائج الافکار، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۶۸ء۔

۶۰۔ قصاص ہند، پنجاب ایجوکیشن، ڈیپارٹمنٹ، پنجاب لاہور، ۱۹۱۴ء۔

(بحوالہ چندر شیکھر)۔

۶۱۔ لطف، مرزا علی، گلشن ہند، مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۷۲ء۔

۶۲۔ مالک رام، تذکرہ ماہ و سال، دہلی، ۱۹۹۱ء۔

۶۳۔ محمد عالم شاہ دہلوی، مزارات اولیائے دہلی، ۱۳۳۰ھ۔

۶۴۔ مرآت عالم، مرتبہ ساعدہ خاتون، لاہور، ۱۹۷۹ء۔

۶۵۔ مرزا، اصحیح، تذکرہ شعرائے کشمیر، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۶۶۔ مرزا سنگین بیگ، سیر المنازل، مرتبہ و مترجمہ شریف حسین قاسمی، دہلی، ۱۹۸۲ء۔

۶۷۔ مصحفی، غلام ہمدانی، ریاض الفصحا، مرتبہ مولوی عبدالحق، ۱۹۳۴ء، اورنگ آباد۔

۶۸۔ مصطفائی، بیگم، تاریخ یوسف دکن، حیدرآباد، ۱۳۵۰ ف۔

RIZVI, S.A.A, A HISTORY OF SUFISM IN INDIA, DELHI 1978, ۷۰.

VOL. I

